سوانح

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

تصنیف

عباس محمود العقاد مصری

ترجمہ

سیّد عبدالرشید ندوی ایم اے

ناشر

نفیس اکیڈیمی

اردو بازار، کراچی

ISLAMIC BOOK SERVICE
40-A, URDU BAZAR,
LAHORE-2.

جملہ حقوق اشاعت وطباعت ترجمہ دائمی بحق ناشر
چوھدری طارق اقبال گاھندری
مالک نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی محفوظ ہیں

26212

نام کتاب	حضرت عثمان غنی رضؓ
ناشر	نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
مصنف	عباس محمود العقاد مصری
مترجم	سید عبدالرشید ندوی ایم اے
اشاعت اوّل	اپریل ۱۹۸۶ء
ایڈیشن	آفسٹ
ضخامت	۲۱۶ صفحات

فون: ۲۱۸۱۸۱ - ۲۱۹۷۹۶ - ۲۱۳۳۰۳

مطبوعہ
احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی

Marfat.com

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	عرض ناشر	
۲	پیش لفظ	۷
۳	فصل اوّل	۹
۴	سوانح حیات	۹
۵	اقدار و حوادث اور ان کے اسباب وعلل	۱۴
۶	شہادت کے حادثہ فاجعہ کے بعد	۲۷
۷	اسباب و عدم اسباب۔	۳۰
۸	فصل دوم	۴۲
۹	جاہلیت اور اسلام کا درمیانی عہد۔	۴۲
۱۰	حضرت عثمان رضؓ کی شخصیت ونشو و نما۔	۵۷
۱۱	ثقافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔	۸۲
۱۲	تیسری فصل	۹۲
۱۳	اسلام سے خلافت تک حضرت عثمان رضؓ کے احوال وواقعات۔	۹۲
۱۴	اسلام سے خلافت تک معاشرہ کے احوال۔	۹۲
۱۵	استعداد وصلاحیت۔	۱۰۶
۱۶	معاشرتی حالات۔	۱۱۷
۱۷	چوتھی فصل	۱۳۴
۱۸	بیعت، خلافت، امام وخلیفہ، مصحف عثمان رضؓ۔ اختتام۔	۱۳۴

Marfat.com

۱۹	بیعت	۴
۲۰	خلافت	۱
۲۱	امام یا مصحف عثمان رضؓ	۰۰
۲۲	خاتمہ کتاب	۳

Marfat.com

عرضِ ناشر

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت تاریخِ اسلام کا ایک شاندار باب ہے اس دورِ خلافت نے مسلمانوں کے دائرہ اقتدار اور تبلیغ کو مزید وسعت دی اور آگے بڑھایا ہے جس کے نتیجے میں رسولؐ اور اس کے پیغام کی شعاعیں پوری آب و تاب سے ایران وعجم سے آگے سندھ اور سندھ کے اکثر ایسے علاقوں تک پہنچ گئیں جو شرک اور ظلمتوں میں گھرا ہوا تھا جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا بغور اور بہ تفصیل مطالعہ کیا ہو گا کہ حضرت عثمانؓ ہی کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے بحری بیڑے قائم ہوئے اور ان بحری بیڑوں کی وجہ سے بعض ساحلی علاقوں تک رسولؐ اور اللہ کا پیغام پہنچا۔ جب کہ اکثر جگہ اسلام کی دعوت قبول کی گئی اور لوگ سچے دل کے ساتھ مسلمان ہوئے۔

اگرچہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کا آخری حصہ انتشار اور پریشانی کا شکار رہا۔ اس کی وجوہ مختلف تھیں، ان میں قبائلی عصبیت اور سیاسی کش مکش کو زیادہ دخل رہا لیکن بعض تنگ نظر اس کی ذمہ داری حضرت عثمانؓ پر ڈالتے ہیں جب کہ اُن کی ذاتِ گرامی تمام عصبیتوں سے پاک تھی، وہ جامع قرآن تھے، وہ ذوالنورین تھے، انھوں نے پوری دیانت داری اور خلاص کے ساتھ بلاتخصیص قبیلہ و مرتبہ ہر جگہ عمال اور محاسب مقرر کئے لیکن ان عمال اور محاسب کی سعی و کوششیں بعض لوگوں کو پسند نہیں تھیں، وہ اس کو جانب داری کا نام دیتے تھے، ان باتوں کے کہنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے اپنی تصنیف کو ان اختلافی امور سے دور رکھا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف عباس المحمود العقاد مصری کو، مصر کے علماء اور مؤرخین میں اس لحاظ سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے کہ اس نے خلفائے راشدین اور ان کی ہم عصر اہم شخصیتوں پر الگ الگ سوانح لکھی ہیں، اگرچہ یہ سوانح مختصر ہیں لیکن مفاہیم اور مطالب کے لحاظ سے جامع اور اہم ہیں۔ مؤلف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ مختصر اور کم لفظوں میں تمام حقائق و واقعات پڑھنے والوں کے سامنے آئیں چنانچہ اُس کی یہ زیرِ نظر کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس نے حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے سیاسی پس منظر کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور ساتھ ہی حضرت عثمان کے حالات تفصیل سے پیش کئے ہیں، اس کے علاوہ ان الزامات پر تفصیل سے بحث کی ہے جو حضرت عثمانؓ پر بعض لوگوں کی جانب سے لگائے جاتے ہیں۔

عباس المحمود العقاد مصری کی بیشتر کتابوں کے اُردو اور کئی دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے

Marfat.com

ہیں۔ اس کی کتابوں نے تاریخ اسلام کے بعض ابواب کو دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف زبانوں میں حسن وخوبی کے ساتھ عام کیا ہے۔

ہمارے ادارے کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ہم نے پہلی مرتبہ اس کی کتابوں کو اردو میں منتقل کروایا ہے جو خلفائے راشدین اور ان کی معاصر اہم شخصیتوں کے ... ایک کتابی سلسلہ کے طور پر لکھی گئی ہیں۔

عباس محمود العقاد کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ہمارے اپنے زمانے کا مؤرخ مبصر ہے اور اس نے اپنے دور کے تاریخی تقاضوں کو نظرانداز نہیں کیا ہے اور بلکہ اس کو اس ضرورت کا بھی بھرپور احساس رہا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کو کس قسم کی کتابوں اور تصانیف کی ضرورت ہے چنانچہ اس کتاب کے پڑھنے والے اس بات پر اس کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق کریں گے کہ اس کتاب میں اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تفصیل بیان نہیں کی ہے بلکہ بڑے اختصار سے کام لیا ہے اور ان اختلافی امور کو بالکل چھوڑ دیا ہے جس سے مسلمانوں کو اپنے اکابر کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس نے اپنی کتاب کی آخری سطروں میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فخر ہے کہ وہ جامع قرآن تھے اور ذوالنورین تھے اور یہی ایسی خصوصیت ہے جو ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ممتاز اور ممیز کرتی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ مشہور اسکالر سید عبدالرشید ندوی نے کیا ہے اس ترجمہ کی زبان اس قدر صاف، شستہ اور عام فہم ہے کہ پڑھنے والوں کو افہام و تفہیم کے کسی مقام پر کوئی الجھن نہیں ہوتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب بھی ہماری دوسری کتابوں کی طرح مقبول ہوگی اور ہمارے پڑھنے والے ہماری کوششوں کی تعریف بھی کریں گے۔ آخر میں حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے توفیق دے کہ میں تاریخ اسلام سے متعلق تمام اہم کتب کو منتقل کروا کے اپنے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کر سکوں۔

طارق اقبال گاہندری

Marfat.com

پیش لفظ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سوانح کا اُردو ترجمہ جسے آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے بیروت کے معروف عرب اسکالر محقق سوانح نگار صاحب طرز ادیب اور مشہور مورخ محمود عقاد صاحب کی تراوش قلم کا نتیجہ ہے جنہوں نے عبقریت اسلام کے نام سے خلفاء راشدین اور دیگر اکابرین اسلام کی سوانح ہائے حیات پہ نہایت مفید کتابیں لکھی ہیں اس موضوع پہ یوں تو عربی میں کافی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اختصار و جامعیت اور تحقیق کے لحاظ سے اس کتاب کو بیشتر کتابوں پہ بلاشبہ ایک گونہ فوقیت حاصل ہے! چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے حوالہ سے اس کتاب میں بعض ایسے اسباب و علل سے بحث کی گئی ہے جس سے اس موضوع کی دوسری کتابیں یکسر خالی ہیں تاریخ شاہد ہے کہ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمان جب تک اسلامی تعلیمات و اقدار حیات پہ عمل پیرا رہے ان میں اُخوت دینی اور وحدت ملّی کا جذبہ کارفرما رہا اور وہ رنگ و نسل اور وطن و زبان کی جاہلانہ عصبیتوں سے پاک و محفوظ رہے تو "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" کا خدائی وعدہ بھی پورا ہوتا رہا ۔لیکن رسالت کے مقدس عہد اور حضرات شیخین کے مبارک ادوار کے بعد جب مسلمانوں نے جاہ و اقتدار کی طلب و ہوس میں خود غرضیوں کا شکار ہو کر اسلامی وحدت اور فکری اتحاد سے منہ موڑا تو انحطاط و زوال کے آثار پیدا ہونا شروع ہو گئے ، خاندانی رقابتیں اُبھریں اور نسلی عصبیتیں اور طوائف الملوکی کے فتنوں

Marfat.com

اور بغاوتوں نے ایسا سر اٹھایا کہ بالآخر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کا ایسا دردناک المیہ پیش آیا جس کے منحوس اثرات سے مسلمان صدیوں تک نجات نہیں پا سکے اور شاید آج بھی اس کے گہرے سائے مسلمانانِ عالم پر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی رنگ میں پڑتے نظر آ رہے ہیں۔ بہرحال خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے ۱۲ سالہ دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کی تعمیر و توسیع، اولین اسلامی بحری بیڑے کے قیام اور اسلامی تہذیب و اقدار کے فروغ و اشاعت کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے گئے وہ اپنی جگہ اپنی آپ مثال ہیں لیکن خلیفہ سومؓ نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے اور ایک قراءت پر تمام مسلمانوں کو متحد و متفق رکھنے کے لیے جو عظیم الشان اور لافانی کارنامہ انجام دیا ہے اس کے احسان سے ملت اسلامیہ تا قیام قیامت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ فجزاء اللہ عنا خیر الجزاء زیر نظر کتاب میں ان تمام امور پر بھرپور انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام عموماً اور سوانح و تاریخ کے طلبہ خصوصاً اس کتاب سے بیش از بیش استفادہ فرمائیں گے اور نفیس اکیڈمی کی ان کوششوں کو بھی بہ نظر استحسان دیکھیں گے جو وہ دینی و اسلامی کتب کی اشاعت کے ذریعہ انجام دے رہی ہے۔

والسلام: طالب مغفرت
مترجم
سید عبدالرشید ندوی

Marfat.com

فصل اوّل

سوانح حیات

اکابرین و بزرگان دین کی سوانح ہائے حیات کے بارہ میں ہمارے نقطۂ نظر سے قارئین پوری طرح واقف ہیں چنانچہ جس شخص نے بھی ہماری کتابوں کا بالاستیعاب یا سرسری مطالعہ کیا ہے اس کو اندازہ ہوگا کہ اس نوع کی تحریروں سے کبھی ہمارا مقصد تمام حوادث واقعات کی چھان بین اور تاریخی ادوار کے درمیانی مدت کے حالات و اسباب کا جائزہ لینا مقصود نہیں رہا ہے بلکہ ہمیں اپنے نقطۂ نظر سے ہمیشہ کسی ایسے حادثہ کی جستجو اور تلاش رہتی ہے جس سے ہمیں اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنے میں مدد مل سکے اور وہ ہے کسی انسانی ہستی کی وہ مخصوص طبعی حالت و کیفیت جس سے اس کی فطری ذہانت و عظمت اور شرافت جبلی کا اظہار ہوتا ہو یا اس کی شخصیت کے دوسرے پہلوؤں مثلاً سخاوت و شہامت، خوش فکری اور خوش مزاجی کے جوہر نمایاں ہوتے ہوں۔ الغرض ہم اپنی تحریر کردہ سوانح عمریوں کے متعلق قارئین کے تاثرات کا اندازہ دو متضاد و مختلف پیمانوں سے کرتے ہیں گویا کہ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں قسم کے تاثرات کی نوعیت یکساں ہوتی ہے، موافقین ہماری تحریر کو قبولیت و استحسان کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مخالفین کا ردعمل نفرت و ناراضگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال دونوں قسم کا ردعمل ہمارے لیے قابل رشک ہوتا ہے۔ اس سے سوانح نگاری کے مقصد اور اصل ہدف تک ہماری رسائی ہو جاتی ہے اور یہی ہمارا منتہائے مقصود ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں جس چیز نے

Marfat.com

خصوصیت سے زیادہ مسرور کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہماری تحریر کردہ سوانح ہائے حیات کو پڑھنے والوں اور ان کو بنظرِ استحسان دیکھنے والوں میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل ہیں یہی وجہ ہے کہ اکابرین اسلام سے متعلق ہماری سوانح عمریوں کے پڑھنے والوں میں بہت سے غیر مسلم بھی شامل ہیں مثلاً مسٹر گاندھی کے بارہ میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو بہت سے مسلمانوں نے بھی پسند کیا ہے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک انسانیت ایک ایسی غیر منقسم اکائی ہے جو نہ کسی مخصوص انسانی گروہ یا مذہبی طبقہ کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کے اسرار و غوامض کے انکشاف کی ذمہ داری کسی خاص مذہب و ملت کے افراد پر عائد ہوتی ہے اور اگر کسی دین سے لوگوں کو احترام انسانیت، اعلیٰ اخلاقی اقدار اور آدمیت کا عمومی سبق نہیں ملتا ہے تو ایسا دین حقیقت و معنیٰ کے اعتبار سے دین کہلانے کا مستحق نہیں ہے اس لیے اگر کسی مخصوص عقیدہ یا دین کو ماننے والا انسانیت اور اخلاقی اقدار کے ناطے کسی انسان کی اخلاقی عظمتوں کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی خوش طبعی اور جودتِ فکر کا معترف ہے تو اس سے خود اس کے اپنے دین یا عقیدہ سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا اور ایسا شخص ہی دراصل اس سوال کا شافی جواب دے سکتا ہے کہ کون سی زندگی اپنی صفات و اقدار کے اعتبار سے امر ہونے اور حیات دوام سے سرفراز ہونے کے لائق ہے۔ پس اگر کوئی حیات انسانی اپنی صفات و اقدار کے لحاظ سے بھروسہ اور یقین کے قابل ہے تو مسائل کو اس کا جواب تسلی بخش اثبات میں ملے گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو سوال کا جواب نفی میں ملنے کے علاوہ مایوسی اور تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مذبذب اور متردد لوگ بھی کسی بھی انسانی وجود میں زندگی کے بنیادی حقائق کی تلاش و جستجو میں ناکامی اور مایوسی کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں بھی ہر ایسی انسانی زندگی میں بنیادی حقیقتوں کی تلاش رہتی ہے جو کارہائے نمایاں انجام دینے کے لائق نظر آتی ہے کیونکہ اعتقاد بالخیر بجائے خود بھی ایسا عمل خیر ہے

Marfat.com

جس کے بارہ میں کسی مذہب یا دین و فلسفہ میں کوئی اختلاف نہیں البتہ اختلاف اس حیات انسانی کے بارہ میں ہے جس میں یہ طبعی جواہر پوشیدہ ہیں اور جو ان جوہروں سے خالی ہے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ اختلاف دراصل اس زندگی کے بارہ میں ہے جو کوئی معنیٰ رکھتی ہے اور اس زندگی کے بارہ میں جو اس معنویت سے معرا ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوانح عمریوں کے بارہ میں ان لوگوں کی پسندیدگی کا بھی بخوبی اندازہ ہے جو انسانی زندگی اور اُس کی اقدار کو کما حقہ، سمجھتے ہیں اور ہم اُن لوگوں کے غیظ و غضب کو بھی سمجھتے ہیں جو سوانح نگاری کے حوالہ سے ہمارے نقطہ نگاہ کو نہ سمجھنے کے باعث ہمیں ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ ایسے لوگ خواہ اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھیں مگر حقیقتاً ایسے لوگوں کو انسان دشمن سمجھنا ہی زیادہ صحیح ہے چنانچہ اسم بامسمیٰ وہی لوگ کہلاتے ہیں جو اپنی صفات و کردار کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں قدیم زمانہ میں ایسے لوگوں کو بنی نوع انسان کا دشمن سمجھا جاتا تھا جو عیش و تنعم کی زندگی کو بُرا سمجھتے تھے اور انسانی معاشرہ سے گریزاں رہ کر راحت و آرام کی زندگی سے دُور بھاگتے تھے لیکن حقیقتاً ان لوگوں کو اس نام سے یاد کرنا صحیح نہ تھا کیونکہ یہ لوگ دراصل دنیاوی عیش و تنعم اور مادی راحت و مسرت کے مقابلہ میں ایمان و عقیدہ کی ایسی حقیقی نعمت کو زیادہ پسند کرتے تھے جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور ایسی اخلاقی قدروں کی راحت کے جویا تھے جو تمام مسرتوں سے ارفع و بلند ہے وہ ہمیشہ ایسے معاشرہ سے دُور رہنے کی کوشش کرتے تھے جو رذیل خصائل اور پست اخلاقی اقدار کا پروردہ ہوتا تھا حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے لوگ کبھی بھی نوع انسانی کے دشمن نہیں ہوتے ہیں اس کے برعکس بنی نوع انسان کے حقیقی دشمن وہ لوگ ہیں جو ہر عظیم القدر انسانی ہستی کو ذلیل و رسوا کرنے کے درپے رہتے ہیں اور ہر اُس انسان کی بیخ کنی کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جس کا دامن اپنے ماضی کے طویل دور کے باوجود اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مزین تعمیر و اصلاح کے جواہر

Marfat.com

سے مملو اور جس کا حال ہر تخریب وعیب سے مبرّا ہوتا ہے ایسے خبیث الفطرت اور دُنی الطبع لوگ صرف دوسروں کے عیوب کی تلاش اور نقائص کی جستجو پہ ہی اکتفاء نہیں کرتے ہیں وہ اپنی عیب جوئی کی منطقی تاویلیں کر کے بزعم خویش خود کو حق بجانب اور سچا ثابت کرنے کی بھی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو بہادروں کی شجاعت و بسالت، شہداء کی قربانی وشہادت فیاضوں کی سخاوت اور شرفاء ونجباء کے ایثار و شرافت میں بھی کیڑے نظر آتے ہیں اور اُن کے اخلاقی محاسن کو بھی نفسانی اغراض اور ذاتی مقاصد کے حصول پر محمول کرتے ہیں اور اس طرح سے ان کی تعلیلیں کر کے ان کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں غرضنکہ اعلیٰ انسانی اقدار سے متعلق اس نوع کی دشمنی کا اظہار ہمیشہ ایسی ہی بیمار ذہنیت اور پست فطرت لوگوں کی جانب سے ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے ہر سلیم الطبع اور عقل مند آدمی کا فرض ہے کہ وہ بطور خود بھی ہر کام کی غرض وغایت اس کے علل واسباب نیز اس کے حسن وقبح کا ہمیشہ گہری نظر سے جائزہ لیتا رہے تاکہ بد باطن نکتہ چیں اور بنی نوع انسان کے ایسے ازلی دشمنوں کو جو ہر اچھی چیز میں بُرائی تلاش کرنے ہر ہنر کو عیب سمجھنے اور عظمت کے ہر مینار کو گرانے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں خردہ گیری اور نکتہ چینی کا موقع نہ ملے حقیقت تو یہ ہے کہ ان خبیث اور بد باطن لوگوں کے علاوہ ہر کس وناکس کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ اپنی زندگی کو اپنی افتاد طبع اور خواہشات کے مطابق پسندیدہ اور خوشگوار بنا لے مگر چونکہ ان لوگوں نے مادّی زندگی کے حصول کی خاطر اعلیٰ اقدار حیات ہی سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اس لیے انہوں نے مکر وفریب اور حیلہ وفن ہی میں پُر مسرت زندگی کا راز تلاش کر لیا ہے ان کی زندگی کا فلسفہ یہی ہے کہ بلندی سے پستی کی طرف مائل ہونے والا نہ صرف حرکت پذیر رہتا ہے بلکہ اپنی منزل مقصود تک جلدی پہنچ بھی جاتا ہے۔ اور اُس شخص سے زیادہ عجلت وتیز رفتاری سے اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے جو بڑی جدوجہد سے پستی سے

Marfat.com

ایسی بلندی پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے جہاں قدم قدم پر اس کو سخت دشواریوں اور زبردست عوائق و موانع کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے مگر بالآخر ایک حرکت جہاں مصیبت و ذلت کو دعوت دیتی ہے تو دوسری جست مبارک و مسعود انجام پر ختم بھی ہوتی ہے۔ آخر کار ایک بلند حوصلہ مردِ مجاہد اور پست ہمت اور فرومایہ انسان کے درمیان مقابلہ و موازنہ کا سوال ہی کیا ہے۔ بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ سوانح نگاری کے سلسلہ میں جہاں ہمارے حصہ میں کچھ لوگوں کی نفرت و حقارت آئی ہے ہمارا دامن اکثر و بیشتر قارئین کے اعتماد و اعتبار کی دولت سے مالامال بھی ہے اور یہ ہر دو نوعیت کے تاثرات ہماری سوانح نگاری کے لیے عظیم سرمایہ و اثاثہ سے کم نہیں ہیں۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت اپنے طرز و انداز کے لحاظ سے من جملہ اُن دیگر خلفاء راشدین و اکابرین اسلام مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ، حضرت خالد بن ولید رضؓ اور حضرت عمرو بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کی عظیم و بیش بہا سیرتوں کے ہے جن سے دعوت اسلام کا دامن ہمیشہ سدا بہار رہا ان عظیم المرتبت ہستیوں سے ہر ایک اپنے دور کی انمول شخصیت اور تاریخی اعتبار سے عظمت و وقار کا نشان تھی، اور اُن کو یہ ساری عظمت دین سے عقیدت و وارفتگی اور دامن محمدی سے وابستگی کی بدولت ہی حاصل ہوئی تھی۔ مذکورہ بالا امر کی تعلیل و تحلیل اور تلخیص و تفصیل کے سلسلہ میں فلسفۂ تاریخ کے ماہرین آج چاہیں جو کچھ کہیں اور شارحین و مفسرین اس کی جو کچھ بھی تعبیر کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی عقلمند انسان کے لیے یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ دین و رسالت کا عقیدہ لوگوں کے دماغ کا خلل، ذہن کا فتور یا ان کے وہم کا کرشمہ ہے کہ وہ دین پر ایمان و ایقان کو اور تسلیم رسالت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایسی ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے لیے کسی فلسفیانہ بحث، دینی بصیرت

Marfat.com

اور عقلی مہارت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے علاوہ ازیں اگر انسانی زندگی سے دین و عقیدہ کا رشتہ اور اس کے حقائق یکسر نکال دیے جائیں اور ان سب کو خرافات اور اوہام کا کرشمہ سمجھ لیا جائے تو پھر انسانی تاریخ میں باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔

خلیفہ سوم کی سیرت میں جہاں ہمیں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح عقیدہ و ایمان کے بیلے بے پناہ جلوے نظر آتے ہیں جن سے کسی طرح صرف نظر ممکن نہیں ہے۔ وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں سخاوت و فیاضی کا جو خصوصی جوش و جذبہ پایا جاتا تھا اس کو بھی ان کی دین سے گہری عقیدت اور رسالت محمدی سے گہری وابستگی کے سوا کسی اور شے پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اقدار و حوادث اور ان کے اسباب و علل

اقدار و حوادث

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت اس اعتبار سے کامل و مکمل اور بھرپور ہے کہ اس سے ان کوائف و خصوصیات کی پوری پوری عکاسی ہوتی ہے، جو عقیدہ کی ابتدائی تاریخ اور اس کے اوّلیں انقلابی طرق و اطوار کے لوازمات میں شمار ہوتی ہیں۔ عقیدہ کی تاریخی خصوصیات میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ وہ محض عقیدہ اور اصول و مبادی کی تاریخ ہوتی ہے واقعات و حادثات کی تاریخ سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی ملک و قوم کے طویل و مسلسل دور میں واقعات و حادثات کی نوعیت عام طور پر یکساں ہوتی ہے اور اگر ہم ان واقعات و حادثات کا خاموشی کے ساتھ معروضی جائزہ لیں تو ہمیں ان میں اور اُن واقعات و حادثات میں بجز دور دراز زمانی و مکانی بُعد اور فاصلوں کے بظاہر اور کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ چنانچہ بار بار پیش آنے والے ایسے واقعات

Marfat.com

وحادثات دیکھنے والے کو بادی النظر میں تو یکساں اور عمومی نوعیت کے نظر آتے ہیں لیکن ان میں حقیقتاً بہت کچھ فرق و اختلاف ہوتا ہے جو اس وقت بالکل نمایاں طور پہ نظر آتا ہے جب ظاہر سے ہٹ کر ان کے باطن کی طرف نگاہ ڈالی جاتی ہے یا ظاہری وحرکات وسکنات کی تہہ میں لوگوں کے پوشیدہ عزائم اور بلند بانگ دعوؤں کا گہری نظر سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ یہ دعوے بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جن پہ عربی کا مشہور مقولہ صادق آتا ہے کہ یہ " ایسے کلمات حق ہیں جن کے مرادی معنیٰ باطل ہیں۔" غرضیکہ ایسے واقعات وحادثات جو طلب عز وجاہ کے لیے پیش آتے ہیں اُن حوادث و واقعات سے بالکل ممتاز اور جُدا ہوتے ہیں۔ جو حریت وآزادی کے حصول کے لیے وقوع پذیر ہوتے ہیں لیکن اگر آزادی وحریت کی طلب جھوٹی ہوگی تو بہ تکلف اس کو سبب قرار دینے والا شخص اپنی پوشیدہ غرض کی تکمیل کے لیے بظاہر حریت وآزادی کا نعرہ تو لگائے گا لیکن اس کے دل میں آزادی کے لیے حقیقتاً کوئی تڑپ موجود نہیں ہوگی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ایسا زبردست سانحہ اور عظیم صدمہ پوشیدہ ہے جس نے آغاز اسلام کے مورخ کی اولیں توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور وہ ہے بڑھاپے میں اُن کا بھیانک اور کرب ناک قتل جب کہ ان کی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ خلیفہ اسلام کی حیثیت سے حضرت عثمان رض کا یہ پہلا قتل نہ تھا اس سے قبل حضرت عمر رض بھی بحالت نماز چھپ کر قتل کر دیے گئے تھے لیکن ان کا قتل عقیدہ وایمان کی تاریخ میں دھچکا یا صدمہ شمار نہیں ہوتا ہے کیونکہ ان کا قتل ایک ایسے نومسلم غلام کے ہاتھوں ہوا تھا جس کو اپنے کام اور مزدوری کے سلسلہ میں خلیفہ کے طرز عمل سے کچھ ایسی شکایات تھیں جن کو وہ اقامت عدل کے لیے ضروری سمجھتے تھے اور یہ کوئی انوکھی اور عجیب بات نہ تھی لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کو جس بھیانک اور دردناک طریقہ پر قتل کیا گیا عقیدہ وایمان کے حوالہ سے اسلام کے ابتدائی عہد کے مورخ کو اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی! کیسی عجیب اور حیرت کی بات ہے کہ ابھی اسلام لائے

Marfat.com

ہوئے لوگوں کی ایک نسل بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کے قتل کا ایسا بھیانک حادثہ پیش آگیا۔کیا حاکموں اور محکوموں کے دلوں پر عقیدۂ اسلامی کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا اور کیا کافروں کے ایمان لانے اور مسلمانوں کی مجاہدانہ زندگی نے عہد جاہلیت کے بہیمانہ طور طریقوں میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی؟ بظاہر یہ سوال بہت مشکل اور ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ سوال غلط مفروضہ اور تصور پر مبنی ہے یہ امر اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہیے کہ کوئی عقیدہ خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ وارفع ہو کبھی اختلافات و نزاعات کو یکسر ختم نہیں کر دیتا ہے اور نہ حادثات و واقعات کو کلیتاً لغو و باطل قرار دے کر بالکل معدوم کر دیتا ہے۔ ہمیں دینی اور غیر دینی اصلاحی دعوتوں کی تاریخ میں کبھی کہیں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں عقیدہ نے تاریخ کو دو عہد و ادوار میں اس طرح تقسیم کر دیا ہو کہ پہلے عہد میں نزاع و حادثات وقوع پذیر ہوئے ہوں اور دوسرا عہد ان خرابیوں اور برائیوں سے یکسر خالی ہو ایسا نہ کبھی ماضی میں ہوا ہے اور نہ مستقبل میں کبھی اس کی اُمید کی جا سکتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو اصلاحی عقیدہ عضو معطل ہو کر رہ جائے اور قوموں کی زندگی کے دھارے کو آگے بڑھنے اور تاریخ کو اپنا عمل جاری رکھنے سے روک دے، عقیدہ کبھی حادثات و خصومات کو لغو نہیں ٹھہراتا ہے البتہ وہ اُن اقدار کی اصلاح اور تجدید و تعمیر کرتا ہے جن کے گرد حادثات و خصومات گھومتے ہیں۔ اس لیے وہ خصومات جن میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں اتنے بُرے نہیں ہوتے جتنی بُرائی اس دناءت اور کمینگی میں ہے جس کا مقصد انسانوں کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہے اور اُس جتھہ بندی میں ہے جو مکر و فریب اور جعل سازی پر مبنی ہوتی ہے بُرائی دراصل خصومت میں گرفتار لوگوں کی اُس بد اخلاقی میں مضمر ہے جس میں اچھے بُرے کی تمیز اُٹھ جاتی ہے اور خصومت میں رنگی ہوئی ایسی زندگی میں ہے جو اختلاف کو تحالف اور افہام و تفہیم کو حریف و مقابل کی کمزوری سمجھتی ہے غرضکہ عقیدہ کا مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ خصومات و نزاعات بالکلیہ نیست و نابود

Marfat.com

ہو جائیں بلکہ اس کا اصل مدعا اور غایت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ غیر اہم اور بے حقیقت
امور کی طرف سے یکسر ہٹا دے یا بالفاظ دیگر ایسے امور میں خصومت کو بیچ میں نہ آنے
دے جو اپنی اہمیت اور شان کے اعتبار سے قطعاً توجہ کے قابل نہیں ہیں اس لحاظ
سے ہمیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے کمزور دور کا جائزہ خصومات وحادثات
کی بنیاد پر لینا مناسب نہیں ہوگا بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم ان کے دور کا تجزیہ اُن اقدار
و مبادی کی روشنی میں کریں جن کے گرد یہ خصومات و حادثات گھومتے ہیں اس لیے
غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے عظیم حادثہ کو اس کے صحیح
پس منظر یعنی عقائد اسلامی کے عملی اور خصوصی تناظر میں رکھ کر دیکھنے سے یہ امر
واشگاف ہو جاتا ہے کہ اس خصومت کی بنیادی وجہ اور جھگڑے کا اصل سبب
حضرت عثمان غنی رضؓ کا احتساب و محاسبہ تھا یہ محاسبہ خواہ رعیت کا امام و خلیفہ
سے ہو یا خلیفہ کا محاسبہ خود اپنے نفس یا رعایا سے ہو۔ بہرحال تنقید و محاسبہ
کا یہ عمل گو کہ جدید تاریخ کا حصہ اور نئے دور کا تقاضا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں
کہ یہ قوموں کی زندگی اور بقاء و ترقی کے لازمی عناصر میں سے ہے خصوصاً اس قوم کے
لیے تو اور بھی ضروری ہے جو اپنے عقیدہ و ایمان کے اولیں دَور سے گزری ہو۔
بہرحال یہاں سوال یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں تو عرب باشندوں میں حاکم و محکوم
کے مابین احتساب و محاسبہ کا شعور اور حق ہی کسی کو حاصل ہی نہ تھا اس کا مختصر
جواب یہ ہے کہ یہ شعور بھی اُس دَور میں ان کو جدید عقیدہ و ایمان کی بدولت
ہی حاصل ہوا تھا ورنہ صحرائے عرب میں تو خون کا بدلہ خون کے سلسلہ میں قبائل
کے روایتی قانون کے مطابق عملدرآمد ہوتا تھا ہر بڑا قبیلہ چھوٹے قبیلہ کو قتل
و غارت گری کا بے دھڑک نشانہ بنا لیتا تھا۔ حتیٰ کہ انفرادی قتل میں بھی قاتل
اپنے قبیلہ کی پناہ حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ و مامون ہو جاتا تھا اور
اگر وہ اس کو پناہ نہیں دے سکتا تھا تو اس کی حمایت سے دست بردار ہو جاتا تھا
عہد جدید میں بدویانہ حریت اور صحرائی زندگی کی آزادی کے چرچے تو بہت

Marfat.com

سننے میں آتے ہیں لیکن اس موضوع پہ طول طویل گفتگو اور بحث مباحثہ کے باوجود اس کی اصل حقیقت ہنوز تشنۂ تعبیر ہے ہمارے خیال میں عہد جاہلیت میں بدویانہ حریت کبھی ایسے حقوق انسانی کے ضابطوں پہ قائم نہیں رہی جس کو شرائع و آداب اور تہذیب و حضارت کی حمایت و تائید حاصل ہوئی ہو۔ بدویانہ حریت و آزادی دراصل اُس بے نکیلی اونٹنی کی مانند تھی جو جہاں چاہتی تھی بلا روک ٹوک اسی طرح خوشی خوشی گھومتی پھرتی تھی جس طرح ہر قدغن سے آزاد فضائے آسمانی میں پرندے اپنی پرواز میں محو اور صحرا کے درندے اپنی اُچھل کود میں مگن رہتے ہیں۔ چنانچہ جو حکومتیں جزیرۃ العرب میں ملوکیت و امارت کے طرز پہ قائم ہوئیں ان کا نظام حکومت اور طریق حکمرانی بھی بالکل اسی طرح ہر قسم کے قانون اور اخلاقی اقدار و ضوابط سے آزاد و معرا تھا۔ ان میں سے اکثر بادشاہ فقط اپنی خواہش نفس کے مطابق اپنی محکوم رعایا کے مسائل حل کیا کرتے اور زندگی و موت کے فیصلے سنایا کرتے تھے۔
چنانچہ منذر بن نعمان نے اپنے خیال کے مطابق کچھ دن نحس اور کچھ دن سعد مقرر کر رکھے تھے جو شخص اس کے پاس کسی منحوس دن اور کسی خاص وقت میں چل کر آتا تھا وہ اس کو قتل کرا دیتا تھا خواہ وہ کوئی مسافر ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ شراب کے نشہ میں کسی کو قتل کر دینے کا حکم دیتا تھا تو اس پہ فوراً عمل درآمد بھی ضروری ہوتا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اُس کو یہ خیال بھی نہیں رہتا تھا کہ اس کے نادری حکم کا عتاب کس بے گناہ بندۂ خدا پہ نازل ہوا ہے اسی طرح حجر بن حارث کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ایک مرتبہ بنی اسد پہ اتنا بھاری جرمانہ عائد کیا کہ وہ اس کو ادا نہ کر سکا اور جب اس کے نتیجہ میں اس نے سرکشی و بغاوت اختیار کی تو حجر بن حارث نے غصہ میں آکر قبیلہ بنی اسد کے تمام سرداروں کو اپنا قیدی بنا لیا اور عوام الناس کا خون مباح کر دیا اور قسم کھالی کہ وہ ان سرداروں کو تلوار سے نہیں بلکہ تذلیل و تحقیر کے طور پہ لاٹھی کی مار سے ختم کرے گا اسی وجہ سے ان غریبوں کا نام عہد جاہلیت میں لاٹھی کے غلام پڑ گیا تھا۔ ان واقعات

Marfat.com

سے متاثر ہو کر قبیلہ بنی اسد کا قومی شاعر عبید بن الابرص منت و سماجت کے انداز میں مندرجہ ذیل اشعار میں ان کی سفارش کرتا ہے ؎

ومنعتھم نجداً فقد ۔ حلوا علیٰ وجل تھامہ
تو نے بہادری اور قوت سے ان کو مغلوب کیا ہے ۔ اور وہ بحالت خوف تہامہ میں داخل ہو گئے ہیں
اما ترکت عفو ۔ واقتلت فلا ملامہ
اب تو چاہے تو ان کو معاف کر دے ۔ اور چاہے تو قتل کر ڈالے تجھ پہ کچھ ملامت نہیں
انت الملک فوقھم ۔ وھم العبید الیٰ القیامہ
تو ان کا آقا و بادشاہ ہے ۔ اور وہ تا قیامت تیرے غلام ہیں

اسی طرح عمرو بن ہند کا دستور تھا کہ وہ پردہ کے پیچھے سے لوگوں سے ہمکلام ہوتا تھا اور لوگ عزت و وقار کے لحاظ سے اس کو نہ صرف کلیب وائل سے تشبیہ دیا کرتے تھے بلکہ مبالغہ کے طور پہ کہا کرتے تھے کہ وہ کلیب وائل سے بھی زیادہ معزز و مفتخر ہے اس لیے کہ وہ مرغزاروں اور سبزہ زاروں کی اس طرح حفاظت کرتا ہے کہ ان کے قریب کوئی پھٹکنے نہیں پاتا اور جس جگہ اس کا دل چاہتا ہے وہاں ڈیرہ ڈال کر منادی کرا دیتا ہے کہ جہاں تک اس کے کتوں کے بھونکنے کی آواز پہنچتی ہے وہ اس کی چراگاہ کا علاقہ ہے جہاں کسی کو اپنے مویشی چرانے کی اجازت نہیں۔ اس کے بارہ میں یہ مثل مشہور تھی کہ شیر کے جنگل میں کس کو آزادی نہیں ملی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے رعب داب کی وجہ سے ہر اس شخص کو باسانی مغلوب کر لیتا تھا جو اس کے علاقہ میں داخل ہوتا تھا چنانچہ سب لوگ اس کے نزدیک غلاموں کی مانند تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے بدتر و جابرانہ حکم وجدلیس کے بادشاہ عملیق کا تھا جس کی رو سے شادی کے بعد ہر دلہن شوہر کے گھر جانے کی بجائے شب باشی کے لیے اس کی محل سرائے میں داخل کی جاتی تھی مندرجہ ذیل شعر سے اس لغو اور بے ہودہ رسم کی ایک شادی شدہ جوان عورت کے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس میں وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کی

Marfat.com

غیرت کو للکارتی ہے :۔

انجمل مایوتی الیٰ فتیاتکم   وانتم رجالٌ فیکم عدد الومل

(کیا تمہیں وہ سلوک زیب دیتا ہے جو تمہاری جوان لڑکیوں کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ حالانکہ تم مرد ہو اور ریت کے ذرّات کی مانند لاتعداد ہو۔)

ہماری کتاب "اسلام میں جمہوریت" اسی نوع کے مظالم کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں ہم نے لکھا ہے کہ اس قسم کی روایات کبھی مبالغوں اور حاشیہ آرائیوں کے امکانات سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس لیے قدیم روایات پہ اس لیے یقین بھی کرنا پڑتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگوں کی سوچ اور فکر کا دائرہ ہمیشہ بہت تنگ اور محدود رہا ہے اگر ان لوگوں کی سوچ اس خیال خام پہ مبنی نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ معزز اور مفتخر ہیں اور ان کی عزت وجاہ میں اُس وقت تک چار چاند نہیں لگ سکتے جب تک کہ وہ دوسروں کو ذلیل و رسوا نہ کر لیں تو ان کی اولاد میں ظلم وستم کا یہ سلسلہ یوں ہی نہ چلتا رہتا۔ لیکن جب جاہلیت کا دور ختم ہوا اور ملوکیت کے نشانات مٹ گئے تو لوگوں کی فکر ونظر میں تبدیلی پیدا ہوئی جس کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ہر کس وناکس کی طرف سے امورِ مملکت میں خلیفہ کے احتساب و محاسبہ کا خیال دل میں سمانے لگا۔

شروع شروع میں یہ انقلاب آفریں خیال لوگوں کو بہت عجیب سا معلوم ہوا لیکن اسلام نے آزادیٔ خیال کی جو دولت لوگوں کو بخشی تھی رفتہ رفتہ اس نے نہ صرف عہد جاہلیت کے ظالمانہ دور کا خاتمہ کر دیا بلکہ جزیرۃ العرب کے شرق وغرب اور شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے جابرانہ اقتدار پہ کاری ضرب بھی لگائی اور یمنی بادشاہوں کے آمرانہ نظام حکومت کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے بھی اُلٹ دیے یہ آزادیٔ فکر و احتساب ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے ابتداء ہی میں خلیفہ سے حدود چراگاہ میں اس اضافہ کے متعلق

Marfat.com

باز پرس کرنی شروع کر دی تھی جو صدقات و خیرات کے اونٹوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کیا گیا تھا انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے دور کے سب سے بڑے والی مملکت امیر معاویہ بن ابی سفیان کو بھی نہیں بخشا تھا کیونکہ انہوں نے مملکت کے خزانہ کا نام مال اللہ رکھ دیا تھا جب کہ اس سے قبل اس کا نام بیت المسلمین تھا لوگوں نے سختی کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نام کی تبدیلی سے اس لیے باز رکھا تھا کہ اس سے اُن کے خیال میں امیر و خلیفہ کو مسلمانوں کے مال میں تصرف کرنے کا حق مل جائے گا اور مسلمان خلیفہ سے محاسبہ کرنے اور اس سے باز پرس کرنے کے سلسلہ میں معذور ہو جائیں گے۔ حاکم و محکوم کے درمیان یہ احتساب و محاسبہ بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے جو دراصل اسلامی عقیدہ اور مساوات محمدی کی پیداوار ہے اور حقیقت یہ ہے کہ محاسبہ کا عمل تمام حالات میں سچائی اور خلوص کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور معاشرہ کو صاف ستھرا رکھنے کے عمل میں بے حد معاون و مددگار بھی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات احتساب و محاسبہ کی آڑ میں بعض مفسد اور غرض مند لوگ اپنی دیرینہ خواہشات اور دلی مقاصد کی تکمیل میں مملکت کے خلاف اور خلیفہ و امیر کی مخالفت میں سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اُٹھنے والے اور محاسبہ کے نام پر بغاوت کرنے والے کبھی ایسے تنگ ظرف اور تنگ دل لوگ تھے جو خود اپنے قول و فعل میں مخلص اور راست باز نہ تھے اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے مطعون و بدنام تھے ان میں سے ایک شخص پر شرعی حد بھی قائم ہو چکی تھی ان میں سے ایک شخص کا باپ سزا یافتہ تھا اور ایک ایسا شخص بھی اس گروہ میں شامل تھا جس نے غیر شرعی طور پر ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا اور نتیجتہً اُن کا نکاح فسخ کر دیا گیا تھا۔ ایک اور شخص بھی اُن میں ایسا شامل تھا جس کو عامل و حاکم بنائے جانے کے لیے مسترد کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ ان میں دو ایک ایسے لوگ بھی تھے جن کے خلاف خلیفہ کو کوئی شکایت تو نہ تھی لیکن چونکہ وہ طبعًا شر پسند اور فتنہ جو تھے

Marfat.com

اس لیے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے "

اگرچہ وہ تمام امور جن کے ساتھ خلیفہ کے محاسبہ کو منطبق و منسلک کیا گیا تھا، تحریک چلانے کے لیے نہایت معیوب تھے لیکن محاسبہ کے حق کے لیے معیوب نہ تھے مگر اس تحریک نے خلیفہ کی تذلیل و تحقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور اس موقر و محترم جماعت کی توقیر و احترام کا بھی کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا تھا جس نے بالاتفاق خلیفہ سوم کا انتخاب کیا تھا بہرحال حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ انسانی اور اخلاقی اقدار کی بحث کے سلسلہ میں بڑی دقت اس لیے پیش آتی ہے کہ اس کا تعلق بالعموم ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو کبھی کسی ایسے معاملہ کو بطیب خاطر قبول نہیں کرتے ہیں جو کبھی مباح اور جائز رہا ہو اور جس کی ممانعت کا خیال بھی کبھی ان کے ذہن میں نہ آیا ہو۔ چنانچہ ان حدود کا قیام جن پر لوگوں کا مواخذہ کیا جاتا ہے اور ان سے متجاوز ہونے کی صریحًا ممانعت کر دی گئی ہے لوگوں کی زندگی کا ایسا عنوان ہے جس نے اخلاق و اعمال کے حوالہ سے ان کی اندرونی زندگی اور ذہنی نظریات میں انقلاب برپا کر دیا تھا لیکن انسانوں کی جماعت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سراسر گم گشتہ راہ اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اخلاقی انقلاب کی بحث کے دوران مختلف عنوانوں پر گفتگو کرتے ہیں اور پھر کسی ایک عنوان کو دو مختلف و متضاد صفات پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا ایک ہی عنوان کا دو مختلف و متضاد صفات و کیفیات پر اطلاق کرتے ہیں۔

چنانچہ راشیال یا دری اخلاقی اقدار و اطوار کو اسی معیار پر پرکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ جرائم و رذائل سے بہتر و افضل ضرور ہیں بشرطیکہ ان کا ماحول کے مطابق اطلاق ہو ورنہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب ارتکاب جرم کو نہ صرف معاشرہ کا محبوب و معزز مشغلہ سمجھا جاتا تھا بلکہ دیانت و عرف کے اعتبار سے واجبات کا درجہ رکھتا تھا، مثلاً سرقہ اور رہزنی اور بہادری میں شمار ہوتی تھی تجری

Marfat.com

قزاقی جو قتل و غارت اور جابرانہ تسلط کا دوسرا نام ہے زمانہ قدیم میں بطور ایک معزز پیشہ اور ہنر کے سمجھی جاتی تھی اسی طرح قرونِ وسطیٰ میں دینی جبر و اکراہ قابل قدربات شمار ہوتی تھی ہمارے لیے اس موقع پر اُن وجوہ اختلاف کو تفصیل سے بیان کرنا تو مشکل ہے جو اباحت قدیم اور تحریم جدید کے درمیان ہر قسم کے اچھے برے کارناموں اور معاشی و معاشرتی تقاضوں کی بابت پائے جاتے ہیں۔ بہرحال تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے ہم حتی الوسع ان کو مختصراً یہاں بیان کرتے ہیں مثلاً سمندری و بحری ڈاکہ زنی قدیم وجدید زمانہ میں! کیا یہ بحری ڈاکہ زنی جسے ہم آج حرام قرار دیتے ہیں وہی ہے جو زمانۂ قدیم میں مباح اور روا سمجھی جاتی تھی یا ان میں کوئی تقیض اور بعُد ہے جس پر ایک مشترک لفظ کا اطلاق ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں قزاقی بھی اسی طرح حق کے طور پر کی جاتی تھی جس طرح کوئی صاحب ملکیت کسی دوسرے کی ملکیت پر بزور قبضہ کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ کیونکہ یہ شخص بھی اپنی طاقت وجمعیت کے بل بوتہ پر حملہ کرکے اور دباؤ ڈال کر ہی دوسرے قبیلہ پر جو اُس سے نسبتاً کمزور ہوتا تھا اور مزاحمت و دفاع کی قوت نہیں رکھتا تھا غلبہ اور تسلط حاصل کرلیتا تھا اور جو کچھ پونجی اور مصنوعات وغیرہ اس کے ہاتھ لگتی تھیں اس پر جبراً قبضہ جمانے کے بعد قبیلہ کے تمام لوگوں کو غلام بھی بنا لیتا تھا۔ غرضکہ یہ جبراً غلبہ و تسلط اس کو اسی طرح سب چیزوں کا حق دار بنا دیتا تھا جس طرح بحری قزاق کو غلبہ و تسلط کے حق کے ساتھ سفینہ و سامان پر قبضہ کا حق حاصل ہوجاتا تھا لیکن آج کے دور میں کوئی بحری قزاق نہ اس طرح اپنے حق ۔۔۔۔ کا دعویٰ کرسکتا ہے اور نہ اس کو دنیا سے تسلیم کرا سکتا ہے البتہ آج کل کی چوری اور سرقہ پر قدیم زمانہ کی بحری قزاقی کی ایک گونہ مثال صادق آتی ہے اسی طرح یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ قرونِ وسطیٰ کا دینی جبر و استبداد عصرِ جدید کے جبر و استبداد سے مختلف تھا، دراصل کسی کام کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ ہمیشہ اس زمانہ کے اخلاقی اقدار و معیار کے مطابق ہی کیا جاتا ہے، یونانی باشندوں میں بھی جہالت وتاریکی کے دور میں

Marfat.com

فکری آزادی اور عفو و درگزر کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور اس میں جابر و قاہر یعنی دینی جبر و استبداد کرنے والے اور اس کا شکار ہونے والے دونوں ہی یکساں اور برابر تھے چنانچہ اگر کبھی جبر و استبداد کا شکار ہونے والے لوگ جبر و استبداد کرنے والوں پہ غالب آجاتے تھے تو وہ بھی ان کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرتے تھے جیسا سلوک ان کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا اور ان کو بھی اسی طرح اپنے دینی عقائد کی تصدیق و تائید پہ مجبور کرتے تھے جیسے وہ خود مجبور کیے جاتے تھے غرضیکہ دونوں طبقے غیرت دینی کے حوالہ سے ہر طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا تھے اور حریت فکر سے قطعًا ناآشنا تھے غرضیکہ اعلیٰ اخلاقی اقدار اور وجدانی احساسات ہمیشہ سے انقلابات کی رُوح رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی اقدار اور فضائل کا وجدانی شعور کسی بھی قوم و ملت کا ایسا بیش بہا سرمایہ ہے جس سے وہ گوناگوں فوائد حاصل کر سکتی ہے لیکن اس سے صحیح اور پورا پورا فائدہ اٹھانا بھی انسان کی نیت و ارادہ پہ منحصر ہے ایک اچھے اور نیک طینت انسان سے اس کی بدولت لوگوں کو راستبازی اور حسن عمل کی توقع ہوتی ہے جب کہ بدباطن انسان سے اس کے باعث اپنے مکروہ چہرہ پہ مکر و فریب کا پردہ ڈال لیتا ہے، سونا اگر خالص نہ ہو تو کون اس کی قیمت لگاتا ہے؟ مدت دراز کے جاہلی دَور کے بعد آغاز اسلام میں امراء و حکام کے محاسبہ کا خیال عرب کے مسلمانوں کے لیے بالکل نیا اور عظیم قدر و قیمت کا حامل تھا لہٰذا ہر خاص و عام میں اس کا چرچا تھا اور ہر کس و ناکس کی زبان پہ بس یہی ایک نعرہ تھا غرض کہ ان سب کی سیاست کا دائرہ نہ صرف ایام خلافت میں بلکہ اس کے بعد ملوکیت کے دَور میں بھی جب باپ سے بیٹے کو حکومت وراثتًا ملنے لگی تھی بالعموم اسی کے گرد گھومتا رہا، خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دین سے شیفتگی اور عقیدۂ اسلامی سے گہری وابستگی کا عالم ہی عجیب تھا جس کا مظاہرہ خصوصیت سے اُس وقت دیکھنے میں آتا تھا جب مدینہ کے اطراف و اکناف کے باشندے مناظرہ اور محاسبہ کے لیے اُن کے پاس آتے تھے اور وہ عقیدہ و ایمان کی روشنی میں ایسے لوگوں

Marfat.com

کے سامنے اپنا موقف کھل کر بیان کرتے تھے جن کے بارہ میں کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ایک ہی جست میں جاہلیت کے تاریک دور سے نکل کر اسلام کی بدولت اتنا زبردست سیاسی شعور اور ذہنی بیداری حاصل کر لیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اموی خاندان سے تھے جو ایام جاہلیت میں مال ومتاع کے حرص ولالچ کے لیے مشہور تھا ان لوگوں کو دنیا کی طمع اور دولت کی ہوس نے اتنا بخیل بنا دیا تھا کہ بنو اُمیہ کا کوئی فرد بھی بجز اشد ضرورت کے کسی چیز پہ ایک حبہ بھی خرچ کرنا پسند نہیں کرتا تھا ان لوگوں کے نزدیک سخاوت ومروت اور ہمدردی وایثار کے کوئی معنیٰ نہیں تھے البتہ منافرت وعداوت پھیلانے، دوسروں کے مجد وشرف سے رشک وحسد کرنے اور قبائلی عصبیتوں کی آگ بھڑکانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے لیکن اسی اموی خاندان کے ایک فرد حضرت عثمان غنیؓ بھی تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کی دریا دلی وسخاوت اور خوش خلقی کے چرچے زبان زد خاص وعام تھے یہ حضرت عثمان غنیؓ ہی تھے جنہوں نے عسرت وافلاس کے سال میں جب لشکر اسلام دشمنوں کے مقابلہ میں تیاری کے سخت ترین مرحلہ میں تھا اپنا سارا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا تھا انہوں نے بیئر رومہ یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا، انہوں نے ہی مسجد نبوی کی توسیع کے لیے بے دریغ اپنی دولت صرف کی تھی اور یہی وہ فیاض ہستی تھی جو مقروضوں کے قرض کی ادائیگی مظلوموں کی فریاد رسی اور دور و نزدیک کے نادار رشتہ داروں کی مالی اعانت و امداد کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسبۂ نفس و ذات کے بارہ میں بھی متعدد اقوال مذکور ہیں جن سے ایک بات قطعی اور یقینی طور پہ ثابت ہوتی ہے کہ محاسبہ ذات کے سلسلہ میں اُن کا مقام بہت ارفع اور بلند ہے انہوں نے نہ کبھی اپنی جان کی حفاظت کے لیے اور نہ ہی کبھی کسی عزیز رشتہ دار کی جان کی حفاظت کے لیے کسی کو جسمانی اذیت پہنچانا تو درکنار کبھی اس خیال سے بھی کسی کے جسم کو ہاتھ

Marfat.com

تک بھی نہیں لگایا حتیٰ کہ جب اُن کو اپنے قتل کا علم بھی ہو گیا تھا تب بھی انہوں نے اپنی مدافعت وحفاظت کے لیے اپنے گھر میں کسی ایسے شخص کو رہنے کی اجازت نہیں دی جو گھر میں گھس کر دھوکہ سے قتل کر دینے والوں یا گھر کا محاصرہ کرنے والوں میں سے کسی کو قتل کر دے یا اس کو کسی قسم کا جسمانی نقصان پہنچائے لیکن جب اُن سے خلافت سے دست بردار ہونے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا ان کا یہ انکار کسی ایسی شئے کی حرص و طمع کی وجہ سے نہ تھا جو زندگی سے زیادہ عزیز ہو اُن کے متعلق کبھی کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ انہوں نے خلافت سے مالی منفعت حاصل کی تھی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت کے بعد تارک الدنیا ہو گئے تھے اور اُن کے پاس تھوڑا بہت جو کچھ مال ومتاع باقی رہ گیا تھا وہ خلافت سے پہلے کی بہ نسبت بہت کم تھا انھوں نے خلافت سے دست برداری سے انکار اوّلاً اس خوف کی بناء پر کیا تھا کہ وہ بارِ خلافت سے گریزاں ہو کر عنداللہ گنہ گار اور ماخوذ ہوں گے۔ دوئم اس سے اُمت میں انتشار پیدا ہو کر جدال وقتال کی نوبت آجائے گی۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنی تقریروں میں بارہا اس اندیشہ کا اظہار کیا تھا کہ مبادا ان کے مخالفین میں سے کوئی ایسا شخص خلافت پر قابض ہو جائے جو اس کی تمنا میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائے ہوئے ہے ؎

اگر ہم ان حوادث و وقائع کو تھوڑی دیر کے لیے نظرانداز کر دیں اور پھر آغاز اسلام کی اس سنہری تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیں جو اعلیٰ ایمانی و اخلاقی اقدار عمدہ اصول و مبادی کی تاریخ ہے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری نظروں کے سامنے ایسے ہولناک مصائب و آلام کا نقشہ اُبھر کر سامنے آئے گا کہ دیکھنے والا اُن کی تاب نہ لا کر اپنی آنکھیں بند کر لے گا غرضکہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اتفاقیہ طور پر ایک آدھ ہی حادثہ یا صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ہم ان پے در پے مسلسل رُوح فرسا حادثات و واقعات کو اسلامی

Marfat.com

اقدار و مبادی کی میزان میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں حضرت عثمان رضہ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ صرف ایک حادثہ نہیں بلکہ حادثات کا لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے۔ جس نے اسلامی تعلیمات کی تمام قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے اور اگر حادثات کی آبیاری و سیرابی میں ایسے ہی بدباطن شرپسند اور فتنہ جو شریک ہو جائیں جیسا کہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں شریک ہوئے تھے۔ تو پھر اس کی ہلاکت آفرینیوں اور تباہ کاریوں کا کیا ٹھکانہ؟

شہادت کے حادثہ فاجعہ کے بعد

ہمیں اپنی تاریخ کے دورِ تنزل و انحطاط کے اسباب عوامل اور ان کے عواقب و نتائج کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں فقط شہادت عثمان رضہ کے حادثہ کو ہی کافی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اس کی تہ میں جو سیاسی انقلاب کا جذبہ کام کر رہا تھا اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اس لیے بعض مورخین نے ان دونوں حادثوں اور ان کے اسباب و علل پر الگ الگ بحث کی ہے لیکن بعض مورخین کے نزدیک یہ دونوں حادثے دو نہیں بلکہ ایک ہی حادثہ ہے اس لیے کہ اُن کے اسباب و علل کی نوعیت بالکل یکساں اور ایک ہے بہرحال جن لوگوں کے خیال میں یہ دو حادثات ہیں یعنی ایک سیاسی انقلاب اور دوسرا شہادت عثمان رضہ اُن کے نزدیک بھی موخر الذکر حادثہ کے اسباب و علل کی تشریح و تعلیل سے اول الذکر حادثہ کے اسباب کی تعلیل و تشریح میں کوئی مدد نہیں ملتی ہے اس لیے اس کے ذریعہ کسی حتمی اور قطعی نتیجہ تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس سے پیدا ہونے والی اگلی پچھلی تمام سازشوں اور فتنوں کے سلسلہ میں جہاں عبداللہ بن سبا ملقب بہ ابن سوداء کا نام زبان زد عوام رہا ہے، مورخین و مبصرین کے مابین بھی ہمیشہ زیر بحث رہا ہے بعض مورخین کے نزدیک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قتل سیاسی شورش و انقلاب برپا کرنے کی بہ نسبت اس لیے زیادہ آسان تھا کہ سیاسی انقلاب کے لیے

Marfat.com

متعدد مختلف نوعیت کے نہایت عمیق اسباب وعلل تلاش کرنے اور ابھارنے پڑتے ہیں اور یہ کام تنہا ایک آدمی کے بس کا نہیں ہوتا حتیٰ کہ دو چار غیر مخلص خود غرض اور محض دشمنی پر آمادہ لوگوں کے لیے بھی یہ کام انجام دینا آسان نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف کسی کے قتل کی سازش کے کہ اس میں ایک دو شخص بھی اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو بھی کسی سیاسی انقلاب لانے کے حوالہ سے جانچنا اور پرکھنا کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک ان کی شہادت کا سیاسی جوڑ توڑ اور انقلاب سے کوئی تعلق نہیں۔ عبداللہ بن سباء ملقب بہ ابن السوداء اور اس جیسے گئے گزرے کسی بھی فتنہ پرور شخص کے لیے یہ بالکل آسان تھا کہ وہ ان کو قتل کرنے کا کام از خود انجام دے لے یا اس گھناؤنے فعل میں چند دوسرے فتنہ پردازوں کو بھی شریک کر لے کیونکہ اس نوع کے فتنے برپا کرنے اور تنازعات پیدا کرنے کے لیے بالعموم گہری سیاسی سازشوں، خاندانی آویزشوں قومی وقبائلی عصبیتوں اور دشمنیوں کو بھی بروئے کار لانا پڑتا ہے جس کے لیے چند سازشوں کا جال پھیلانے والوں، افواہ طرازی کرنے والوں اور دجل و فریب کا لبادہ اوڑھنے والوں کی بہرحال ضرورت پڑتی ہے اس قسم کی سازشوں اور فتنہ پردازی کی نظائر و امثال سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے دردناک حادثہ کا مطالعہ تاریخ کے اس پس منظر میں کیا ہے ان کے نزدیک ان کی شہادت کا واقعہ بالکل اسی نوعیت کا ہے۔ جیسا کہ قدیم و جدید زمانہ میں بالعموم سلطنت کے حکمرانوں اور مملکت کے سربراہوں کو سیاسی انقلابات کے دوران پیش آتا رہا ہے۔ یا جیسا انقلاب برطانیہ میں شارل اول کے خلاف اور فرانس میں لوئس شانزدھم کے خلاف برپا ہو چکا ہے، لیکن اس تقابل و موازنہ کے وقت یہ حضرات یہ بات کلیتاً نظرانداز کر جاتے ہیں کہ برطانیہ اور فرانس کے انقلابات اور بغاوتوں کے علل واسباب اور ان اسباب و واقعات میں جو حضرت عثمانؓ

Marfat.com

کے دردناک سانحہ قتل پر منتج ہوئے زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ دونوں ہر لحاظ سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہیں، شارل اوّل کے عہد کی شورش و بغاوت میں اصلی مقابلہ انگریز قوم اور تخت شاہی اس کے معاون اور درباری امراء کے مابین تھا جس کے نتیجہ میں ایک طاقت کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوا اور دوسری کو ہزیمت و شکست سے دوچار ہونا پڑا، اسی طرح کے حالات و واقعات انقلاب فرانس میں لوئیس شانزدھم کو پیش آئے اور اسی نوعیت کے انقلابات برِّ اعظم امریکہ نیز قدیم زمانہ میں دوسرے ملکوں کو بھی پیش آچکے ہیں، لیکن حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا دردناک سانحہ مملکت کی طاقت و قوت اور اُمت کی طاقت و قوت کے درمیان کسی جنگ کا نتیجہ نہ تھا اور نہ ہی یہ المناک خونیں حادثہ اسلامی حکومتوں کی حربی قوتوں اور عربی و غیر عربی قوموں کی قوتوں کے مابین کسی تصادم و معرکہ آرائی کا شاخسانہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو لوکل (مقامی) حادثہ کا نام دیا جا سکتا ہے جس کو اوّلاً چند شرپسندوں نے ہوا دی اور بعد ازاں عبداللہ بن سباء جیسے کور باطن دشمن اسلام اور اس کے حواریوں کی فتنہ پردازی اور شر و فساد کے باعث یہ ایسا شعلہ جوالہ بنا جس نے اُمت مسلمہ کا سب کچھ جلا کر رکھ دیا ہم اس تنازعہ و مناقشہ کی بابت طول طویل بحث سے گریز کرتے ہوئے مختصراً اتنا ضرور عرض کریں گے کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر پر بھی دیگر والیانِ ملک کی طرح محافظوں کا دستہ تعینات رہتا جو ہر طرح ان کی حفاظت و مدافعت کے فرائض انجام دیتا تو ان کے قتل کا ایسا وحشیانہ بھیانک اور ظالمانہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ چند شرپسند باغی حملہ آور اُس وقت بھی بے دھڑک گھر میں گھس کر خلیفہ کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کی جرأت کر سکتے تھے جب کہ وہ بھی اپنے گھر میں شام کے والی امیر معاویہ بن ابی سفیان کی طرح چوکی پہرہ اور فوجی دستہ کی حفاظت میں ہوتے چنانچہ اس حادثہ فاجعہ کا مقابلہ مملکت کی طاقت و قوت اور فتنہ یا مخاصمہ

Marfat.com

کی طاقت وقوت کے مابین کرنا، اسی طرح غلط اور لاحاصل ہوگا جس طرح سیاسی انقلاب کے عوامل اور گھر میں گھرے ہوئے تن تنہا خلیفہ کے عوامل دفاع کے درمیان موازنہ و مقابلہ کرنا بے سود ہوگا غرضنکہ انقلاب کے تمام عوامل بھی خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں خلیفہ کے قتل کی حتمی و یقینی وجہ نہیں بن سکتے تھے البتہ حالات کے تجزیہ سے یہ بات ضرور منکشف ہوتی ہے کہ خلیفہ سوم کے خلاف اُٹھایا ہوا شور وغوغا اور فتنہ انگیزی کے سبب ہی خلیفہ کے بھیانک قتل کا اقدام وارتکاب کیا گیا تھا۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کے پس منظر میں انقلابی عوامل کا دخل تھا البتہ یہ بات ضرور ہے کہ خلیفہ مذکور کے کمزور عہد میں کہیں اس کے اثرات پائے جاتے تھے جو خلیفہ راشدین کے عہد کے بعد ملوکیت در آنے کے وقت بہت بڑھ گئے تھے لیکن اس کے باوجود اسلامی دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کسی والی مملکت کے اس طرح بھیانک قتل کی نوبت پھر بھی کہیں نہیں آئی تھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر دو حادثہ کے اسباب وعلل کی پوری طرح چھان بین کی جائے اور سیاسی انقلاب اور شہادت کو علیحدہ علیحدہ ان کے پس منظر میں رکھ کر صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے۔

اسباب وعدم اسباب

درآنحالیکہ مذکورہ بالا ہر دو حادثات کے اسباب وعلل پر گذشتہ سطور میں روشنی ڈالی گئی ہے پھر بھی ان پر ہمیشہ غور وفکر کی ضرورت باقی رہے گی۔ اس لیے کہ اسباب بالعموم دو طرح کے ہوتے ہیں ظنی وتخمینی اور صحیح و درست۔ وہ اسباب جو ظن وتخمین پر مبنی ہوتے ہیں کبھی اُن کے غیر ظاہری معنیٰ مراد ہوتے ہیں اور کبھی محققین خود ہی اُن کے اصل ماخذ ومصادر کو نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن صحیح اسباب صرف اسی صورت میں موثر ہوتے ہیں جب ان کو اُس دور کے واقعات سے منسلک رکھا جائے کیونکہ اس دور سے علیحدہ ہوکر ان کا اصل فعل معطل ہو جاتا ہے مثال کے طور پر حضرت عثمان رضؓ کے قتل کے فتنہ کے اسباب کا اُس جائزہ کو ہی پیش نظر

Marfat.com

کردیا جائے جو امیر معاویہؓ نے ابن حصین کے حوالہ سے بیان کیے ہیں اور جس کی روداد یہ ہے کہ ایک دفعہ جب ابن حصینؓ امیر معاویہؓ سے ملنے آئے تو انہوں نے دریافت کیا، "اے ابن حصینؓ! مسلمانوں میں آخر کس وجہ سے پھوٹ پڑی؟" ابن حصینؓ نے امیر معاویہؓ کی خواہش کے مطابق جو جواب دیا وہ یہ تھا "عثمانؓ کو لوگوں نے قتل کر ڈالا"، اس پہ امیر معاویہؓ نے اُن سے پھر دریافت کیا، "تو تم نے کچھ نہیں کیا۔" ابن حصینؓ نے جواباً کہا "پھر طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ کا علیؓ سے جھگڑا ہو گیا۔" اس پہ امیر معاویہؓ نے پھر اُن سے دریافت کیا، "تو تم نے کچھ نہیں کیا۔" ابن حصینؓ نے جواباً کہا "اس کے سوا مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔" امیر معاویہؓ نے کہا "آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں" مسلمانوں میں انتشار پھیلنے اور پھوٹ پڑنے میں شوریٰ کا وہ اختیار تھا جو عمر رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کے حوالہ کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لیے دنیا میں مبعوث کیا تھا کہ وہ اس کو تمام ادیان پہ غالب کر دے خواہ لوگوں کو کتنا ہی ناگوار ہو، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کیا جو خدا کا حکم تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور جب رسول علیہ السلام نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت نماز کا منصب عطا فرمایا تو لوگوں نے ان کو وصی سمجھ کر دنیاوی امور کے لیے بھی انہی کو اپنا امام و پیشوا بنانا پسند و قبول کر لیا۔ اس کے بعد ابو بکرؓ نے چونکہ ہمیشہ اُسوہ رسول پہ عمل کیا اور آپ کی سنت کو ہمیشہ زندگی میں مشعل راہ بنائے رکھا اس لیے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا جو زندگی بھر انہی کے نقش قدم پہ چلتے رہے لیکن حضرت عمرؓ نے اپنی جانشینی اور خلافت کا مسئلہ چھ آدمیوں کے مشورہ اور صواب دید پہ چھوڑ دیا جن میں سے ہر ایک آدمی خلافت کا آرزو مند اور متمنی تھا، اگر حضرت عمرؓ بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنا جانشین

Marfat.com

اور خلیفہ خود نامزد کر جاتے تو اس میں کسی کو اختلاف نہ ہوتا۔" ابن حصین رضؓ نے امیر معاویہؓ کے خیالات کے متعلق تو یہی بتایا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر اصحاب فکر کی بھی وہی رائے ہے جو امیر معاویہؓ کی تھی ان میں محمد بن سلیمان السیف کا نام زیادہ نمایاں ہے چنانچہ ابن حاجب مکی کے مطابق ان کی رائے میں چھ آدمیوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کو اس امر کا حق دے دینا کہ وہ اپنے میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں ہر شخص کو خلیفہ بننے اور خود اپنے آپ کو سب سے زیادہ اہل سمجھنے کی دعوت دینا تھی اور ان میں سے سب سے زیادہ اس کے خواہش مند اور جوڑ توڑ کے اہل طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان التیمی ملقب بہ طلحۃ الجود تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور اپنی سخاوت و شجاعت اور اسلام میں سبقت کے باعث سب کے محبوب اور ہر دلعزیز تھے اور ان خصوصیات کی وجہ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کے لیے بھی تیار رہتے تھے، ان کے خیال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت انہی کے سپرد کر دینا چاہیے تھی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر ترجیح دے دی گئی تو ان کے بعد تو پھر کسی دوسرے کو ان کے مقابلہ میں خلافت کا اہل سمجھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اس معاملہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم نوا تھے۔

بہرحال اس بارہ میں مجتہدین میں سے بعض لوگ محمد بن سلیمان المتلف کے پیرو ہیں یا معاویہ بن ابی سفیان کی رائے کے قائل ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل شوریٰ کو خلیفہ کے انتخاب کا مجاز ٹھہرانے کی تجویز کو غلط قرار دیا تھا چنانچہ آج بھی امیر معاویہ رضؓ کی تجربہ و دانائی سے بھرپور رائے کے قائل اور ماننے والے لوگ موجود ہیں جن میں سے ایک وزارت معارف کے استاد احمد حماد مولیٰ بھی ہیں جو اپنی کتاب "انصاف عثمانؓ" میں امیر معاویہ رضؓ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کی رائے ایک ایسے شخص کی رائے تھی جو زیرک و تجربہ کار ہونے کے علاوہ زمانہ کے سرد گرم

Marfat.com

کو بیچے ہوئے تھے جس نے اپنی سوجھ بوجھ اور دانش مندی کے باعث ہمیشہ صاحب حق پر غلبہ حاصل کیے رکھا اور جس نے نہ صرف اسلامی مملکت کو روم کی سرحدوں تک پہنچا دیا بلکہ اس کو تمام اطراف واکناف سے مضبوط کر کے ہر طرح کا استحکام بخشا۔ یہ کہنے سے حاشا وکلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقدام پر انگشت نمائی مقصود نہیں ہے انہوں نے تو مسلمانوں کے مفاد اور قومی فلاح کے خلاف کبھی کوئی کام کیا ہی نہیں۔ خلافت کے معاملہ کو اہل شوریٰ کے سپرد کر دینے کا مقصد بھی اُن کا مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے بچانا ہی تھا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درپیش حالات کی بجائے دیگر مختلف حالات کا سامنا ہوتا تو وہ یقیناً ایسا فیصلہ کرتے جس سے مسلمان گروہی اختلافات ومصائب سے نجات پا لیتے اور وہ منصب خلافت کو کسی ایسے شخص کے سپرد کر جاتے جو ہر طرح سے اس کا اہل اور مستحق ہوتا اور اس نامزدگی پر مسلمان ہر طرح سے خوش ومطمئن ہوتے اور اسلامی مملکت ہمیشہ شاداں وفرحاں رہتی جس کے سب سے بڑے دشمن ہمیشہ بغض ونفاق اور افتراق و انتشار سے ہیں۔ غرضیکہ یہ ہے وہ سب سے مشہور سبب جس کی بابت فتنہ کے زمانہ سے لے کر آج تک متواتر سب لوگوں میں شہرت ہے، اور جو کچھ امیر معاویہؓ نے ابن حصین سے اس کا سبب بیان کیا ہے اس میں ان کی پوشیدہ غرض کا بھی سب کو علم ہو چکا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو امیر معاویہؓ کا شوریٰ سے انکار ہی محض اس لیے تھا کہ انہوں نے خفیہ طور پر یزید کو ولی عہد بنانے کا منصوبہ پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا جس کے لیے انہوں نے اس کی تربیت کا بندوبست بھی کر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود اُن کا تجربہ اور ذہانت کچھ کام نہیں آیا اس لیے اُن کے اس اقدام سے نہ صرف پوری قوم پھوٹ کا شکار ہو گئی بلکہ ان کے قریب ترین عزیز اور رفقاء میں بھی اختلاف ونزاعیات کی وسیع خلیج حائل ہو گئی۔ اور ایک ولی عہد کی بجائے، قوم دو عہدوں اور مختلف طبقات میں تقسیم ہو گئی۔ خلافت کی خاتمہ ہو کر قوم میں ملوکیت در آئی اور باپ سے بیٹے کو وراثتاً حکومت

Marfat.com

ملنے کی غیر اسلامی اور غیر جمہوری بُری روایت کی داغ بیل پڑ گئی ۔ ان کے اس اقدام سے بنو اُمیہ کے قریش اور بقیہ مسلمانوں کے مابین اختلافات تو کیا مٹتے خود بنو اُمیہ میں اختلافات و نزاعات مزید بڑھ گئے ۔ شعبی کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس خیال سے قریش اور اُن کے سرداروں کو حجاز سے روک دیا تھا کہ وہ دنیاوی فتنوں میں پڑنے سے محفوظ رہیں ۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہے ان کے خوف و رعب کی وجہ سے لوگ خاموش رہے اور قوم میں سکون رہا لیکن ان کے انتقال کے بعد لوگوں میں اضطراب و اختلاف بپا ہو گیا ۔ اگر وہ خلافت کے لیے کسی کو نامزد کرنا پسند بھی کرتے تو طلحہؓ اور زبیرؓ کو کبھی نامزد کرنا پسند نہ کرتے کیونکہ زندہ اور مُردہ لوگوں میں سے جن لوگوں کے نام وہ لیا کرتے تھے ان میں کبھی ان دونوں کا نام اُن کی زبان پر نہیں آیا ۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا تھا کہ کاش ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو وہ ان کو خلافت کے لیے منتخب کر لیتے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو امین الامت کہتے ہوئے سُنا تھا ۔ ابو حذیفہ کے غلام سالم کو بھی اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ ان کو خلافت کے لیے نامزد کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مہاجرین کا امام بنایا تھا ۔ لیکن زندہ لوگوں میں سے وہ جن لوگوں کو منصب خلافت کے لیے مناسب سمجھتے تھے ان میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا نام لیا کرتے تھے ان دو اصحاب کے علاوہ اصحاب ستّہ میں سے کسی کا نام ان کی زبان سے سننے میں نہیں آیا چنانچہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا "علیؓ خدا سے ڈرنا اگر خلافت ملے تو بنی ہاشم کو لوگوں پر مسلط مت کر دینا ۔" اسی طرح جب عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے تو ان سے فرمایا "اے عثمانؓ! خدا سے ڈرنا اگر تم کو خلافت ملے تو بنی معیط کو لوگوں پر مسلط مت کر دینا ۔" اور ہمارا تو خیال ہے کہ وہ خود بھی طلحہؓ کے بارہ میں قصداً خاموش رہے اور شاید اس خیال سے بھی کہ اصحاب شوریٰ اُن کے متعلق متفق الرائے نہیں ہوں گے ۔ بہرحال مسئلہ خلافت کو چھ اصحاب پر مشتمل مجلس شوریٰ کے سپرد کرنے کا مقصد ہی ان کا یہ تھا

Marfat.com

جس کسی کو وہ بالاتفاق منتخب کر لیں گے اس کے ساتھ تعاون اور اطاعت کو بھی لازم سمجھیں گے۔ امیر معاویہ رض کی ابن الحصین سے گفتگو کو پرحکمت قرار دینے سے اس امر کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ ان کے نزدیک دینی اور دنیاوی امور علیحدہ علیحدہ ہیں اور حضور علیہ السلام نے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے طلب فرمایا تھا اس کا مطلب بھی صرف یہی تھا کہ لوگ امور دین میں آپ کی اتباع کریں مگر لوگوں نے اس میں امور دنیا کا اضافہ بھی کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ دینی امور میں برضا و رغبت اتباع دنیوی امور میں برضا اتباع کے لیے ضروری نہیں ہے، غرضیکہ امیر معاویہؓ کی طویل و پرحکمت گفتگو اپنے بیٹے یزید اور عقبہ جیسے لوگوں کو برسر اقتدار لانے اور امارت و خلافت کے لیے تیار کرنے کا پیش خیمہ تھی جب کہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے اکثر و بیشتر جلیل القدر اہل حضرات اس اہم منصب کے لیے موجود تھے۔

اب ہم ظنی و تخمینی نیز اجتہادی علل و اسباب سے صرف نظر کر کے یہاں اس واقعہ کے ان اسباب و امور کا ذکر کرتے ہیں جو فی الواقع پیش آیا اور جو قلوب و اذہان میں ہیجان پیدا کرنے اور انقلاب کو خوش آئند بنانے میں بہت مؤثر ثابت ہوا ان میں سے بعض کا تعلق دینوی امور سے ہے بعض کا دینی امور سے اور بعض کا سیاست و حکم سے ہے، دینی امور سے تعلق رکھنے والے اقدامات میں خلیفہ ثالث کا نماز جمعہ میں ایک مزید اذان کا اضافہ اور عرفات اور منیٰ میں قصر کی بجائے پوری نماز پڑھنا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر دو خلفاء اور خود خلیفہ سوم ابتداءً قصر کیا کرتے تھے اور قرآن پاک کو ایک کتابی شکل میں جمع کروانا اور باقی نسخوں کو جلوا دینے کا حکم شامل ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی حرام شے کو حلال یا جائز قرار نہیں دیا وہ حد درجہ گناہ سے بچنے والے تھے اور دینی امور میں بے حد محتاط رہتے تھے انہوں نے جمعہ کے دن اذان کا اضافہ محض اس لیے کیا تھا کہ لوگوں کی تعداد بہت

Marfat.com

بڑھ گئی تھی اور شہر کافی پھیل گیا تھا اور مقیم کی نماز اس لیے پڑھی تھی کہ مکہ معظمہ میں گھر بنا لیا تھا لہٰذا مکہ کا شہری ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسافر کی نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھی۔ اور قرآن پاک کو ایک نسخہ کی شکل میں اس لیے جمع کیا تھا کہ وہ نیکی کا ایسا کام تھا جس میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پہلے ہی سبقت کر چکے تھے اور مسلمانوں سے اس پر تحسین و آفرین حاصل کر چکے تھے اگرچہ کچھ لوگ ابتداء میں اس کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن بالآخر وہ لوگ بھی اس کام کی عظیم افادیت کے قائل ہو کر اُن کے ممنون ہوئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "اہل یمامہ میں قتل کا بازار گرم ہو چکا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہی سانحہ قتل قرآن کے حافظوں کے ساتھ کہیں اور نہ دہرایا جائے اور ان کی موت سے ان کے سینوں کا قرآن بھی ضائع نہ ہو جائے مگر یہ کہ لوگ اس کو جمع کر لیں" اس کے بعد انہوں نے خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کی طرف متوجہ کیا۔ چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز بالکل غیر متوقع اور اچانک تھی اس لیے ان کو اس میں پس و پیش ہوا چنانچہ فرمانے لگے "وہ کام میں کیسے کر سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم ہے خدا کی یہ تو خیر کا کام ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا "بے شک خیر کا کام ہے۔" غرضکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امر میں بار بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کار خیر کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر فرما دیا اور قرآن پاک کی آیات کی تلاش و جستجو سرگرمی سے شروع کر دی گئی اور اس کی تمام آیات جو کھجور کی شاخوں، بکری کے شانہ کی ہڈیوں، کاغذ کے پرزوں اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھیں احتیاط کے ساتھ جمع کر لی گئیں ان میں دو آیات ایسی بھی ملیں جو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی کے پاس محفوظ نہ تھیں۔ اور جب متعدد جلیل القدر صحابہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ، حضرت عبد اللہ

Marfat.com

بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، اور حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس قرآن پاک مکمل طور پر مصحف کی صورت میں جمع ہو گیا تو حضرت عثمان رضؓ نے ان سب مصاحف کا اختلاف قراءت وغیرہ دور فرما کر قرآن پاک کا ایک عام متفقہ نسخہ ملک کے تمام شہروں، قصبوں اور دیہات میں بھجوا دیا تاکہ تمام مسلمان سب جگہ ایک ہی نسخہ قرآن کریم کی تلاوت کریں۔ بعض دینی امور میں بھی جو معاشرہ میں خاصے مانوس و معروف چلے آ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کوئی رد و بدل نہیں کیا تھا مثلاً نکاح متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی اپنے زمانے میں ناجائز اور باطل قرار دے دیا تھا اسی طرح ضرورت باقی نہ رہنے کے باعث مولفۃ القلوب کو صدقات کی مد سے خارج کر دیا تھا۔ خشک سالی اور قحط کے ایام میں سرقہ کی سزا میں قطع ید کی حد ساقط کر دی تھی اور بوقت نماز تسویہ صفوف کے متعلق نرمی کر دی تھی۔ علاوہ ازیں بعض دیگر اہم معاملات میں بھی جن میں حضرت عثمان رضؓ کو ملوث کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عوام میں بظاہر کسی قسم کا غم و غصہ اور ناراضگی بھی نہیں پائی جاتی تھی چہ جائیکہ لوگوں کا باغی بن کر ان کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ ہو جانا۔ بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دنیوی امور سے متعلق فتنہ و فساد کے جن اسباب کو بڑی شد و مد سے پیش کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں (الف) ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں قریشی عمال و حکام کا غلبہ (ب) دیگر اقوام پر عربوں کا تسلط و سیادت (ج) بعض ایسے گورنروں اور حاکموں کی نشان دہی جو زہد و تقویٰ کے اعتبار سے متہم و مطعون تھے۔
(د) اپنے عزیز و اقارب اور حکومت کے وفادار ارکان پر سرکاری خزانہ بے دریغ خرچ کر کے اپنے خاندان کا اقتدار جمانا۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ باغیوں نے جس حاکم کے خلاف شراب نوشی کا الزام عاید کیا تھا وہ ولید بن عقبہ تھا جس پر حضرت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ نے شرعی حد جاری بھی فرما دی تھی۔ علاوہ ازیں ولید بن عقبہ اس عہدہ پہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں فائز نہیں ہوا تھا اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جزیرہ کا حاکم بنایا تھا اور حضرت عثمانؓ نے اس کو جزیرہ سے تبدیل کر کے کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ اب ہم یہ بتانا چاہیں گے کہ جو اعمال و امور حضرت عثمان رضؓ کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں ان میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو اس سے قبل کے ادوار میں نہ ہوا ہو۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ کسی خاص عمل یا امر کی وجہ سے فتنہ پیدا ہوا ہے ہو سکتا ہے کہ وہی عمل مملکت کے استحکام و بقا کی بنیاد ثابت ہوتا اس لیے اس بحث کو ہم نے اسباب و عدم اسباب کا عنوان دیا ہے۔ کیونکہ بعض اسباب و علل ایسے بھی ہوتے ہیں جو بظاہر سبب ہونے کے باوجود حقیقتاً سبب نہیں ہوتے ہیں اور تعین اسباب صرف اور صرف اسی وقت موثر ہوتے ہیں جب وہ اس دور کے تقاضوں اور احوال و کیفیات سے مطابقت رکھتے ہوں ایسے اسباب غیر موافق حالات میں اپنا اثر قطعی کھو دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسباب و علل کے پاک ہونے کے باوجود ایک دور کے نتائج و عواقب دوسرے دور کے نتائج و عواقب سے مختلف ہوتے ہیں خلافت اور ملوکیت کے درمیانی عہد کے درمیان جو واضح فرق ہم دیکھتے ہیں اس سے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے اس عہد میں نہ اس کو خلافت کے وسائل راس آسکے ہیں اور نہ ہی مملکت کے وسائل اس پہ پوری طرح منطبق ہو سکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سکون و امن میں اضطراب اور خوشی و ناراضگی کا ملا جلا ردعمل معاشرہ میں ہر طرف دیکھنے میں آتا ہے چنانچہ تمام امور کی جانچ پڑتال دو مختلف پیمانوں بلکہ متناقض و متعارض زاویوں سے کی جا رہی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب کوئی شے ایسی باقی نہیں رہی ہے جو اس بات پہ دلالت کرتی ہو کہ سیاسی احوال و واقعات طبعی و فطری کیفیات

Marfat.com

صحیح فکر و نظر اور عمدہ اخلاق کے معیار کے مطابق انجام پاتے ہوں - اور اس کا واضح ثبوت ہمیں صدر اسلام میں خلفاء راشدین اور دولت بنی اُمیہ کے درمیانی دور کی تاریخ سے ملتا ہے اس دور کے لوگ اب ایک مملکت کے باشندے تھے اور وہ اس طرح کے معاشی مسائل اور اقتصادی ذرائع میں اپنا تصرف اور کنٹرول چاہتے تھے جیسا کہ دیگر ممالک کے عوام الناس بالعموم چاہتے ہیں اور اپنے حکمرانوں سے اس رویہ اور سیاسی برتاؤ کے خواہاں تھے جو خلافت راشدہ کا طرہ امتیاز تھا - وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ سوم بھی پچھلے دو خلیفاؤں کے طرز عمل اور سلوک سے سرمو تجاوز نہ کریں مگر وہ کبھی اس پر غور نہیں کرتے تھے کہ خود ان کا عمل اور رویہ ہر دو سابق خلفاء کے عہد کے لوگوں کے عمل سے کتنا مختلف تھا - اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمان رضؓ میں حضرت ابو بکرؓ و عمر رضؓ جیسی طاقت و قوت نہ تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے رعب و دبدبہ کے باوجود اپنی خلافت کے آخری ایام میں ادوار و عہود کے درمیان پائے جانے والے تناؤ کا احساس ضرور ہو چلا تھا اسی لیے آپ اپنی دُعا میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے - " اے اللہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں میری طاقت کمزور ہو گئی ہے اور میری رعایا منتشر ہو گئی ہے تو مجھے ایسی حالت میں موت دیجیے کہ میں ایذا رسانی اور افراط میں مبتلا نہ ہوں -" حضرت عثمان رضؓ کے سامنے سب سے مشکل مرحلہ یہی تھا کہ وہ اپنے دور کے لوگوں کو زمانہ کے مزاج و افتاد اور حالات کے خلاف لے کر چلنا چاہتے تھے - چنانچہ ہم نے اس کی طرف حضرت علی رضؓ کی سوانح عمری میں اشارہ بھی کیا ہے کہ اگر حضرت عثمان رضؓ اس کا پہلے سے احساس کر لیتے تو دنیا سے ایسی حالت میں رخصت نہ ہوتے جب خلافت و ملوکیت دو ایسے کیمپوں یا معاند لشکروں میں بٹ گئے تھے جو ایک دوسرے پر غالب ہونا چاہتے تھے علاوہ ازیں ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ خلافت و ملوکیت میں سے ایک چیز بہرحال ضروری ہے مگر ملوکیت خلافت کے وسائل اور طور طریقوں سے نہیں

Marfat.com

چل سکتی اور خلافت ملوکیت کے انداز و طریقوں سے نہیں چل سکتی ہے اور امیر معاویہؓ کا غالباً یہ کہنا غلط ہوگا کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اُن کے دل میں خلافت کی رغبت و خواہش نہیں تھی۔ لیکن خلافت کو ان کی خواہش نہ تھی لیکن جب ملوکیت کا دور آیا تو ملوکیت نے ان کو چاہا اور وہ بھی ملوکیت کے خواہش مند اور خواستگار تھے اس سلسلہ میں ہم نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ ملوکیتی سیاست جس کا زمانہ طلب گار ہے اور خلافتی سیاست جو عہد نبوی کے باقیات الصالحات میں سے ہے، کے درمیان آخر مطابقت کی صورت ہی کیا ہے، کیا سارا مال و متاع قوم کے سرداروں، لشکروں کے سپہ سالاروں اور عیش و عشرت کے طلب گاروں کے حوالہ کر دیا جائے یا ان کو قربانی کی زندگی گزارنے، سختیاں برداشت کرنے اور ہر دم جہاد کے لیے آمادہ رکھا جائے! پس اگر خلیفہ ان لوگوں کو متوقع مال و دولت سے محروم کر دیتا ہے تو وہ اس پر حملہ آور ہونے کے لیے نہ صرف خود آمادہ نظر آتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اُبھارتے اور ورغلاتے ہیں اور جب یہ صورتِ حال ہو تو کیا خلیفہ زمانہ بھر کے مطالبات دواعی و مقتضیات کے مقابلہ میں تن تنہا ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کامیاب اور غالب ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر وہ دنیوی بادشاہ کی طرح ساری دولت لوگوں پر نچھاور کر دیتا ہے اور خود تن تنہا ایسے خود غرض لوگوں کے درمیان قربانی دینے اور سنت نبوی پر قائم رہنے کے لیے جہاد میں مشغول رہتا ہے تو کیا ایسے شخص کو ایسا عجیب و غریب زمانہ راس آسکے گا۔ بہر حال حضرت عثمان رضؓ کے دورِ خلافت کی اساس اور ہیئت حاکمہ کو کسی حد تک استحکام حاصل رہا جو بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ کے عہد میں ٹوٹ کر رہا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جن دو حادثات کا ذکر کیا گیا ہے اگر اُن کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ نہ صرف متعدد مختلف ہیں بلکہ اس حد تک گنجلک اور غیر واضح بھی ہیں کہ ایک

Marfat.com

حادثہ کے اسباب سے دُوسرے حادثہ کے اسباب کی تشریح و توضیح میں کوئی مدد نہیں ملتی ہے اور تا وقتیکہ اشتباہ و ابہام کا وہ پردہ جو دورِ خلافت کی تاریخ پر پڑا ہوا ہے ہٹایا نہ جائے گا ہم بدستور ایسی گرد آلود فضا میں سفر کرتے رہیں گے جہاں اشیاء و صور کے چہرے صاف نظر نہیں آئیں گے لہٰذا ہم نے طے کیا ہے کہ خلیفہ سوم کی سیرت کے مطالعہ سے ہی ابتداء کی جائے، ہمیں اُمید ہے کہ اس سے ہماری تمام مشکلات کا حل نکل آئے گا۔

Marfat.com

فصل دوم

جاہلیت اور اسلام کا درمیانی عہد

حضرت عثمانؓ کی شخصیت، نشوونما، شائستگی و ذہانت

جاہلیت اور اسلام کا درمیانی عہد

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے جو ان کے پردادا امیہؔ کے نام سے منسوب ہے، اُمیہؔ کے سلسلۂ نسب کے بارہ میں نسابوں اور خاندان اُمیہؔ کے درمیان بکثرت اختلافات ہیں۔ مقریزی لکھتا ہے اس بارہ میں جو متعدد لطیف اقوال پیش کیے جاتے ہیں ان سے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا بہت مشکل ہے، بنی امیہؔ اور بنی ہاشم کے مابین اختلافات کے بارہ میں مقریزی اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ بنی امیہؔ اور بنی ہاشم کے درمیان دائمی نفرت و عداوت کی وجہ یہ ہے کہ ہاشم اور عبدشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے اور عبدشمس ہاشم سے پہلے رحم مادر سے برآمد ہوا تھا اور اُن میں سے ایک کی اُنگلی دوسرے کی پیشانی میں گڑی ہوئی تھی اور جب اس کو کھینچ کر نکالا گیا تو وہ جگہ خون آلود ہوگئی تھی اس لیے مشہور ہوگیا تھا کہ ان دونوں ہی میں نہیں بلکہ ان کی اولاد میں ہمیشہ خون خرابہ ہوتا رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدشمس اور ہاشم پیدائش کے دن ایک ہی بطن میں تھے اور دونوں کی پیشانیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں جنہیں تلوار سے کاٹ کر جُدا کیا گیا تھا اس پر بعض عربوں نے کہا تھا کہ درہم سے کیوں نہیں علیحدہ کیا گیا اس طرح تو ان کی اولاد میں ہمیشہ تلوار چلتی رہے گی۔ بہرحال اُمیہؔ عبدشمس کی اولاد میں یا تو اس میں سے ایک ہے یا دو بھائیوں میں سے

Marfat.com

ایک ہے لیکن بعض نسابین کا کہنا یہ ہے کہ وہ عبد شمس کا غلام ہے اور ایک رومی کنیز کا بیٹا ہے جو بحری جہاز کے چند مسافروں کے ساتھ حجاز پہنچ گئی تھی جو ساحل پہ لگا تھا۔ ابوطالب کے شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

قد یمًا ابو ھم کان عبدً الجوتا بنی امۃ شھلاء بما البحر

ترجمہ: زمانہ قدیم میں اس کا باپ ہمارے دادا کا غلام تھا جو ایک کنیز نیلی سیاہ فام مائل بہ سرخی آنکھوں والی باندی کا بیٹا ہے۔

اسی کی تائید حضرت علی رضہ کی اس گفتگو سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے معاویہ رض سے کی تھی اور جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں کیا ہے کہ "وہ مہاجر آوارہ گرد آزاد کی طرح نہیں ہوتا اور خالص وشفاف مخلوط و ناصاف کی طرح نہیں ہوتا۔" ابن ہشام نے بھی تحریر کیا ہے کہ عقبہ بن ذکوان بن اُمیہ اُس وقت چلّا اُٹھا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا اس نے کہا تھا کہ "کیا میں قریش ہوتے ہوئے بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔" اس سلسلہ میں ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ "تو اہل صفوریہ کے یہودیوں میں سے ہے۔"

اس حدیث کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ جس لونڈی نے اس کے باپ کو جنم دیا تھا وہ اہل صفوریہ کے ایک یہودی کی ملکیت تھی۔ اس کے علاوہ وہ بعض دیگر روایات بھی بیان کی جاتی ہیں جس کی تفصیلات بیان کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں لیکن جو بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے وہ یہ ہے کہ بیٹا بنانے اور عصبیت کا سہارا لینے کی رسم وریت اس شدت سے اموی خاندان میں پائی جاتی تھی کہ جاہلی دور کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اصفہانی اور ابن ابی الحدید نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز معاویہ رضہ نے دغفل نساب سے دریافت کیا کیا تم نے اُمیہ کو دیکھا تھا اس نے جواب میں کہا ہاں دیکھا تھا "امیر معاویہ نے پوچھا پھر تم نے اس کو کیسا پایا؟"

Marfat.com

دغفل نے جواب دیا "وہ ایک اندھا اور پستہ قد انسان تھا جس کو اس کا غلام ذکوان لیے پھرتا تھا۔" امیر معاویہؓ نے کہا وہ تو اس کا بیٹا ابو عمرو تھا یہ سن کر دغفل نے برجستہ کہا "یہ تو تم کہتے ہو، مگر قریش تو اس کو امیہ کے غلام کی حیثیت سے ہی جانتے پہچانتے تھے۔" اسلام کے بعد کی تاریخ سے یہ امر پوری طرح واضح ہے کہ ابو سفیان زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنے اور ملانے کے بڑے شد و مد سے دعویدار تھے جب کہ وہ زیاد بن سمیہ کے نام سے مشہور تھے اور معاویہ ہر اس شخص پر سخت غصہ ہوتے تھے جو اس استلحاق کا منکر تھا۔ اس پر یزید بن سفرغ معاویہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

اتغضب ان یقال ابوک عفت ۔۔۔ وترضیٰ ان یقال ابوک زان

تیرے باپ کو پارسا کہا جائے تو تو ناراض ہوتا ہے ۔۔۔ اور اگر اس کو زانی کہا جائے تو تو خوش ہوتا ہے

فاقسم ان رحمک من زیاد ۔۔۔ کرحم الفیل من ولد اتان

میں قسم کھا کر کہتا ہوں زیاد سے تیری رشتہ داری ایسی ہے ۔۔۔ جیسی گدھے کے بچہ کی ہاتھی سے۔

بلاذری نے اس استلحاق کی خبروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب عثمان بن محمد بن ابی سفیان عمرو بن سعید کے بعد مدینہ کے گورنر بنائے گئے تو ایک روز خطبہ میں اپنے اسلاف کا حوالہ دے رہے تھے اتفاق سے یہ بھی مسجد میں موجود تھے غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور عثمان کو ابو سفیان کا پوتا کہہ کر مخاطب ہوئے اور کہنے لگے مجھے نہ کسی کو اپنی شکل و صورت پہچنوانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونے کی تمنا رکھتا ہوں۔ امیہ کے متعلق مقریزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عہد جاہلیت میں اس نے ایک ایسا کام بھی کیا تھا جو کسی عرب نے اس سے قبل نہیں کیا تھا اس نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کا نکاح اپنی بیوی سے کر دیا تھا۔ مقریزی مزید لکھتا ہے کہ اسلام میں ان لوگوں کو مقتی کہا جاتا ہے جو باپ کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں سے شادی رچانے کے بعد ان سے اولاد پیدا کراتے ہیں لیکن یہ کہ کوئی شخص باپ کی زندگی میں اس کی منکوحہ سے شادی

Marfat.com

اکر لے اور اس سے نسب ہاشمی بھی کر لے اور باپ یہ سب کچھ دیکھتا رہے ایسا ایام جاہلیت میں بھی کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس معاملہ میں اُمیہ نہ صرف اس حد سے بھی گزر گیا تھا بلکہ اس نے نہایت خوشی سے اپنی بیوی سے دست بردار ہو کر اس کو اپنے بیٹے کے نکاح میں دے دیا تھا۔ اس کے بعد مقریزی لکھتا ہے کہ ابو معیط بن ابی عمرو بن اُمیہ اس معاملہ میں دو قدم اور بھی آگے تھا۔ اشراف کے حسب ونسب اور شرح نہج البلاغۃ میں جو کچھ استلحاق ابناء کے واقعات وحالات درج ہیں ان سے یہاں اس لیے صرف نظر کرتے ہیں کہ اموی خاندان میں نسلی عصبیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی جس کو بیان کرنا لاحاصل معلوم ہوتا ہے۔ مختصراً بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے درمیان عداوت ومنافرت کی آگ میں دعوت محمدی کے ظہور تک بڑی شدت آچکی تھی۔ راویوں نے اس سلسلہ میں بہت سے پرانے اور نئے واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دعوت اسلامی سے قبل کا تازہ ترین واقعہ یہ ہے کہ حرب بن اُمیہ اور عبدالمطلب بن ہاشم کسی محاکمہ کے لیے قبیلہ بنی عدی کے ایک شخص نفیل کے پاس گئے، جو عمر فاروقؓ کے دادا تھے، نفیل نے حرب سے کہا کیا تم ایسے شخص سے اپنا موازنہ کرتے ہو جو قد وقامت میں تم سے طویل قبیلہ کی سرداری میں تم سے عظیم شکل وصورت میں تم سے حسین، ملامت میں تم سے کم، اولاد میں تم سے زیادہ جود وسخا میں تم سے بڑھ کر اور مدافعت وحمایت میں تم سے کہیں زیادہ ہے۔

ابوک معاھرٌ وابوہ عفٌّ وذا الفیل عن بلدٍ حرام

ترجمہ: تمہارا باپ زانی تھا اور اس کا باپ پارسا تھا، اور اس نے اصحاب فیل کو بلد حرم سے نکالا تھا۔

اس سے اُمیہ کی بدکرداری اور عورتوں کے درپے رہنے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ انہی عورتوں میں قبیلہ بنی وسہا کی ایک عورت بھی تھی جس کو اکثر وہ ورغلاتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس قوم کے نوجوان اُمیہ کے سراغ میں لگ گئے تھے اور

Marfat.com

قریب تھا اسی باعث قبائل قریش میں کوئی بڑا فتنہ برپا ہوجاتا بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے مابین منافرت کی سب سے نمایاں مثال اُمیہ کا وہ بتکلف جذبۂ سلوک و احسان تھا جو وہ ہاشم کے مقابلہ میں دکھانا چاہتا تھا۔ درآنحالیکہ ہاشم جس کا اصل نام ابو عمرو تھا لیکن وہ ہاشم کے لقب سے صرف اس لیے مشہور ہوا تھا کہ اس نے قحط کے زمانہ میں مکہ اور اطراف مکہ کے نادار اور بوڑھے محتاجوں کو کھانا کھلایا تھا۔ وہ بالعموم ایسے موقعوں پر شوربہ میں چوری ہوئی روٹی کھلایا کرتا تھا جس کے لیے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتا تھا اور فقراء و غرباء کی دیکھ بھال کیا کرتا۔ مندرجہ ذیل شعر میں شاعر اسی کا ذکر کرتا ہے۔

عمرو الذی هشم الثرید لقومه ورجال ملة مسبوق عجاف

ترجمہ: عمرو وہ ہے جو اپنی قوم کے لیے ثرید تیار کرتا ہے۔
اور مکہ کے نادار غرباء اور بوڑھوں کو اس میں شامل کرتا ہے۔

یہ دیکھ کر امیہ نے بھی لوگوں کا دل جیتنے کی غرض سے ہاشم سے مجد و شرف میں مقابلہ کرنا چاہا لیکن جب وہ اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکا تو لوگوں کے دستور کے موافق اس نے ہاشم سے ایک بار پھر مقابلہ کی ٹھان لی اور اس کے لیے اس نے ہاشم کو للکار کر خزاعہ کے کاہن کے پاس محاکمہ کے لیے عسفان چلنے کو کہا چنانچہ دونوں پچاس اونٹ مکہ میں ذبح کرنے اور حرم کے قرب و جوار سے دس سال کی بخوشی جلاوطنی قبول کرنے کی شرط پر آمادہ ہوگئے۔ کاہن نے اس زمانہ کے حکم و کاہن کے معروف اسلوب اور مخصوص انداز میں مقفیٰ و مسجع عبارت میں بولنا شروع کیا۔ روشن چاند کی قسم، چمک دار ستاروں کی قسم، پانی بھرے بادلوں کی قسم، فضا میں کوئی پرند نہیں، مسافر کو راہ کا کوئی علم نہیں۔ ہاشم کا خاندان شرف اور موروثی عظمت میں سبقت لے گیا جس سے ابوجہمہ باخبر ہے، ابوجہمہ کے نام سے اس نے جس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا وہ حبیب بن عامر تھا جو امیہ کے ہمراہ آیا تھا اور جس کا نسب فہر بن مالک تک پہنچتا ہے اس سے اس کا

Marfat.com

مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ ابوجہم کو حسب نسب کا پورا پورا علم ہے۔اس لیے وہ اس سے امیہ کو باخبر کرسکتا ہے، راویوں کا بیان ہے کہ ہاشم جیت گئے اور انہوں نے شرط کے مطابق اونٹوں کو ذبح کیا اور ان کا گوشت لوگوں کو کھلایا اور امیہ مکہ سے جلا وطن ہو کر شام چلا گیا اور دس برس وہاں مقیم رہا غرضکہ دونوں خاندانوں میں مسابقت کا جذبہ اکثر شعبہ ہائے زندگی مثلاً شہسواری، اولاد کے حسن وجمال اور سیاست و ریاست وغیرہ میں ہمیشہ باقی رہا۔ایک مرتبہ امیہؔ اور عبدالمطلب میں گھوڑ دوڑ میں مقابلہ ہوا اور طے پایا کہ ہارجانے والے کو ایک سال کے لیے فریق ثانی کی سیادت وبرتری تسلیم کرنے کے علاوہ کچھ لونڈی غلام بھی معہ چند اونٹوں کے بطور تاوان دینا پڑیں گے۔اس مقابلہ میں عبدالمطلب کا گھوڑا امیہؔ کے گھوڑے سے بازی لے گیا اور نتیجتاً امیہ کو ایک سال تک عبدالمطلب کی سرداری قبول کرنا پڑی۔ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح میں عبداللہؔ بن جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ ایک روز جب یزید نے معاویہ رض کی موجودگی میں ان سے فخر و مباہات کے لہجہ میں گفتگو شروع کی تو عبداللہؔ بن جعفر نے جواب میں کہا کیا تم ہمارے مقابلہ میں اس حرب نامی شخص کا نام لیتے ہو جو ہمارا ماتحت تھا؟ اس امیہؔ پہ فخر کرتے ہو جو ہمارے قبضہ میں تھا اور اس عبدشمس کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہو جس کے ہم کفیل تھے، عبدالمطلب کے بیٹوں کے بارہ میں کلبی لکھتا ہے کہ جس وقت وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے تو تمام لوگوں کی نگاہیں اُن کی طرف اُٹھ جاتی تھیں اسی طرح جب عامر بن مالک انہیں دیکھتا تھا تو بے اختیار کہہ اُٹھتا تھا "ایسے ہی لوگ کعبہ کے محافظ ہوسکتے ہیں۔" یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ان دونوں خاندانوں کے تنازعات عوام الناس میں ضرب المثل بن گئے تھے اور زمانہ جاہلیت ہی سے سیادت وقیادت اور عزت وشرف کے لیے ان میں مخاصمتیں چلی آرہی تھیں ان کا باہمی اختلاف ان کی افتاد طبع، عادات واطوار اور اخلاقی اقدار کے

Marfat.com

کے تضاد کا نتیجہ تھا اور جیسا کہ قدیم اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے بنی ہاشم کے اخلاق و عادات دینی اور مثالی تھے جب کہ بنی اُمیہ کے اخلاق و عادات سراسر دنیوی اور عملی تھے ، اور اگرچہ مورخین نے بعض قدیم معتبر و مستند روایات کو قبول کرنے میں تامل کیا ہے لیکن ان روایات میں شک و شبہ کی اس لیے گنجائش نہیں ہے کہ ان سے دو خاندانوں کے اُن اخلاقی اقدار و روایات کا فرق واضح طور پر معلوم ہوتا ہے جو اسلام سے قبل و بعد دونوں میں پایا جاتا تھا اور حلف الفضول کا واقعہ تو اس کا بیّن ثبوت ہے ۔

حلف الفضول کے مشہور تاریخی واقعہ کو بنو ہاشم لے کر اُٹھے تھے جس میں ان کا ساتھ بنو اسد ، بنو زہرہ اور بنو تیم قبائل نے دیا تھا لیکن بنو اُمیہ اس سے بھی کنارہ کش رہے تھے اور انھوں نے اس میں شرکت گوارا نہیں کی تھی حلف الفضول کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ " میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں حلف الفضول کے موقع پر بذاتِ خود موجود تھا اور اگر آج بھی مجھے اس قسم کے کسی بھی عہد کے لیے بلایا جائے تو میں بخوشی اس میں شرکت کی دعوت کو قبول کر لوں گا اور اس کو توڑنے کی بجائے سو سُرخ اُونٹ چھوڑ دینا گوارا کر دوں گا "

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک یمنی تاجر سامان تجارت لے کر مکہ میں وارد ہوا ، اس کا مال ایک شخص نے خرید لیا مگر نہ اس نے اس کے مال کی قیمت ادا کی اور نہ ہی اس کا مال واپس کرنے پر راضی ہوا وہ شخص ایک بلند مقام پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیخنے اور فریاد کرنے لگا اس ظالمانہ واقعہ سے متاثر ہو کر بنو ہاشم اور ان کے بعض دیگر حلیف قبائل نے باہم عہد کیا کہ آئندہ اگر کسی غریب الدیار آزاد یا غلام کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا گیا اور کسی کا حق مارا گیا تو ہم سب مل کر اس کا حق دلوائیں گے ، اور کسی کو ظلم نہیں کرنے دیں گے ۔ اس کے بعد سب لوگ چاہ زمزم پر آئے اور وہاں سے ایک بڑے برتن میں آبِ زمزم بھر وا کر اپنے گھروں کو بھجوایا تمام ارکان نے پہلے خوب پانی پیا اور

Marfat.com

پھر آپ زمزم سے غسل کیا، بنو اُمیہ نے حلف الفضول کے معاہدہ میں شمولیت کو صرف ایک شخص کے اوپر موقوف رکھ چھوڑا تھا اور وہ تھا عتبہ بن ربیعہ جس کا کہنا یہ تھا کہ اگر قوم کے کسی ایک شخص کا خروج کافی ہو تو میں بنو عبدشمس سے نکل کر حلف الفضول جیسے معاہدہ میں شریک ہو سکتا ہوں۔ غرضکہ زمانہ جاہلیت سے منافرت و عداوت کا یہی وہ خمیر تھا جو بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے رگ و ریشہ میں لیسا چلا آرہا تھا جس کے اثرات مختلف طریقوں سے حضرت عثمان رض کی سیرت تک بھی اگر سرایت کر گئے ہوں تو کیا تعجب ہے چنانچہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ان کا کوئی قول و عمل یا اخلاق زیر بحث آیا ہو اور اس کی تہ میں عداوت و منافرت کا جذبہ لوگوں نے تلاش نہ کر لیا ہو۔ لیکن اسی کے ساتھ اس سے بھی کسی کو بھی مجال انکار نہیں کہ سابقین الاولین میں کوئی شخص بھی فضیلت اسلامی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا یہی وجہ ہے کہ خاندانی عداوت، اور گہری چشمک و رقابت کے باوجود حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے سوا ان میں سے کسی کے ساتھ نبی کے خاندان کے ساتھ کسی کا رشتہ مصاہرت استوار نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خاندان کے تمام افراد اور اسلام کے درمیان جیسے حالات عام طور پر زمانہ قدیم میں تھے جدید زمانہ میں بھی وہ اسی نوعیت کے رہے ان کی منافرت و عداوت گوشت پوست خون یا کسی مخصوص گھرانہ کی عصبیت پر موقوف نہ تھی بلکہ یہ امویوں کی ہاشمیوں سے دیرینہ عداوت تھی اور نہ ہی یہ عداوت عہدِ جاہلیت کی حقیر و بے مایہ اشیاء سے متعلق تھی۔

آپ نے دیکھا کہ بنو عبدشمس کا ایک شخص اگرچہ حلف الفضول میں شرکت کا متمنی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اس کو اپنی قوم کے لیے ایک عجوبہ اور انوکھی بدعت سمجھتا ہے اور اس سے نہ صرف خود کنارہ کش رہنا پسند کرتا ہے بلکہ اس میں اپنی قوم کی شرکت بھی گوارا نہیں کرتا ہے بہرحال اس پس منظر میں اگر

Marfat.com

حالات کا تجزیہ کیا جائے، تو دونوں خاندانوں کے مابین منافرت وعداوت کے اسباب کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے، ایک طرف حلف الفضول میں شرکت کی دعوت ہے جس سے نہ کسی دین و مذہب کی تنقیص ہوتی ہے اور نہ کسی کی عبادت میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی کی عزت و شرف پہ کوئی حرف آتا ہے۔ مگر پھر بھی اس میں شرکت و شمولیت سے گریز و انحراف اور دوسری طرف دعوت محمدی تھی جو ہر بت نہ تار کو پاش پاش، ہر صنم کدہ کو ویران اور ہر عبادت کو کلیتًا تبدیل کر دینے والی ہے، اس سے عبدالمطلب کے گھرانہ کو ایسا مجد و شرف حاصل ہوا جو قریش اور غیر عرب تو کجا آج تک کسی خطہ کا انسان اس مقام عظمت کو نہیں پہنچ سکا، بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مابین نزاعات و اختلافات نے جو شدت اختیار کر لی تھی اور خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر والوں خصوصًا آن کے چچا اور دیگر قریبی رشتہ داروں نے اسلام دشمنی کا جو رویہ اختیار کر رکھا تھا اس کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو اسلام کی طرف سبقت و تقدم کے باوجود گھن لگنے کا سخت اندیشہ تھا مگر انھوں نے جس عزیمت و پامردی اور عزم و حوصلہ سے اسلام کی خاطر تمام صعوبتوں کو برداشت کیا اور تمام خاندانی مزاحمتوں کا مقابلہ کیا اس نے سابقون الاولون میں ان کا مقام بہت بلند کر دیا تھا حکم بن عاص جو ان کا حقیقی چچا تھا ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپئے آزار رہا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا تھا وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتا تھا تو آپ کی رفتار کی نقلیں اتارتا تھا اور اپنی ناک اور منہ سے طرح طرح کے اشارے کرتا تھا۔

روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کو انہی حرکات میں مبتلا پایا تو اس پہ یہی حالت ہمیشہ کے لیے طاری ہو گئی، عبدالرحمٰن بن ثابت نے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے بیٹے مروان کی ہجو میں ذیل کے اشعار کہے ہیں ؎

Marfat.com

ان اللعین اباک فارم عظامہ ان ترم ترم مخلجا مجنونا

ترجمہ : تیرا باپ شیطان ہے تو اپنے باپ کے نقش قدم پر چل۔
اگر تو اس کی پیروی کا خواہاں ہے تو اس پپوٹے مٹکانے والے مجنوں کی پیروی کر۔

یفنی خمیص البطن من عمل التقی ویظل من عمل الخبیث بطینا

ترجمہ : جس کا پیٹ اچھے عمل و کردار سے تو خالی ہے۔ البتہ بداعمالیوں سے ہمیشہ بھرا رہتا ہے۔

یہ شخص اپنے قتل کے خوف سے اگرچہ فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوگیا تھا لیکن نفس کی خباثت اور شرارتوں میں ہنوز مبتلا تھا۔ ایک روز رسول علیہ السلام کے گھر میں جھانک رہا تھا کہ آپ کی نظر پڑ گئی تو آپ نے برجستہ فرمایا اس تڑی چھپکلی سے کون مجھے بچائے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اس کو مدینہ میں نہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اس کو معہ اس کی اولاد کے طائف بھیج دیا گیا اور جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ رہے وہ مدینہ میں داخل نہیں ہوسکا۔ اس قسم کے بد باطن دشمنوں میں عقبہ بن معیط بھی تھا یہ شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھات میں لگا رہتا تھا اور جس وقت آپ سجدہ میں تشریف لے جاتے تھے تو فوراً موقع پا کر بکری کی اوجھڑی آپؐ کی گردن پہ لا کر رکھ دیتا تھا یا اپنا منحوس پاؤں آپ کی گردن مبارک پہ رکھ دیتا تھا۔ بدر کے دن حضور علیہ السلام نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اس شخص نے سجدہ کی حالت میں میری گردن کو اپنے پیر سے اتنا روندا تھا کہ میں گردن نہیں اُٹھا سکا تھا اور خیال تھا کہ غالباً میری آنکھیں باہر نکل آئی ہیں۔" یہ بدر کے ان قیدیوں میں سے ایک تھا جو قبل از ہجرت مسلمانوں کو سخت اذیتیں دینے کی پاداش میں قتل کر دیے گئے تھے، اسی عقبہ کے گھر میں حضرت عثمان رضؓ بھی ایک عرصہ تک مقیم رہے تھے کیونکہ انھوں نے اس کے باپ کے مرنے کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔

Marfat.com

ان دونوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے دیگر عزیز واقارب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بنے رہے اور قدیم خاندانی منافرت کے باعث ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل اسلام نہیں لایا۔ چنانچہ دیگر سابقین الاولین کے مقابلہ میں یہ امر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مجد و شرف میں ایک گونہ اضافہ کا موجب ہے کہ خاندانی عداوت و منافرت اور سخت ترین مزاحمتوں کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بطیب خاطر اسلام کی دولت سرمدی سے سرفراز ہوئے اور یہ تو تاریخی حقیقت ہے کہ جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ کے چچا حکم نے آپ کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا تھا اور سخت اذیتیں دیں تھیں اور قسم کھائی تھی کہ وہ ان کو کسی حال میں بھی نہیں رہا کریں گے اور اس وقت تک اسی حال میں مبتلائے عذاب رکھیں گے جب تک یہ اپنے نئے عقیدہ سے باز نہیں آجائیں گے۔ حضرت عثمان رضؓ نے یہ تمام تکالیف اور اذیتیں اتنے صبر و استقلال سے برداشت کیں کہ آخر کار حکم ان سے قطعًا مایوس ہو گئے اور ان کو رہا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عثمان رضؓ کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ ہے کہ

ایک روز ان کی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو گئی اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے تفصیل سے اسلام کے عقائد و ارکان بیان کیے اور دین حنیف کی سب باتیں شرح و بسط سے بیان کر دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کو غور سے دیکھا اور ان میں خشوع و خضوع کی کیفیت محسوس کی تو فرمایا عثمان بڑے افسوس کی بات ہے خدا کی قسم تم تو بڑے دانا اور زیرک انسان ہو اور حق و باطل کی تمیز رکھتے ہو اور تمہاری قوم ان پتھروں کی پوجا کیوں کرتی ہے جو نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اور نہ ہی کسی کو نفع پہنچانے کے قابل ہیں۔" یہ سُن کر حضرت عثمانؓ

Marfat.com

نے بیاختہ کہا بے شک خدا کی قسم یہ ایسے ہی ہیں۔" حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے حضورؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا "اے عثمانؓ اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر جنت کے مستحق بن جاؤ۔" حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں "جس وقت میں نے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنے تو میں اپنے آپے میں نہیں رہا۔ اور اسی وقت حضورؐ کے سامنے اشہد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ کے کلمات ادا کر کے ایمان لے آیا اور اس کے کچھ دنوں بعد میرا رقیہؓ سے عقد ہو گیا۔"

حضرت عثمانؓ کی ایک خالہ سعدیٰ بنت کریز تھیں جو کہانت کے لیے بہت مشہور تھیں جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے اور حضرت رقیہؓ سے نکاح کے بارہ میں سنا تو حضرت عثمانؓ کو ہر دو امور کی مبارکباد دی اور مندرجہ ذیل اشعار کہے ؂

هدی الله عثمان الصفی بقوله   فارشده والله یهدی الی الحق

ترجمہ: اللہ نے مخلص و پسندیدہ عثمانؓ کو ہدایت بخشی۔
پس اسے سیدھا راستہ دکھا دیا اور اللہ تو حق کی راہ دکھاتا ہی ہے۔

فبایع بالرای السدید محمداً   وکان ابن اروی لایصد عن الحق

عثمانؓ نے بھی اصابت رائے سے کام لے کر محمدؐ کی پیروی کی۔
اور سلیم الطبع انسان سچائی سے کیسے باز رہ سکتا ہے۔

وانکحه المبعوث خیر بناته   فکان کبدر مازج الشمس فی الافق

نبی نے اپنی سب سے اچھی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا ہے۔
وہ چودھویں کا چاند اب سورج کا مد مقابل بن گیا ہے۔

اپنی خالہ کی زبان سے یہ اشعار سُن کر حضرت عثمانؓ بڑے متعجب و مسرور

Marfat.com

ہو کر بولے خالہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو اس پہ ان کی خالہ نے مزید کہا اے عثمان رضؓ خدا نے تم کو حسن وزبان دونوں نعمتوں سے نوازا ہے اور اس نبی کو دین کی دولت دینے والے خدا نے حجت و برہان سے مسلح کر کے اس دنیا میں مبعوث کیا ہے تو تم اس نبی کا اتباع کرو اور بت پرستی کو چھوڑ دو۔ اس پہ انہوں نے اپنی خالہ سے مزید استفسار کرتے ہوئے کہا آپ تو ایسی باتیں بتا رہی ہیں جس کا ذکر ہم نے اس شہر میں کسی اور کی زبانی نہیں سنا آپ ذرا مزید کھل کر بیان کریں اس پہ ان کی خالہ نے کہا محمد بن عبداللہ اللہ کے رسول ہیں جن پہ اللہ کی کتاب نازل ہوئی ہے اور وہ لوگوں کو رجوع الی اللہ کی تعلیم اور دعوت دیتے ہیں۔ ان کی خالہ نے مزید کہا کہ نبی کا روشن کیا ہوا چراغ صحیح معنیٰ ہدایت کا چراغ ہے ان کا لایا ہوا دین فلاح کا ضامن اور ان کا حکم کامیابی و نجات کا ذریعہ ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ اپنی خالہ کی زبانی یہ سب کچھ سن کر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو جستجو اور فکر میں مبتلا دیکھ کر ان کے استفسارات کا ایسا تسلی بخش جواب دیا جس کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہایت مثبت ردِ عمل ظاہر ہوا اور وہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور وہاں جو کچھ پیش آیا وہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کی کاہنہ کے کلام وغیرہ کے بارہ میں جو اور بہت سی روایات مشہور ہیں ہم ان کو ناقابل اعتبار سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی خالہ ایک مشہور کاہنہ تھیں جو ہر وقت معبودانِ باطل کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور ان کے گھر میں بغض و عناد اور جاہلانہ عصبیت پر مبنی مسائل و مباحث کے علاوہ عبادت و زہد کے مسائل زیر بحث آتے رہتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ تیس سال کے لگ بھگ عمر کے ایک ہوشمند انسان نے ان کے سارے خداؤں سے بیزار ہو کر محض ایک بڑھیا کی باتوں پہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا اور ان کے دل میں اس دین جدید یعنی اسلام کے

Marfat.com

بارہ میں از خود کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا تھا بہر حال ہمارے لیے اس غیظ و غضب کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پہ ان کے قریب ترین عزیز و اقارب کے دلوں میں پیدا ہوا تھا حضرت عثمانؓ کے اسلام لانے پہ ان کا غیظ و غضب اتنا ہی شدید تھا جتنا غیظ و غضب ان کی جاہل قوم کا کسی شخص کے مسلمان ہونے پہ عام طور پہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عثمانؓ نے ان میں سے کسی کو اپنے عزائم میں شکست و ناکامی کی صورت میں نہ اپنی حمایت و مدافعت سے کبھی محروم رکھا اور نہ ہی بوقتِ ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اُن کی سعی و سفارش اور معافی دلانے میں دست کشی اختیار کی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایام جاہلیت میں اموی خاندان کے تاریخی پس منظر کے حوالہ سے خواہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقدم اسلام کا تعلق ہو خواہ ان کی خلافت کے بعد پیش آنے والے واقعات و حالات کے اسباب و علل کا تعلق ہو ان سب امور میں اُموی خاندان کی قدیم عصبی روایات اور نسلی شان اور افضلیت کے مزعومہ احساسات کو بھی بڑا دخل رہا ہے جس کے منجملہ دیگر متعدد وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں عام طور پہ غلاموں اور باندیوں کی اولاد کو متبنّیٰ کرنے اور گود لینے کا دستور تھا دوسرے ان کے بیٹے اپنے سوتیلے باپ کی بیویوں سے نکاح بھی کر لیتے تھے اس کے علاوہ غلام بھی اپنے آقا کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ اُن میں سے کسی چیز کو ان کی اس عادت اور رویّہ کا اصل سبب قرار دیا جائے جس نے ان کو یہ منفرد حیثیت بخشی تھی مگر اتنی بات ضرور ہے کہ بنو امیہ من حیث القوم گوشہ گمنامی میں پڑے رہنے اور اپنے کمزور موقف کے باوجود اپنی کمزور حیثیت پہ قناعت کرنے والے لوگ نہیں تھے۔ اس کے باوجود ان کو وہ کبھی قومی عزت و وقار حاصل نہ تھا جو ان کو مطمئن رکھتا۔ یہ لوگ اگرچہ بانجھ اور لاولد بھی نہ تھے لیکن عہد اسلام میں

Marfat.com

کبھی کثیر الاولاد بھی نہیں رہے اور نہ ہی عہد جاہلیت میں اس حیثیت سے کبھی مشہور ہوئے ان کے یہاں ولی عہدی کا سلسلہ بھی اکثر و بیشتر جلد منقطع ہوجاتا تھا اور بالعموم ایک دو نسل سے زیادہ نہیں چلتا تھا۔ جب کہ ان کے ہمعصروں میں ولی عہدی کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہتا تھا۔ آفتاب اسلام طلوع ہونے کے بعد بنو امیہ اور بنو عبدالمطلب میں جذبۂ مفاخرت و مسابقت ختم ہوگیا تھا۔ اس لیے کوئی اموی مسلمان آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ آباؤ اجداد کی طرف سے مفاخرت جتانے کی کوشش نہیں کرتا تھا لیکن بایں ہمہ حضرت عثمانؓ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح راسخ الایمان والعقیدہ ہونے کے باوجود جب کبھی بنو ہاشم کے فضائل و مناقب سنتے تھے تو اموی آباؤ اجداد کے بارہ میں بھی نیک نامی اور شہرت و عزت کے الفاظ سُننے کے خواہش مند رہتے تھے۔ چنانچہ یہ بات پچھلی سطور میں بیان کی جاچکی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ دغفل نسّاب سے عبدالمطلب کے بارہ میں دریافت کیا تھا اور اس کے بعد امیہ کے متعلق دریافت کیا تھا اسی طرح کا ایک واقعہ ابن ابی الحدید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ وہ اپنے عہد خلافت میں لوگوں سے بادشاہوں اور بزرگوں کے بارہ میں سوالات کرنے اور ان کے جوابات سُننے کے خواہش مند رہا کرتے تھے چنانچہ لوگوں نے ان سے ایک شخص کا تذکرہ کیا جو حضرموت کا رہنے والا تھا آپ نے اس کو مدینہ بلوایا اور اس سے دریافت کیا کہ تم نے عبدالمطلب کو دیکھا تھا اُس نے کہا ہاں۔ وہ ایک طویل القامت وجیہہ اور گورا چٹا انسان تھا اور اس کی دونوں ابروئیں باہم ملی ہوئی تھیں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سفیدی تھی اور اس میں خیر و برکت تھی اس کے بعد انہوں نے امیہ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ وہ پستہ قد اور اندھا تھا اور اس کا رنگ گندمی تھا اور وہ نہایت کنجوس شخص تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی زبانی یہ باتیں سُن کر کہا بس کرو اس کے بارہ میں جو کچھ ہم نے سُن رکھا ہے وہی کافی ہے اس کے بعد وہ شخص واپس حضرموت چلا گیا۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کی شخصیت اور نشوونما

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح میں ایسی یکسانیت ہے کہ اس میں کہیں جھول نہیں ہے اسلام لانے سے قبل وہ جن خصوصیات و صفات کے حامل تھے اسلام لانے کے بعد بھی ان کی سیرت میں وہی خصوصیات بدرجہ اتم نمایاں رہیں ان کی سیرت و کردار کے جس پہلو کو دیکھ کر لوگوں کو ابتداءً تعجب ہوتا تھا اس کے اسباب و دواعی معلوم ہو جانے کے بعد لوگوں کا استعجاب جاتا رہتا تھا ان کی پرورش ناز و نعمت میں ہوئی تھی) وہ عام الفیل سے چھ سال قبل طائف میں پیدا ہوئے تھے جو حجاز کا معروف سرسبز و شاداب خطہ تھا، ناز و نعم میں ہونے کے باوجود انہوں نے نہ بچپن میں عیش و عشرت کا بے جا مظاہرہ کیا اور نہ جوانی میں اپنی دولت بے جا کاموں میں اڑائی۔

ان کا مختصر شجرۂ نسب یہ ہے، عثمان بن ابی العاص بن عبد شمس بن عبد مناف ان کے والد مکہ کے مشہور تاجر تھے جن کا تجارتی کاروبار بہت وسیع تھا، ان کا سامانِ تجارت بالعموم شام کی طرف جانے والے بنو امیہ کے کل تجارتی قافلہ کے سامان سے ہمیشہ زیادہ ہی ہوتا تھا اسی نوع کے ایک تجارتی سفر کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان کا انتقال ہو گیا تھا جنہوں نے کثیر دولت چھوڑنے کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو بھی عنفوانِ شباب میں قدم رکھنے سے پہلے کثیر دولت کا تنہا وارث چھوڑا تھا اور اگر بلاذری کی انساب اشراف کی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو عفان کا تعلق حاکت یعنی کپڑا بننے کے پیشہ سے تھا اور اس لحاظ سے وہ کپڑا بننے والے پہلے عرب تھے لیکن اپنے ہاتھوں سے کپڑا بن کر اتنی کثیر دولت جمع کر لینا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے البتہ یہ عین ممکن ہے کہ انہوں نے ابتداءً کپڑا بننے کا کارخانہ لگایا ہو اور پھر تدریجی طور پر اس کے تجارتی کاروبار میں فروغ حاصل ہوا ہو، حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز بنت ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھا

Marfat.com

اور ان کی والدہ کا نام اروی بیضاء بنت عبدالمطلب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں ، اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رض کی خالہ کاہنہ تھیں جو اپنے فن سے بڑا لگاؤ رکھتی تھیں ۔ حضرت عثمان رض کو بھی دینی رجحانات اپنی والدہ کی طرف سے وراثتاً ملے تھے جن کے باعث عبدالمطلب اور اُن کے اخلاف کو شہرت ملی تھی ان کی والدہ نے ان کے والد عفان کے انتقال کے بعد عقبہ بن معیط سے عقد ثانی کر لیا تھا ۔ عقبہ بن معیط کو حضرت عثمان رض کے سلوک و مروّت اور فیاضی و شرافت کی باتیں پسند نہ آتی تھیں اور ابن کثیرؒ کے بقول عقبہ ان امور سے متعلق حضرت عثمان رض کی والدہ سے جھگڑا کیا کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے ایک روز اس سے یہ بھی کہا کہ تیرا بیٹا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرتا ہے یہ سُن کر اُن کی ماں نے بُرا نہیں منایا بلکہ اس کے جواب میں کہا " ہمارا مال اور جانیں تو محمد پہ قربان ہیں ۔" بہرحال حضرت عثمان رض کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ کہ ان کے گھر میں ایک ایسے شخص کا قبضہ ہے جس نے اُن کے مال و متاع پہ نہ صرف بے جا تصرف کر رکھا ہے بلکہ گھر میں ہر وقت تنازعہ کھڑا کرنے پر بھی آمادہ رہتا ہے مگر وہ یہ سب کچھ اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے برداشت کرتے رہتے تھے اور اپنی والدہ کی دل آزاری کے خوف سے سوتیلے باپ کے طرز عمل کے خلاف کبھی حرف شکایت زبان پہ نہیں لاتے تھے حضرت عثمان رض کے اسلام لانے کے متعلق جو کچھ ان کی کاہنہ خالہ نے بیان کیا ہے اس میں اگرچہ بہت کچھ مبالغہ آرائی معلوم ہوتی ہے لیکن اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ طبعاً نہایت نیک نفس ، متدین ، پاک باز اور شریفانہ اطوار و عادات کا نمونہ تھے انہی طبعی صفات کی وجہ سے ان کے قلب میں اسلام کے لیے جو بے پناہ جذبہ بیدار ہوا ہو گا ان کو کشاں کشاں دربارِ رسالت میں لے گیا جس طرح وہ

Marfat.com

طبعی طور پہ حیاء وحجاب کا پیکر تھے جسمانی طور پر بھی حسن وجمال کا مجسمہ تھے، وہ متوسط القامت اور وجیہہ وشکیل انسان تھے ان کی ناک کھڑی اور ستواں تھی اور دونوں رخساروں پہ چیچک کے داغ تھے، جسم کی کھال نرم ونازک تھی اور رنگ گندمی تھا ان کے جسم پہ کثرت سے بال تھے اور کانوں کے لو پہ خاصے گھنے بال تھے، ان کی داڑھی لمبی تھی اور دونوں رخساروں پہ گھنے بال تھے مگر بعض جگہ بہت کم تھے۔

وہ ہلکے پھلکے جسم کے انسان تھے لیکن کمزور وناتواں نہیں تھے بلکہ ان کا جسم گٹھا ہوا تھا اُن کے اعصاب قوی اور ان کے شانے چکلے چوڑے تھے، جہاں تک ان کے اخلاقی فضائل کا تعلق ہے تمام مورخین کا اس پہ اتفاق ہے کہ وہ پاکیزہ سیرت، شیریں مزاج اور اپنے حلقہ احباب میں محبوب وہر دلعزیز تھے قریش کی خواتین جب اپنے بچوں کو جھولا جھلاتی تھیں تو کہتی تھیں میں تجھ سے اسی طرح پیار کرتی ہوں جس طرح رحمان تجھ سے پیار کرتا ہے اور قریش عثمانؓ سے پیار کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے دانتوں پہ سونا چڑھا ہوا تھا، ان کو داڑھی میں خضاب لگانے کا بھی شوق تھا لیکن کبھی کبھی نہیں بھی لگاتے تھے ریاض النضرہ میں طبری عمروؓ بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ عثمانؓ بن عفان نے بتایا کہ میں عورتوں پہ فریفتہ ہونے والا تھا ایک روز جب میں خانہ کعبہ میں چند قریشیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا مجھے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی رقیہؓ کا نکاح عتبہ بن ابولہب کے ساتھ کر دیا ہے۔ رقیہؓ چونکہ صاحب حسن وجمال خاتون تھیں اس لیے مجھے یہ سُن کر بڑی حسرت آئی کہ آخر میں نے اس معاملہ میں سبقت کیوں نہیں کی۔ چنانچہ میں نے فوراً اپنے گھر کا رُخ کیا اور سیدھا اپنی خالہ سعدیہ بنت کریز کے پاس پہنچا جو کہانت کی بڑی ماہر تھیں مجھے دیکھتے ہی کہنے لگیں خوشخبری ہو اور بار بار کی زندگی مبارک ہو وہ آخری شعر کچھ اسی طرح گنگناتی رہیں اور انہوں نے وہ تمام باتیں بیان کر ڈالیں جو کسی دوسری جگہ یہاں بیان کی جا چکی ہیں مجھے چونکہ ابوبکر صدیقؓ

Marfat.com

کے پاس جانا تھا اس لیے خالہ کی باتیں ادھوری چھوڑ کر ابوبکر صدیقؓ کے پاس جا پہنچا اور اُن کے قریب جا کر خاموشی سے بیٹھ گیا اور انہوں نے جب مجھے کچھ فکرمند پایا تو اس کی وجہ دریافت کی میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ بڑے حلیم اور بردبار شخص تھے اس لیے خالہ سے سنی ہوئی باتیں جب میں نے اُن سے بیان کیں تو ابوبکر صدیق کہنے لگے عثمان تم پر افسوس ہے کیونکہ تم بڑے سمجھ دار اور حق و باطل کا پورا شعور رکھتے ہو۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں اتنے ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی تیزی سے وہاں سے گزرے اُن کے ساتھ علیؓ بن ابی طالب بھی تھے جو کپڑا اٹھائے ہوئے تھے، الغرض جب ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آہستہ سے اُن کے کان میں کچھ کہا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے "اے عثمانؓ ایمان قبول کر کے جنت کی طرف بڑھو میں تمہاری اور خدا کی ساری مخلوق کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں۔" حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ ارشاد سُن کر میں آپے میں نہیں رہا اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر اسلام لے آیا، یہی واقعہ بالکل اسی طرح ابن حجر عسقلانی کی کتاب اصابہ میں بھی درج ہے نیز یہ کہ سیّدہ رقیہ کا نکاح بعثت نبوی سے قبل عتبہ بن ابی لہب سے ہو گیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا اگر تو مجھ سے پیدا ہے تو محمدؐ کی بیٹی کو طلاق دے دے باپ کی اس دھمکی پر بیٹے نے عمل کر کے دکھا دیا، حضرت رقیہؓ کی ہنوز رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا یہ واقعہ کہ وہ بقول خود ایام جاہلیت میں عورتوں کے خواہش مند رہا کرتے تھے روایات میں مذکور ہے اور یہ بات بھی مذکورہ روایت کے حوالہ سے معلوم ہوئی ہے ورنہ ان کے کسی معاصر نے ان کے بارہ میں ایسی کوئی عینی شہادت بیان نہیں کی ہے جس سے معلوم ہوتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عورتوں کے

Marfat.com

لیے ایسے جذبات رکھتے تھے حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب صاحب استطاعت لوگ بیک وقت بکثرت شادیاں کیا کرتے تھے اس کے برخلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق باوجودیکہ وہ نہایت خوشحال اور دولت مند تھے ایسی کوئی مصدقہ بات ہم تک نہیں پہنچی ہے جس سے ان کی سیرت کی پاکیزگی کے متعلق شبہ بھی گزرتا ہو عیش وعشرت کی زندگی گزارنے کے باوجود وہ پاکیزہ سیرت و اخلاق کے مالک تھے عمرو بن اُمیہ الضمری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کے کھانے میں شریک تھا۔ دسترخوان پر بہترین پکا ہوا کھانا حریر بھی موجود تھا جس میں بکرے کا گوشت پڑا ہوا تھا اور جس کا سالن مکھن اور دودھ سے تیار کیا گیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دریافت کیا تمہیں یہ کھانا کیسا لگا میں نے جواب دیا میں نے تو آج تک ایسا لذیذ کھانا نہیں کھایا ہے اس پر وہ بولے اللہ عمرؓ بن خطاب پر رحم کرے کبھی تم نے یہ کھانا ان کے ساتھ بھی کھایا ہے میں نے جواب دیا ہاں کھایا ہے، میں تو بمشکل ایک لقمہ ہی اس کا کھا سکا تھا، اس میں نہ گوشت تھا اور نہ دودھ اور نہ مکھن، یہ سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بولے تم نے بالکل سچ کہا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سخت گیر اور صعوبت پسند تھے وہ خود بھی پُر مشقت زندگی گزارنے کے عادی تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے مخاطب سے کہا، خدا کی قسم میں مسلمانوں کا مال ہرگز نہیں کھاتا ہوں البتہ اپنا مال ضرور کھاتا ہوں، اور تمہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال دار اور کامیاب تاجر رہا ہوں اور جو کچھ مجھے مرغوب رہا ہے میں نے ہمیشہ وہی کھایا ہے اور میں اب گو عمر رسیدہ ہو چکا ہوں لیکن عمدہ اور لذیذ کھانے مجھے اب بھی پسند ہیں۔" حضرت عثمان رضؓ کے دورِ خلافت میں ایک روز زیاد بیت المال کا کچھ اثاثہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت وہاں حضرت عثمان رضؓ کے بیٹے بھی آگئے اور انہوں نے چاندی کے کچھ ٹکڑے

Marfat.com

ہاتھ میں اٹھا لیے اور لے کر چل دیے یہ دیکھ کر زیاد رونے لگے حضرت عثمان رض نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن اسی انداز پر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بیت المال کے لیے کچھ اثاثہ لے کر آیا تھا جس انداز میں آپ کے پاس لے کر آتا ہوں ان کا بیٹا بھی اتفاقاً وہاں موجود تھا اور اس نے بھی ایک درہم اٹھا لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے درہم چھین لینے کا حکم دیا تھا اور اس وقت بھی یہ غلام رو پڑا تھا ایک آپ کا بیٹا ہے اس نے جو کچھ لے لیا اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں، یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بولے امیرالمومنین خود کو بھی غلط کام سے روکتے تھے اور دوسروں کو بھی خدا کی رضا کے لیے غلط کام سے باز رکھتے تھے جب کہ میں خود بھی اپنے اہل و عیال کو خدا کی رضا کے لیے دیتا ہوں اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی خدا کی رضا کے لیے دیتا ہوں، تم عمر رض جیسا کسی کو نہیں پاؤ گے تم عمر رض جیسا کسی کو نہیں پاؤ گے، تم عمر رض جیسا کسی کو نہیں پاؤ گے اور پھر آہستہ سے متعدد بار فرمایا اللہ عمر رض پر رحم کرے جو کچھ وہ کر گئے ویسا کرنے کی ہمت کس میں ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاسن و فضائل اخلاق کے بارہ میں سچ بات تو یہ ہے کہ ان میں سختی و شدت بخل و جز رسی اور ترک تعلقات کی بجائے فیاضی و سخاوت رواداری اور حسن سلوک کے علاوہ اعلیٰ ظرفی کے تمام عمدہ اوصاف زیادہ نمایاں تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگرچہ ان کی مرفع الحالی اور آسودگی جوانی سے لے کر بڑھاپے تک قائم رہی مگر مال و دولت کی فراوانی نے کبھی ان کی پاکیزہ سیرت کو داغ دار نہیں ہونے دیا ایک مرتبہ ان میں اور حضرت ابو عبیدہ رض بن الجراح کے درمیان بحث چھڑ گئی تو ابو عبیدہ رض کو ضبط کا یارا نہ رہا اور انہوں نے بے ساختہ کہنا شروع کر دیا کہ میں تم سے تین باتوں میں افضل ہوں، حضرت عثمان رض نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں بیعت کے دن حاضر باش تھا اور تم غیر حاضر تھے دوئم جنگ بدر میں شریک تھا جب کہ تم اس فضیلت سے محروم رہے۔ سوئم

Marfat.com

ہیں جنگ اُحد کے موقع پر ثابت قدم رہا اور تم میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے حضرت عثمان رضؓ یہ سب کچھ خاموشی سے سُنتے رہے اور اُن کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑے اور پھر فرمایا آپ بالکل سچ کہتے ہیں اور پھر ایک اعتراض کا جواب بہت دھیمے انداز اور معذرت کے لہجہ میں دینا شروع کیا، جہاں تک بیعت کے دن میری غیر حاضری کا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے مجھے ایک اہم کام پر مامور فرمایا تھا اور خود آپ نے اپنا ہاتھ میری طرف سے بیعت کے لیے ان الفاظ کے ساتھ بڑھایا تھا کہ لوگو! یہ عثمان رضؓ کا ہاتھ ہے اور کون نہیں جانتا کہ حضور کا دستِ مبارک میرے ہاتھ سے بہتر تھا۔ رہا یوم بدر کے متعلق آپ کا دوسرا اعتراض تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اولاً تو اُس دن خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا نائب بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا اور ظاہر ہے کہ آپ کے حکم سے سرتابی کی جراءت میں کیسے کرسکتا تھا۔ دوئم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ سخت بیمار تھیں جن کی تیمارداری اور خدمت بھی مجھی کو ہی کرنا تھی حتیٰ کہ اسی بیماری کی حالت میں اُن کا انتقال بھی ہو گیا اور مجھے تن تنہا ان کی تکفین و تدفین کے جملہ انتظامات کرنا پڑے، باقی ان کا یہ اعتراض کہ میں جنگ اُحد میں میدان کارزار سے فرار ہو گیا تھا صحیح ہے لیکن اس کے جواب میں میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا یہ گناہ معاف فرما دیا ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کی۔

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلھما الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفی اللہ عنھم ان اللہ غفورٌ حلیم۔

(ترجمہ) "تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے اُن کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ اُن کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگمگا دیے تھے اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بُردبار ہے۔"

Marfat.com

حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی یوم بیعت میں یا یوم بدر میں غیر حاضری قطعاً اختیاری نہ تھی بلکہ یہ بھی نبی کے حکم کی تعمیل اور بجا آوری کے باعث ہی تھی۔ جنگ اُحد میں فرار و انہزام کے مرتکبین میں تنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی نہ تھے اس میں اکثر دلیر و شجاع صحابہ بھی شامل تھے۔ بہر حال یوم اُحد کی ہزیمت و شکست کا دھچکا مسلمانوں کے لیے اگرچہ بہت عظیم اور غیر متوقع تھا لیکن اس میں مسلمانوں کے لیے ہمیشہ کے لیے ایک درس عبرت بھی پنہاں تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو رسول کی حکم عدولی اور اپنی غلطیوں پر سخت ندامت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اضطراب اور قلبی بے چینی کو صبر و قرار سے بدل دیا اور دشمن کی ظاہری فتح کے آثار کو فوری طور پر مٹا کر مسلمانوں کو نیا ولولہ اور حوصلہ عطا کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کفر و اسلام کی معرکہ آرائیوں میں دلیرانہ طور پر حصہ لینے اور میدان کارزار میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تاریخ میں وہ مقام نہ ہو جو بعض دیگر خلفاء کو حاصل رہا ہے اور جن کے مجاہدانہ کارنامے اور اولوالعزمیوں کی داستانیں آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں مگر اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اُن کی سب سے نمایاں خوبی اور فضیلت جس میں وہ بلا شرکت غیرے سب میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں اُن کی بے پناہ فیاضی و سخاوت کا وہ عظیم جذبہ ہے جس نے ان کو بنی اُمیہؓ کے تمام ہمعصر دولت مندوں میں خصوصیت سے نہایت اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے جو اسلام لانے سے قبل اور اسلام لانے کے بعد کسی غرض، مصلحت یا لالچ کے بغیر ایک حبہّ بھی خرچ کرنا نہیں جانتے تھے۔

حضرت عثمانؓ غنی کی سیرت کا یہی سب سے درخشاں اور تابناک پہلو اور ان کے مناقب کا یہی رُخ سب سے نمایاں اور بنیادی ہے دین اسلام نے مومنوں کے قلوب میں غیرت و حمیت دینی کا ایسا شدید اور گہرا جذبہ رچا بسا دیا تھا جس کی مثال تلاش کرنے سے بھی کہیں نہیں ملتی اس کی حفاظت

Marfat.com

صیانت کے لیے ان کا جذبہ قدرتی طور پر بالکل اسی طرح قوی اور ناقابل شکست تھا جس طرح اس کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو دبا دینے اور کچلنے کا عزم ان کے دلوں میں راسخ تھا۔ مسلمانوں میں غیرت دینی اپنی اشرف ترین حقیقت اور اعلیٰ ترین صداقت کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی انہوں نے غیرت دینی جیسے پاک اور مقدس جذبہ کے تحفظ کی خاطر باطل جذبہ کی حمایت کرنے والوں کی مانند نہ کبھی سب و شتم کا حربہ استعمال کیا اور نہ کبھی دوسروں پر لعنت و ملامت کرنے کا سہارا لیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیرت دینی کا شریف جذبہ اپنے فضائل و اقدار کے اعتبار سے مجموعہ ہے شجاعت و بسالت ، رجوع الی اللہ اور صداقت ایمانی کی غیرتوں کا جس کی اعلیٰ ترین خوبی یہ ہے کہ وہ نہ کسی کو کسی کا حق مارنے پر اکساتا ہے نہ کسی کی توہین و تذلیل پر آمادہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی ایسے حق کا دعویٰ کرتا ہے جس سے خود اس کا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ اس غیرت دینی کا تقاضا لوگوں کی نظر میں عزت و خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطمح نظر اوّل و آخر صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اسی لیے ہم ایسی غیرت کو تعمیری و اصلاحی کہہ سکتے ہیں جو کسی بھی لحاظ سے تخریبی نہیں کہلائی جا سکتی! غرضیکہ اس نوع کے فضائل و اقدار کے حصول اور ان کی ترغیبات میں صدیاں گزر گیئں اور جس کا سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے بلکہ جاری و ساری ہے۔ قارئین نے گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اخلاقی اقدار و فضائل کے اعتبار سے حضرت عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت عثمانؓ میں سے لوگ کس کو قابل ترجیح سمجھتے تھے نیز یہ کہ جس کو ترجیح ملتی تھی وہ نہ دوسرے سے بغض و حسد رکھتا تھا اور نہ اس کا مدمقابل احساس شرمندگی سے دوچار ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ لوگ جو اس تعارف و ترجیح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے ان میں نہ ایک بھائی دوسرے بھائی سے شرمندہ اور خجل ہوتا تھا اور نہ ہی ایک دوست کو دوسرے

Marfat.com

دوست سے کوئی شکایت پیدا ہوتی تھی، اسی طرح جس کو سبقت اور فضیلت کا مستحق سمجھا جاتا تھا اس سے انتقام لینے کے متعلق کوئی دوسرا شخص سوچ بھی نہیں سکتا تھا ہاں اس میں جذبہ رشک ضرور پیدا ہوتا تھا اور وہ بھی اس امر کی کوشش کرتا تھا کہ کاش اس میں بھی اسی قسم کے اوصاف پیدا ہو جائیں تاکہ ایک دن وہ بھی اپنے مدمقابل سے بازی لے جا سکے، چنانچہ جب حضرت عثمان غنی رضؓ نے اپنے ہمعصروں پر نظر ڈالی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ اُن میں سے کسی سے بھی میدان جہاد میں اور تلوار کی معرکہ آرائی میں سبقت نہیں لے جا سکتے تو انہوں نے وہ میدان اُن کے لیے خالی کر کے اپنے آپ کو اس میدان کے لیے تیار کیا جس کے لیے وہ قدرت کی طرف سے اہل بنائے گئے تھے انہوں نے خود کو جود و سخا اور فیاضی و سخاوت کا میدان سر کرنے کے قابل تیار کیا، چنانچہ وہ اس میدان میں اسلام کے اولیں دَور سے لے کر آخر دور تک ایسے عزم و استقلال اور حوصلہ مندی سے قائم رہے کہ کبھی اس میں لغزش نہ آنے پائی۔ انہوں نے انتہائی ناسازگار حالات میں یہ جاننے کے باوجود اس وقت مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی جب مکہ سے ہجرت کر جانا اپنے کل مال و متاع اور کاروباری سرمایہ کو داؤں پر لگا دینے کے مترادف تھا، انہوں نے مسلمانوں پر آنے والی ہر مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھا اور اس کے دفعیہ اور تدارک میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی، وہ ہمیشہ مسلمانوں کی فاقہ زدگی اور قحط اور خشک سالی کے اثرات دُور کرنے، اسلحہ کی کمی کو پورا کرنے اور مجاہدین کے لیے ساز و سامان اور رسد و خوراک مہیا کرنے کے لیے سینہ سپر رہتے تھے اگرچہ بعض لوگ دولت و ثروت میں حضرت عثمان رضؓ سے بھی بڑھے ہوئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دولت دُنیا سے بے نیاز رضائے الٰہی کا طلب گار عثمان غنی رضؓ جیسا دل کا غنی اور فدا کار کوئی نہ تھا۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

جود و سخا حضرت عثمان غنی رضؓ کی فطرت کا ایسا فطری جوہر تھا جس کا دربار

Marfat.com

اور تجارتی لین دین میں بھی نمایاں نظر آتا تھا۔ اُن کی کاروباری گفتگو میں بھی اس کی جھلکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زبردست قحط پڑا تو حضرت عثمانؓ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا "شام نہیں ہونے پائے گی کہ اللہ تعالےٰ تمہاری تکلیف دُور فرما دے گا۔" چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص دُور سے بھاگتا ہوا آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگا۔ خوشخبری ہو۔ "حضرت عثمانؓ کے ہزار اونٹ گندم اور دیگر سامان خورد و نوش سے لدے ہوئے شام سے آگئے ہیں۔" اتنے میں غلّہ کے تمام بیوپاری بھی حضرت عثمانؓ کے مکان پر بڑی تعداد میں آموجود ہوئے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حضرت عثمانؓ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو اُن کے کندھے پر ایک رومال پڑا ہوا تھا، گھر سے باہر قدم رکھتے ہی انہوں نے تاجروں سے پوچھا کہئے کیسے آنا ہوا؟ تمام بیوپاریوں اور تاجروں نے بیک زبان ہو کر جواب دیا، ہمیں خبر ملی ہے کہ شام سے آپ کے گندم اور سامان سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ مدینہ پہنچ چکے ہیں، آپ ہمارے ہاتھ ان کو فروخت کر دیں تاکہ ہم مدینہ کے ضرورت مند عوام الناس کو یہ سب سامان بہم پہنچا سکیں، یہ سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئیے تو پھر تشریف رکھیے اور جب تقریباً ایک ہزار بیوپاری صاحبان حضرت عثمانؓ کی بیٹھک میں جمع ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے اُن سے کہا شام سے خریدے ہوئے اس مال پر آپ مجھے کتنا منافع دینا چاہتے ہیں غلّہ کے بیوپاریوں نے جواباً کہا دس کے بارہ دیں گے۔ آپ نے جواب میں کہا مجھے تو زیادہ منافع مل رہا ہے اس پر تاجروں نے کہا دس کے چودہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس سے بھی زیادہ مل رہا ہے تو مدینہ کے تاجر بیک آواز بولے ہم سب مدینہ کے بیوپاری ہیں ہم سے زیادہ اور کون بولی لگا سکتا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

Marfat.com

نے جواب میں کہا ایک درہم کے دس درہم مل رہے ہیں ۔ "کیا آپ لوگ اس سے بھی زیادہ بولی لگا سکتے ہیں ۔ مدینہ کے تاجروں نے بیک آواز کہا "نہیں جناب نہیں ۔" اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا : "اے مدینہ کے تاجرو ! میں تم سب کو گواہ کر کے اعلان کرتا ہوں کہ یہ ایک ہزار اونٹوں پہ لدا ہوا سارا غلہ مدینہ کے غرباء و فقراء پہ فی سبیل اللہ قربان ہے ، اس سے حضرت عثمان رضی اللہ کا اشارہ صاف طور پہ اُس قرآنی آیت کی طرف تھا جس میں خدا نے ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر دینے کا وعدہ فرمایا ہے کوئی احمق و نادان آدمی اس بات کو ہنسی میں اُڑا کر یہ بات بھی کہہ سکتا ہے کہ ابھی دیا دلایا کچھ نہیں اور آخرت میں اجر عظیم کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں ۔ بہر حال جہاں تک تجارتی کاروبار اور لین دین کا تعلق ہے زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ تاجر طبقہ سب سے پہلے اپنے نفع نقصان پہ نظر رکھتا ہے اور اپنے منافع کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس معاملہ میں دوستی و قرابت کو بھی حائل نہیں ہونے دیتا ہے ۔ غرضکہ بیوپار اور تجارت کرنے والوں کا یہ طرز عمل آج سے نہیں ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے حضرت عثمان رضؓ کی تاجرانہ خصلت کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص سے ایک باغ خریدنا چاہا ، باغ کا مالک کچھ زیادہ قیمت طلب کر رہا تھا اور جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لگائی ہوئی قیمت پہ راضی ہو گیا تو حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا جو بائع و خریدار اور قابض و مقبض کی حیثیت میں خوش معاملگی اور دریا دلی کا مظاہرہ کرے گا ، یہ سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قیمت خرید پہ دس ہزار کا مزید اضافہ کر دیا ۔ ان کی اس نوع کی سیر چشمی اور دریا دلی کے واقعات ان کے روزمرہ کے معمولات اور

Marfat.com

زندگی کے عام مشاہدات میں شمار ہوتے تھے۔ دیکھا گیا ہے اگر بعض لوگ کسی مجبوری کے تحت کسی کو کچھ دینے دلانے پر مجبور بھی ہو جاتے ہیں یا بعض حالات میں کچھ مالی نقصان بھی برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے ہمعصروں میں اپنی عزت و آبرو کو کبھی داؤ پر نہیں لگاتے ہیں اور اپنی انا عجیب و خود بینی کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیتے ہیں صاحب صفوت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اپنے نجی کام کے لیے سوئے ہوئے غلام کو کبھی نہیں اٹھاتے تھے البتہ اگر وہ بیدار ہوتے تھے تو اس کو آواز دے کر بلا لیتے تھے حضرت حسن رضؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو مسجد میں سوئے ہوئے دیکھا۔ اس وقت اُن کی چادر ان کے سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی اب جو شخص بھی مسجد میں داخل ہوتا تھا وہ اُن سے اس طرح قریب ہو کر بیٹھتا تھا کہ گویا وہ اُن کا بہت ہی قریبی عزیز یا دوست ہے، اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ ایک شخص دفعتاً سخت ضیق میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے مشکل حالات سے بھی دوچار ہونا پڑ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی حیادار شخص کو کوئی صاحب توقیر انسان کسی بات پر اچانک سختی کے ساتھ ٹوک دے اور وہ شخص اس کا ترکی بہ ترکی ایسا جواب دے جو مخاطب کو ناگوار گزرے لیکن جب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو ندامت کے اظہار میں قطعاً تامل بھی نہ کرے اور فوراً خدا سے معافی مانگ لے۔ اسی قسم کی صورتِ حال ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضؓ اور حضرت عمرو بن عاص کے درمیان پیش آئی حضرت عثمان رضؓ کچھ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ حضرت عمرو رضؓ بن عاص نے خطاب کے دوران کسی بات پر حضرت عثمان رضؓ کو جھڑک دیا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص پر سخت غصہ آیا کہ آخر اس موقع پر اُن کو غیر ضروری طور پر دخل دینے اور خواہ مخواہ فتنہ پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عثمان رضؓ کو مخاطب کر کے جو کچھ کہا تھا اس کے الفاظ یہ تھے " اے عثمان رضؓ تم ان لوگوں کی بدولت خود بھی مشکلات و مصائب میں مبتلا

Marfat.com

ہوتے ہو اور ان سب کو بھی مبتلا کرتے ہو اس لیے تم خود بھی اللہ سے توبہ کرو اور ان لوگوں کو بھی تمہارے ساتھ توبہ کرنی چاہیے۔" یہ سُن کر حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عمرو بن العاص کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا اور کہا اے ابن فالغہ کیا تم دُور سے کھڑے کھڑے باتیں ہی بناتے رہوگے۔" اور اس کے بعد اچانک انہیں کوئی خیال آیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ فوراً بلند کیے اور کہا "میں اللہ رب العزت سے توبہ کرتا ہوں اور پھر یہ الفاظ کہے "میں سب سے پہلے تیری طرف توبہ کے ساتھ رجوع کرتا ہوں۔" غرضیکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت، سماحت و سخاوت رفق و ملاطفت، طبعی حلاوت، رحم و عطوفت، کرم و حیاء مروّت و حُسنِ سلوک اور سیر چشمی و دریا دلی جیسی خوبیوں کا ایسا دلآویز مجموعہ تھی جس کی مثال نہ ہمیں ایّام جاہلیت میں ملتی ہے اور نہ عہد اسلامی کے درخشاں ادوار میں کہیں نظر آتی ہے، ایسی پاکیزہ اور نادر الوجود شخصیت کی خوبیوں کے اظہار کے لیے نہ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہ سختی و درشتی اور شدت و شقاوت قلبی سے بہت بلند تھی اور نہ یہ کہنا کافی ہے کہ وہ فیاضی و سخاوت کا نمونہ تھی اور بس، جمہور مورخین نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہد کے ظاہری وقائع و حوادث کے اسباب و علل سے تفصیلی بحث کی ہے ان مورخین کے نزدیک ان کی طبعی نرمی و کمزوری ماحول سے جلد متاثر ہونے اور سب سے بڑھ کر اپنے چچازاد بھائی مروان بن الحکم کے کہنے سُننے پہ عملدرآمد کے الزام کو قبول و تسلیم کر لینا بظاہر تو بہت آسان ہے مگر دراصل ایسا نہیں ہے ــــــــــ جو شخص اس حقیقت سے باخبر ہے کہ سماحت و سخاوت بجائے خود ایک ایسی فطری قوت ہے جس کو ضعیف طبیعت کبھی قبول ہی نہیں کر سکتی اسی طرح جو شخص حضرت عثمان رضؓ کی پوری سیرت پہ گہری نظر رکھتا ہے اور اس کی نظر صرف ان کے ان اعمال پہ ہی نہیں رہتی ہے جن میں ان سے کسی قسم کی کمزوری یا تردد کا اظہار ہوا ہے وہ کبھی بھی ان کے متعلق ضعیف طبیعت کے الزام کو قبول نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

ان کی سیرت کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں ان کی قوت نفس اور اخلاق کی مضبوطی کا اظہار نہ ہوا ہو انہوں نے ہمیشہ ایسے عزم و ثبات کا مظاہرہ کیا ہے جو کبھی خوف وخطر کو نگاہ میں نہیں لاتا۔ ہمیں ان کی سیرت کا مطالعہ کرتے وقت ان کے اُن تمام ادوار کو ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہیے جن میں وہ آغاز اسلام سے اختتام زندگی تک گھرے رہے ان کا اسلام قبول کرنا ہی بجائے خود ان کے اہل خاندان کے لیے ایک زبردست چیلنج تھا جس میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو اسلام کے کھلم کھلا دشمن تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو مصلحتاً یا شعوریت سے بظاہر تو خاموش تھے مگر دل سے اسلام کے سخت خلاف اور مسلمانوں کے حد درجہ بدخواہ تھے۔ حضرت عثمان رض کو ابتدائے خلافت میں بعض ایسے حادثات کا سامنا کرنا پڑا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کبھی پیش نہیں آئے تھے، مثلاً فوجوں کی ہزیمت و شکست، سقوط روم، مفتوحہ اسلامی علاقوں پہ دشمنوں کی یلغار۔ لیکن اس کے ساتھ بعض ایسے امور بھی قارئین کی نظر کے سامنے آتے ہیں جن میں خود ان کی بصیرت اور مفید ہدایات سے نہایت عمدہ نتائج برآمد ہوئے اور جن میں مروان بن الحکم کی رائے اور مشورہ کو ہرگز کوئی دخل نہ تھا۔ مثلاً ان کے عہد میں زبردست بحری بیڑے کی تیاری جس میں تمام جہازیوں اور لشکریوں نے پورے جوش و خروش سے حصہ لیا لہٰذا ایسے نازک حالات میں ایک ایسے شخص کو جو ہر طرف سے پرخطر حالات میں گھرا ہوا ہو مطعون ٹھہرانا اور کمزور قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے، ہمارے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کے تمام پہلو اور اُس زمانہ کے جملہ حوادث و واقعات بیک نگاہ واضح اور آشکارا نہیں ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایسے واضح اور بلند مقام پہ نہیں کھڑے ہیں جہاں سے بیک نظر وہ قریب و بعید نشیب و فراز یعنی ہر جگہ اور ہر طرف سے دیکھنے والے کو صاف طور پہ نظر آجائیں۔ دنیا میں بعض لوگ اپنی راہ میں خود کانٹے بوتے ہیں اور اپنے

Marfat.com

لیے نت نئی مشکلات پیدا کرتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص ان کی غلط روش پہ ان کو ٹوکے یا نصیحت کرے یا کم از کم ان کی دشواریوں کے ازالہ کی کوئی سبیل نکالے اور جب اس انداز فکر کے نتیجہ میں معارضین و مخالفین کی کثرت ہو جاتی ہے اور ان کے احباب و معاونین کی تعداد کم ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اور بھی زیادہ اپنے طریق فکر پر جم جاتے ہیں بہرحال حضرت عثمان غنی رضؓ ایسے لوگوں کے زمرہ میں داخل نہ تھے۔ اسی طرح بعض لوگ خواہ تابع ہوں خواہ متبوع ہر دو صورتوں میں عزم و ارادہ سے بالکل عاری ہوتے ہیں، ایسے لوگوں میں اگر عزم و ثبات ہوتا بھی ہے تو وہ صرف خطرہ کے رفع ہونے تک قائم رہتا ہے اور خطرہ ٹل جانے کی صورت میں اپنا عزم و ارادہ بھی چھوڑ دیتے ہیں دراصل یہ سب کچھ اُن کی طبعی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کو مشکلات میں ثابت قدم نہیں رہنے دیتی۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں میں سے بھی نہ تھے وہ نہ جانتے بوجھتے اپنے آپ کو مصائب میں ڈالنے والے تھے اور نہ ہی مشکلات کے وقت وہ عزم و استقلال سے محروم ہو کر اپنے آپ کو عاجز و مغلوب پاتے تھے وہ سخت ترین حالات میں بھی اقتحام و انقیاد کی راہ یعنی اعتدال کا طریقہ اختیار کیے رہتے تھے وہ اپنی مرضی اور خوشی کے لیے اطاعت و انقیاد سے بھی گریز نہیں کرتے تھے بشرطیکہ اُن کا مطاع اُن کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہو۔ اطاعت و انقیاد کے سوال پہ لوگ ہمیشہ مختلف الخیال رہے ہیں۔ بعض لوگ فطری طور پہ دوسروں کی بخوشی اطاعت قبول کر لیتے ہیں جب کہ بعض لوگ صرف اُنہی لوگوں کی اطاعت و غلبہ کو تسلیم کرتے ہیں جو اُن سے مرتبہ اسٹیٹس میں بلند ہوتے ہیں، ایسے لوگ اپنے ہم مرتبہ اور کمتر لوگوں کی اطاعت کبھی قبول نہیں کرتے ہیں، برخلاف اس کے بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ہم مرتبہ اور کمتر لوگوں کی اطاعت تو گوارہ کر لیتے ہیں مگر اپنے سے بڑوں

Marfat.com

رئیسوں اور سرداروں کی اطاعت قبول کرتے ہیں اور نہ ان کی کسی بات کو تسلیم کرتے ہیں، جو لوگ بطیب خاطر اپنے سے بڑے مرتبہ والوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں اس کی وجہ دراصل ان کا وہ طبعی رجحان و میلان ہوتا ہے جو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ رئیس و مرؤس، راعی و رعایا اور حاکم و محکوم کے درمیان پایا جاتا ہے اس نوع کی اطاعت وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں حکومت و ریاست میں کوئی مراعات یا حق حاصل نہیں ہوتا اور اُن کو کم از کم ایک خاص وقت تک اس مرتبہ کے حصول کی قطعًا کوئی امید نہیں ہوتی۔ ان میں سے ہر شخص اسی اُمید میں اپنی زندگی گزار دیتا ہے کہ شاید ایک دن وہ بھی بڑا آدمی بنے گا یا اگر وہ عزت و شرف سے محروم ہے تو ہمیشہ اس آس پہ جیئے گا کہ ایک دن اس کو بھی معاشرہ میں عزت ملے گی اور وہ بھی عظمت کی بلندی پہ پہنچے گا جیسا کہ بعض رؤساء کے ورثاء اور دیگر متعلقین کی زندگی کے حالات اکثر مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ جو خوشدلی سے اپنے ہم عصر و ہم مرتبہ یا کمتر لوگوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں اور ان کی رائے تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اطمینان رہتا ہے کہ ان کی اطاعت و انقیاد کے اعتبار سے لوگوں میں مشہور و معروف ہو یا کم از کم اپنے ہمعصروں میں مساوی المرتبہ اور ہم پلہ ہو۔ حضرت عثمان غنی رضؓ دین اسلام کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وساطت اور سعی و کوشش سے راغب ہوئے، حالانکہ عرف عام نیز دنیاوی جاہ و ثروت کے اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ اُن کی مخالفت پہ پوری طرح قدرت رکھتے تھے، اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو اُمیہ سے تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنی تیم سے تھے۔ جو حضرت عثمان رضؓ کو توحید و رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بُلا رہے تھے اور اس ادعا کے ساتھ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے

Marfat.com

کر یا تو وہ اس کو قبول کر کے ان کے ہمرکاب بن جائیں اور جنت و رضائے الٰہی کے مستحق بن جائیں یا اس کو رد کر کے خود اپنے عمل کے ذمہ دار بنیں اس لیے کہ اس بارہ میں اُن کا اُن پر کوئی زور نہ تھا اور نہ غلبہ، اسی طرح اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مروان بن الحکم کی بات توجہ سے سنتے تھے تو اس کا مطلب بھی اس کے سوا ہرگز کچھ نہ تھا کہ وہ ان کے سیکرٹری تھے اور معتبر و معتمد علیہ تھے اور حضرت عثمان رضؓ کے ماتحت ہونے کے باوجود مروان بن الحکم کو اپنی اصابت رائے اور مفید مشوروں پر اتنا بھرپور وثوق واعتماد تھا کہ حضرت عثمان رضؓ ان کے مشوروں کو نظر انداز کرنے میں اپنی توہین محسوس نہیں کرتے تھے اس سے بھی ان کے وسعت قلب اور رواداری کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ بعض لوگ اپنے ہم عصر ذی وجاہت سرداروں سے حسد و بغض کی وجہ سے بالعموم اچھے تعلقات قائم کرنے سے گریزاں رہتے ہیں اور ان کی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور اسی طرح وہ اپنے ماتحتوں کو بھی نگاہ میں نہیں لاتے ہیں اور ان کے مشوروں کو قبول کرنے میں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ دراصل وہ ہیں جو سماحت قلب اور فراخی نظر سے محروم ہوتے ہیں۔

سب سے بڑی دلیل جو حضرت عثمان رضؓ کے ضعیف الارادہ ہونے اور مروان بن الحکم کے تابع فرمان ہونے کے حوالہ سے پیش کی جاتی ہے وہ اس حکایت پر مبنی ہے جو حضرت ابن عباس رضؓ جیسے ثقہ انسان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد کو حضرت عثمان رضؓ کے بارہ میں کبھی بُرا بھلا کہتے نہیں سُنا ہے اور میں نے خود بھی کبھی اس بارہ میں اُن سے کچھ پوچھنے کی جراءت نہیں کی کہ مبادا میرا دریافت کرنا اُن کو پسند نہ آئے، بہر حال ایک دن میں اور میرے والد کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے بتایا کہ امیر المومنین یعنی حضرت عثمان غنی دروازہ پر کھڑے ہیں والد صاحب نے کہا انہیں اندر بلا لو جب وہ اندر تشریف لائے تو ان کو نہایت

Marfat.com

عزت واحترام سے بٹھایا اور کھانے میں شریک کیا سب لوگ تو کھانے سے فارغ ہو کر چلے گئے مگر میں وہاں موجود رہا اسی دوران حضرت عثمان رض نے حمد وثنا کے بعد کہا ماموں جان! میں آپ کے پاس آپ کے بھتیجے علی کے بارہ میں معذرت کے ساتھ کچھ کہنے آیا ہوں" انہوں نے مجھے بہت بُرا بھلا کہا ہے اور مجھے ہر جگہ مطعون و بدنام کیا ہے انہوں نے مجھ سے رشتہ داری اور قرابت بھی ختم کر دی ہے اور دین کے بارہ میں بھی مجھے مطعون کیا ہے اے بنو عبد المطلب! میں تم لوگوں سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اگر واقعی تمہارے خیال میں تمہارا کوئی ایسا حق تھا جس پر تم قابض تھے تو تم اس کو میرے حوالہ کر چکے ہو میں قرابت کے اعتبار سے بھی تم لوگوں سے اس سے زیادہ قریب ہوں اور میں نے بجز علی کے کسی کو بُرا بھلا نہیں کہا ہے اور اگرچہ مجھے اُن پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اُکسایا بھی گیا ہے مگر میں نے اُن کو خدا کے لیے قرابت کے خیال سے چھوڑ دیا ہے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر انہوں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا تو شاید میں بھی انہیں نہ چھوڑ دوں"

حضرت ابن عباس رض کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رض کی اس تقریر کے بعد اُن کے والد نے خدا کی حمد وثنا بیان کی اور بولے" اے میرے بھانجے! اگر تم اپنے نفس کی خاطر علی رض کی تعریف نہیں کر سکتے تو میں علی رض کی خاطر تمہاری تعریف کروں گا اور تمہارے بارہ میں کہنے والے صرف علی رض ہی تنہا نہیں ہیں اور بھی لوگ ہیں اگر تم اپنی خاطر لوگوں کے پیچھے پڑے ہو تو لوگ بھی اپنی خاطر تمہارے پیچھے پڑے ہیں اس معاملہ میں اگر تم اپنی سطح سے نیچے اُتر آئے ہو تو وہ بھی اپنی حد سے یقیناً آگے بڑھ گئے ہیں۔ کچھ تم نے لوگوں کے حقوق میں قطع برید کی ہے اور کچھ لوگوں نے بھی تمہارے بارہ میں زیادتی کی ہے۔ اس لیے کوئی مستثنا نقطہ نہیں ہے!" اس پر حضرت عثمان غنی رض نے جواباً کہا ماموں جان! یہ بات میں نے آپ تک پہنچا دی ہے اب آپ ہی میرے اور ان کے درمیان حکم ہیں والد صاحب نے ان سے دریافت کیا تو کیا میں اُن لوگوں سے اس کا ذکر کر دوں؟

Marfat.com

حضرت عثمانؓ نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور واپس چلے گئے ابھی تھوڑی دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ پھر معلوم ہوا کہ امیر المومنین دروازہ پہ کھڑے ہیں۔ والد صاحب نے سُن کر کہا، ان کو اندر آنے دو۔ حضرت عثمان رضؓ اندر تشریف لائے اور بغیر بیٹھے ہی آکر کہنے لگے ماموں جان "جب تک میں نہ کہوں آپ ان سے اس کا تذکرہ نہ کریں۔" لیکن جب ہم نے نظر اُٹھا کر غور سے دیکھا تو مروان بن الحکم کو دروازہ پر ان کا منتظر پایا۔ دراصل یہی وہ شخص تھا جس نے خلیفہ کو پہلی رائے تبدیل کرنے پہ مجبور کیا تھا اس کے بعد میرے والد نے میری طرف خطاب کرتے ہوئے کہا بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے عثمان رضؓ کو کوئی مشکل درپیش ہے جب ہم اس واقعہ کا سرسری جائزہ لیتے ہیں تو بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ مروان بن الحکم کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے اور وہ جیسا چاہتا تھا ان سے کام لیتا تھا اور جب چاہتا تھا ان کی رائے اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرا لیتا تھا۔

لیکن اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کا تصور اُبھرتے ہی ہمارے ذہن میں لازماً یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا مروان کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا با اثر شخص تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قسم کا فعل اپنی مرضی سے سرزد کرا سکتا تھا کیونکہ جو آدمی با آسانی اتنا مطیع و مغلوب ہو جاتا ہو اس پہ تو با آسانی ہر با اثر شخصیت قابو پا سکتی اور اپنی بات منوا سکتی ہے، خصوصاً اہل حرم اور دیگر اہل خانہ کے لیے تو اس قسم کے آدمی سے کوئی کام لینا کچھ مشکل ہی نہیں ہوتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے اہل خانہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اُن کو مروان بن الحکم کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے لیکن وہ اس سلسلہ میں ان میں سے کسی کی بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے، انہی میں ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ بھی تھیں، اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہر دور میں صاحبان شوکت و حشمت پہ ہمیشہ ان کی حرم کا بڑا غلبہ اور دبدبہ رہا ہے اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہر کمزور دل

Marfat.com

طبع انسان ہر اس شخص کا لازماً زیادہ اثر قبول کرتا اور اس کی بات کو اہمیت دیتا ہے جو اس کے قریب ترین رہتا ہے اور شب و روز کا اس کا ہم نشین ہوتا ہے کسی کا اثر قبول کرنے اور اطاعت کا جذبہ قطعاً اختیاری ہوتا ہے اور انسان صرف اسی شخصیت کا اثر قبول کرتا اور اس پہ اعتماد کرتا ہے جس کی اس کی نگاہ میں قدر و منزلت حضرت عثمان رضؓ اور مروان بن الحکم کے مابین تعلقات کی نوعیت بھی کچھ اسی قسم کی تھی ـــــ جس کو بآسانی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے آج کے مورخین خواہ کچھ بھی سمجھتے ہوں اور ان کے ہم عصر ناقدین ان کے بارہ میں خواہ کتنی ہی مختلف رائے رکھتے ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ مروان بن الحکم خلیفہ سوم حضرت عثمان رضؓ کے نزدیک نہایت ثقہ، صاحب الرائے، قابل اعتماد اور ذہین و فطین شخصیت کے مالک تھے آج یقیناً اس سوال کا ہمارے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے کہ کیا مروان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بطور ناظم الامور یا پرائیویٹ سیکرٹری کے اسی طرح دلسوزی، لگن اور ہمدردی کے ساتھ اہم امور انجام دے سکتا ـــــ جس طرح کوئی اپنا ذاتی کام انجام دیتا ہے ہم اس دور کے ایسے لوگوں سے ناواقف نہیں ہیں جو اس نوع کے کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکتے تھے مگر پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کون ایسا تھا جو مروان بن کر حقیقی معنی میں حضرت عثمان رضؓ کو ان کی مہمات سے مستغنی و بے نیاز کر دیتا۔ خلیفہ کے احکام کی تحریر و کتابت کے لیے بھی مروان ہی کو سب سے افضل اور لائق قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اس سے بہتر اور لائق افراد بھی اس دور میں موجود تھے لیکن جس نظم و ضبط، لگن و دلسوزی ہم آہنگی اور انضباط کی اس کام کے لیے ضرورت تھی اس کام کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مروان جیسے اہل اور لائق و معتمد شخص ہی سب سے زیادہ مناسب و مفید تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مروان بن الحکم

Marfat.com

سے جس قسم کی ہمدردی، خلوص و لگن کے ساتھ امور و مہمات خلافت کو نمٹانے کی توقعات ہو سکتی تھیں وہ کسی اور شخص سے نہیں ہو سکتی تھیں۔

وہ اس مقصد کے لیے بنو عبدالمطلب کے خاندان میں سے بھی کسی کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ ان میں سے اُن کو کسی سے اُمید نہیں تھی یہی وجہ تھی جو اُن کو کشاں کشاں عبداللہؓ بن عباس کے پاس لے گئی تھی اور وہاں پہنچ کر انہوں نے حضرت علی رضؓ کے متعلق شکوے اور شکایات کی تھیں حضرت عثمان رضؓ کے خیال میں بنو عبدالمطلب کا پورا خانوادہ اُن پر غلبہ پانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ بہرحال اپنی وجوہ سے حضرت عثمان ان میں سے کسی کو منصب وزارت خصوصاً احکام کی کتابت و تحریر پر مقرر نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اس منصب کی ذمہ داری اُس دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ جو مروان کی خصوصیات میں شامل تھیں ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ حضرت عثمان مروان بن الحکم کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے یا اس کی ہر جائز و ناجائز بات تسلیم کر لیتے تھے، حضرت عثمان رضؓ نے مروان بن الحکم کو ترجیحی طور پر صرف اس لیے پسند کیا تھا کہ اُن کے ذاتی شعور نے اُن کے اندر مروان اور غیر مروان میں تمیز کرنے کی صحیح قوت و صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مروان یا غیر مروان کے مشورہ پر اطاعت و اتباع ہرگز اس قسم کا نہ تھا جس کو سراسر معیوب سمجھا جا سکتا ہو یا یکسر مستحسن، دراصل اُن کی اطاعت اس اطاعت شعار شخص کی سی تھی جو یہ بھی نہیں جانتا کہ کس بارہ میں اطاعت درکار و مطلوب ہے، لیکن ان کے اس عمل سے اس قسم کی سخت ترین حیرت ضرور ہوتی ہے جو ان دو سالکوں کو پیش آتی ہے جن میں اگر ایک بھی راستہ سے بھٹک جائے تو دوسرا بھی محفوظ و مامون نہیں رہتا بہرحال ہم پھر بھی یہی کہیں گے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت قوت و ضعف کے عناصر سے خالی نہ ہونے کے باوجود یکساں اور مساوی نوعیت کی

Marfat.com

شخصیت تھی اور ان کی شخصیت و سیرت سے متعلق ان کے اعمال و کیفیات میں جن پر خانگی حالات اور عقیدہ کی گہری چھاپ تھی کہیں جھول اور تناقض نہ تھا۔ خانگی احوال و کوائف کے علاوہ جن چیزوں نے ان کی شخصیت کو متاثر کیا تھا ان میں اموی ہونے کی نسبت سے خاندان بنو عبد المطلب سے ایک گونہ تعلق بچپن سے جوانی کے دور تک ایسے گھر میں پرورش و پرداخت جس میں حقیقی باپ کے سوا کسی اور شخص کا عمل دخل تھا، نیز عہد شباب میں چیچک جیسی بیماری کا لاحق ہونا جو علم النفس کے ماہرین کے خیال میں مریض کے جسم و ذہن میں بُرے اثرات چھوڑ جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ شامل تھیں جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے اس کا اثر بھی یقیناً سیرت و کردار پر پڑتا ہے اس لیے انسانی شخصیت کے اخلاقی جوہروں کی تشخیص کے لیے ضروری ہے کہ سیرت کے فضائل و رذائل کی جانچ پڑتال ٹھیک اس طرح کی جائے کہ اخلاق حسنہ اخلاق رذیلہ سے کلیتاً ممتاز نظر آئیں، اس نوع کی جانچ پڑتال موجودہ زمانہ میں اور بھی ضروری ہے کیونکہ فضائل و اقدار اور اُن کے اسباب کی معرفت و شناخت میں بکثرت اختلاط و اشتباہات پیدا ہونے لگے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض ناقص العقل اور کم ہمت لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر کہنے لگے ہیں کہ وہ شجاعت و سخاوت میں مسلمانوں سے کمتر ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ بھی ان لوگوں کی طرح یوم آخرت میں کئی گنا ثواب اور اجر کے قائل و منتظر ہوتے تو وہ بھی جود و سخا میں زبردست کارنامے انجام دے سکتے تھے لیکن یہ دراصل اُن کی بھول اور ان کی عقل کا فریب ہے اور ان کی طبائع کا واہمہ اور مغالطہ ہے ان لوگوں کو بھی جزاء بعد الموت کا کسی نہ کسی درجہ میں یقین ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ بخل کو چھوڑا ہے اور نہ بزدلی کو خیرباد کہا ہے اور نہ انہوں نے ان سے بھی بدتر برائیوں مثلاً لوٹ مار، قتل و غارت گری اور دوسروں کی عزت و آبرو دست درازی سے اجتناب کیا ہے غرضیکہ جزاء بعد الموت کا انتظار، اخلاق کی قدر و قیمت

Marfat.com

کو کسی طرح باطل نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اس سے بہادر بزدل اور سخی بخیل بنتا ہے۔
ہم نے اپنی کتاب ابوالشہداء میں تحریر کیا ہے کہ اس قسم کی باتیں اُن لوگوں کی ہوتی ہیں جو اس امر کے قائل ہیں کہ وہ قلبی راحت و فرحت جس نے امام حسینؓ کے انصار و معاونین کو ان کی طرف راغب و مائل کر دیا تھا ان کے اس ایمانی جذبہ کے سبب تھا جو دل میں یہ اعتقاد پیدا کرتا ہے کہ امام حسین کی نصرت و معیت میں موت کا آجانا فوراً ہی جنت میں چلا جانا ہے غرضکہ ایسے لوگ جو مذکورہ بالا نظریہ کے قائل ہوتے ہیں وہ فقط منفعت ہی کو انسان کے تمام افعال و اعمال کا سبب گردانتے ہیں یہاں تک کہ عقیدہ و ایمان کے تقاضے سے انسان جو کچھ کرتا ہے وہ بھی ایسے لوگوں کے نزدیک ذاتی نفع اور فائدہ کی خاطر ہی کرتا ہے مگر یہ لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ فقط منفعت کے خیال سے ہی بنی نوع انسان کے دل میں دوسرے فرد کی خدمت و ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ انسانی طبائع کا وہ فطری میلان و رحجان ہے جو کسی فائدہ اور معاوضہ کے خیال کے بغیر دوسرے شخص کی امداد و اعانت کا جذبہ دل میں اُبھارتا ہے اور یہ لوگ شاید یہ بات بھی بھول گئے ہیں کہ یزید کے انصار و معاونین بھی جنت کی نعمتوں کو ناپسند نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ ان کے منکر تھے لیکن پھر بھی وہ امام حسین علیہ السلام کے انصار و معاونین کی طرح ان کے خواہش مند اور طلبگار کیوں نہیں ہوئے؟ اس کی دو وجوہ ہیں اوّلاً یہ کہ انہوں نے جنت کی نعمتیں اس لیے طلب نہیں کیں کہ وہ ایک اور گمراہی کا شکار ہو گئے تھے دوسرے یہ کہ ان کے ایمان میں عزیمت و پختگی ناپید اور عقیدہ دینی میں فخر و افتخار کا جذبہ مفقود تھا۔ اُن میں وہ اخلاقی جرائت اور طبعی قوت بھی نہ تھی جو انسان کو موت کے خوف سے نجات دلا کر بے خوف اور نڈر بنا دیتی ہے اور چند روز زندگی کے عیش و کامرانی کے خیال کو ہیچ قرار دے کر ٹھکرا دیتی ہے۔ اگر لوگوں کی طبیعتوں میں یہ فرق و اختلاف نہ پایا جاتا تو تمام لوگ جنت کی نعمتوں اور آسائشوں سے ایک ہی طرح کا شغف و شوق رکھتے

Marfat.com

ہونے ۔ اور ان پر مرمٹنے اور ان سے فرحت و نشاط حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ اپناتے محض اپنے فائدہ پر نظر رکھنے والوں اور دوسروں کی مدد کر کے قلبی راحت وسکون حاصل کرنے والوں کے درمیان جو فرق ہے وہ دو طرح کی طبائع سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے ۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی شجاعت و بہادری میں نہایت ممتاز ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو اپنی سخاوت و فیاضی میں بے نظیر ہے ، دونوں کو کسی ایک خصوصیت یا صفت میں یکساں فضیلت و امتیاز حاصل نہیں ہے اور یہ دونوں ثواب پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن دونوں طبائع کا بیّن فرق وہاں واضح ہوتا ہے جہاں ان میں سے ایک شخص تو مثل الاعلیٰ کی منزل و مقام پر پہنچنا چاہتا ہے اور اس سے کم پر قناعت نہیں کرتا ہے جب کہ دوسرا شخص جزاء کے طور پر صرف اتنا چاہتا ہے کہ اُسے صرف خدا تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے نجات مل جائے ۔ انسانی طبائع کا یہی فرق مسلمانوں کے ان دو فرقوں کا فرق سمجھ لیجیے جو ایک دوسرے کے خلاف اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں مصروف ہیں ۔ حالانکہ دونوں ہی اُخروی جزاء و سزا کے قائل ہیں اور علام الغیوب کی بابت یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان کی نیتوں سے بھی واقف و باخبر ہے ۔

بہرحال حضرت عثمان رضؓ کا دینی عقیدہ نہ اُن کی سماحت و سخاوت کو باطل و ضائع کرتا ہے اور نہ ہی کسی طرح اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کو کم کرتا ہے ان کے جود و سخا کا یہ جذبہ ان کی فضیلت کے معیار کو قائم رکھنے میں ہمیشہ ممد و معاون رہا ہے اور اس میں کسی دَور اور کسی حالت میں بھی کسی طرح کی کمی نہیں آئی ہے ۔ حضرت عثمان رضؓ کے گھرانہ میں ایسے لوگ شامل تھے جو عقیدہ کے اعتبار سے ان سے مختلف عقیدہ رکھتے تھے ۔ ان کے فرسودہ عقائد اور اسلام کے مابین سب سے بڑے حجابات میں ان کی عقلی کم مائیگی جہالت اور بصیرت و شعور کی کمی کے گہرے اثرات شامل تھے اور یہی چیزیں کسی قوم میں اخلاقی عیوب اور رذائل کو جنم دیتی ہیں ۔

Marfat.com

نے پھر کہا کیا عمرؓ کو بلوا لوں اس پر بھی آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس کے بعد اپنے غلام کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور اس سے آہستہ سے کچھ کہا - ابھی غلام گھر سے نکلا ہی تھا کہ حضرت عثمانؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی - ان کو اجازت دی گئی - اور جب وہ اندر تشریف لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دیر تک سرگوشی فرماتے رہے - یوں تو راویوں نے حضرت عثمانؓ سے منسوب بہت سے امثال و اشعار بھی نقل کیے ہیں لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں اس انداز کے خطوط ضرور لکھے ہیں جنہیں مروان کی طرف منسوب کرنے کو ہمارا دل قطعاً قبول نہیں کرتا ہے - وہ اپنے عمال و حکام کو جس نوعیت کے تحریری احکام بھیجتے تھے ان میں سے چند خطوط کے اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں -

"لوگوں کی دشمنی و عداوت اور اپنے مصائب کے خاتمہ کے لیے صبر (1) اور نماز (2) سے مدد لو -" "حکم الٰہی کے قیام کا اہتمام کرتے رہو اور اس میں تساہلی کو کام میں نہ لاؤ اور اپنے کاموں میں عجلت سے کام نہ لیا کرو -" "تھوڑے اور آسان ترین شر پر راضی ہو جاؤ -" "کیونکہ شر تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے -" "یاد رکھو جس نے دلوں میں اُلفت و محبت پیدا کر دی ہے وہی دلوں میں تفرقہ پیدا کر کے ایک کو دوسرے سے جُدا بھی کر دیتا ہے -" "اس قوم کی سیرت اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کی جویا ہے -" "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کر کے اپنی طاعت پر جمع کر دیا -" "لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم -" (اگر تم روئے زمین کی دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت و محبت پیدا نہیں کر سکتے تھے) کسی پر حد جاری کرنے میں اس کے اقبال کرنے سے پہلے جلدی نہ کرو -"

قرآن مجید میں ہے - "لست علیھم بمصیطر الا من تولیٰ وکفر" اے محمد تم لوگوں پر داروغہ اور نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو مگر جس نے روگردانی کی

Marfat.com

کفر کیا۔" جس نے کفر کیا ہم نے اس کا علاج بھی اسی طریقہ پہ کر دیا اور جو جماعت
سے کٹ گیا اس کے ساتھ بھی انصاف کیا اور اس کو بخشش سے محروم نہیں رکھا۔
کہ اتمام حجت ہو جائے اور اس کو کوئی عذر نہ باقی رہے۔ حضرت عثمانؓ اپنے
ایک اور خط میں اپنے عامل کو تحریر کرتے ہیں" بعد حمد و صلوٰۃ اللہ تعالےٰ نے
ائمہ کو راعی اور نگران بننے کا حکم دیا ہے ان کو جابر و ظالم بننے کی اجازت نہیں دی
ہے اگر تمہارے ائمہ رحمدل راعی بننے کی بجائے سخت گیر اور متشدد بننے کو
ترجیح دینے لگیں اور اسی کا رواج قوم میں پڑ جائے تو سمجھ لو کہ حیاء، امانت
اور وفا ختم ہو گئی۔ آگاہ رہو کہ اچھی سیرت و کردار کا تقاضہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے
مفادات کا خیال رکھو جو چیز ان کے حق میں بہتر ہو وہ ان کو دو اور جس چیز سے
ان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اس سے گریز کرو اور ذمیوں کا بھی خیال رکھو۔ ان
کے مفاد کی چیزیں ان کو دو اور ان کو نقصان پہنچانے والے امور سے بچو اور
ان دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ جن پہ تم غالب آ رہے ہو
ان کے دل جیتنے کے لیے ان کے ساتھ وفا کرو۔" ایک خط میں وہ تحریر فرماتے
ہیں" بعد حمد و صلوٰۃ اللہ تعالےٰ نے حق کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے پس وہ حق
.... کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا ہے حق لو اور حق دو۔ امانت کا پورا پورا
خیال رکھو اور اس پہ قائم رہو خیانت کرنے والوں میں کبھی شامل نہ ہو اور
یتیم اور معاہد پہ کبھی ظلم نہ کرو" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان پہ ظلم کرنے والوں کا
دشمن بن جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امراء اجناد کے نام
جو خط لکھا تھا اس میں ان کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں" بعد حمد و صلوٰۃ!
آپ لوگ مسلمانوں کے حامی و معاون ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے
جو کچھ طے کر دیا ہے اس سے ہم لاعلم نہیں ہیں گو ہمیں وہ گوارہ نہیں تھا
بہر حال اب ہمیں آپ کی طرف سے کسی تغیر و تبدل کی اطلاع نہیں ملنی چاہیے
ورنہ اللہ تعالےٰ آپ کے احوال بدل ڈالے گا اور آپ کی جگہ کسی اور قوم کو

Marfat.com

اور اپنی اور اپنے خاندان کی تعریف کے لیے مدحیہ قصائد کے اشعار اور اپنے دشمن کی بُرائی کے لیے ہجویہ اشعار بھی بطور سند سب کو سُنا کر خوش ہوتا تھا اور جب دوسرے راویوں اور ثقہ لوگوں کی زبانی اپنے قبیلہ وخاندان کی شاندار روایات اور ان کی اولوالعزمیوں کی داستانوں اور فخریہ کارناموں کا حال سنتا تھا تو امم عالم کو اپنی قوم کے مقابلہ میں نہایت حقیر وہیچ سمجھ کر ان پر خندہ زنی کرتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جن علوم و معارف میں ایک گونہ امتیاز حاصل تھا ان میں انساب و امثال اور اخبار الایام خصوصیت سے داخل ہیں۔ انہیں سیر وسیاحت کا بھی بہت شوق تھا چنانچہ انہوں نے جہاں شام کا دورہ کیا حبشہ کا سفر بھی اختیار کیا۔ ان ملکوں کی سیر وسیاحت کے دوران ان کو غیر عرب اقوام سے میل جول قائم کرنے اور ربط ضبط بڑھانے کے جتنے بھی مواقع ملے اس سے ان کو ان کے اطوار و عادات طرز بود وباند اور احوال معیشت جاننے کے ایسے نایاب مواقع میسر آئے جو حجاز میں رہنے والے کسی شخص کو اس سے قبل میسر نہیں آئے تھے۔ سیر وسیاحت کے ان دوروں سے ان کو صحرائی وشہری آب و ہوا کے فرق و اختلاف ستاروں کے مطالع اور آسمان میں ان کے مقامات و منازل کے تعین و مطالعہ کے بہت سے ایسے عمدہ مواقع ملے جن سے صحرا میں چلنے والے قافلوں کو بڑی مدد ملتی ہے انہی امور کا نتیجہ تھا کہ اسلام کی آغوش میں آئے تو احکام دین میں سب سے زیادہ فقیہ قرآن مجید کے جید حافظ اور سنت رسول کے محتاط ماہرین میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ڈیڑھ سو احادیث روایت کی ہیں۔ محمد بن سیرین کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ احکام و مناسک کے سب سے بڑے عالم تھے ان کے بعد ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نمبر آتا ہے، مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان حادثات و تنازعات واقع ہونے کی صورت میں معاملات کے سلجھانے کے لیے تمام صحابہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مناسب و موزوں

Marfat.com

ن ثالث و مصلح سمجھے جاتے تھے ایک لائق سفارت کار کی حیثیت سے بھی ہر طرح
کی سفارت کے لیے اُن پر ہی سب کی نظریں پڑتی تھیں حتیٰ کہ سفارت کا یہ کام کبھی
اُن کو مسلمانوں اور اُن کے دشمنوں کے مابین انجام دینا پڑتا تھا اور کبھی دشمن
کی سرزمین میں جا کر قیدیوں کے بارہ میں تمام معاملات طے کرنے پڑتے تھے وہ
اتنے اچھے کاتب اور عمدہ محرّر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی
میں تدوین وحی کے لیے اُن پر ہی مکمل اعتماد کرتے تھے اور آپ کے بعد حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اہم وثائق و دستاویزات کی کتابت کے لیے
ان پر ہی بھروسہ کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے بعد خلافت کے لیے حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق جو وثیقہ لکھایا تھا وہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ
عنہ نے ہی تحریر کیا تھا - چونکہ ان کو اخبار و انساب سے واقفیت اور ملکوں کی
سیاحت کا تجربہ تھا اور ان امور میں وہ تمام صحابہ میں ممتاز تھے اس لیے دیگر
صاحبان کے ہوتے ہوئے بھی حدیث کی کتابت و تدوین میں وہ سب سے
نمایاں تھے - عبدالرحمان بن حاطب کا بیان ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو عثمان رضؓ سے زیادہ حدیث کو احسن و اکمل طریقہ پہ
بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ حدیث بیان
کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لغو اور بے کار
باتیں کرنے کے عادی نہ تھے اور نہ ہی وہ کثرت سے باتیں کر کے تضیع اوقات
کرنے کے قائل تھے - ان کی باتیں ایسی پُر مغز دلچسپ اور دلکش ہوتی تھیں
کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی زبان سے باتیں سننے
کے مشتاق رہتے تھے حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا کہ کاش اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا
شخص ہوتا جس سے باتیں کرتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا - یا رسول اللہ
یا میں ابوبکر رضؓ کو بلوا بھیجوں - اس پہ آپ خاموش رہے - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ

Marfat.com

ثقافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

جب ہم اسلام کے دورِ اوّلیں کے اکابرین کی سوانح ہائے حیات کی بابت گفتگو کرتے ہیں تو اُن کی تہذیب وثقافت کے ثبوت کے لیے اس دَور کے عام تہذیبی وثقافتی معلومات کے مصادر و ماخذ کے حوالہ سے ہی بات کرنا پڑتی ہے اس لیے کہ ان اکابرین کے مقام ومرتبہ کے تعین و تعارف کے لیے ان ثقافتی عناصر کی نشان دہی کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ انہی عناصر سے ان کی قوتِ نفس اخلاق و فضائل اور غور وفکر کی صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے اس طرح یہ امر بھی بدیہی ہے کہ قدیم دور کے اکابرین کی ثقافت کا مفہوم اس مفہوم سے قطعی مختلف ہے جو ہم عصرِ حاضر میں کلمہ ثقافت بول کر مراد لیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ثقافت کے حوالہ سے ان کا معمولی سا اجتہاد اور ادنیٰ سی درایت بھی آج کے ثقافت کے طالب علم کی کثیر اور سہل الحصول کوششوں کے مقابلہ میں بے حد نتیجہ خیز اور مفید ہوتی تھی حالانکہ آغازِ اسلام میں مذکورہ ثقافت کے موضوع پر جتنا تحریری ذخیرہ اور مواد موجود تھا آج اس کے مقابلہ میں اس موضوع پر بہت زیادہ مواد موجود ہے مگر اس کے باوجود ان لوگوں نے جو کارنامے انجام دیے وہ آج کل کے بڑے بڑے زعماء و بلغاء کے بس کی بات نہیں وہ لوگ اگر کسی موضوع پر گفتگو بھی کرتے تھے تو اُن کی گفتگو کے بول اتنے مختصر اور بلیغ ہوتے تھے جن سے بڑے اہم اور مشکل مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے میں بڑی مدد ملتی تھی۔ ان کی اور ہماری ثقافت کا فرق سمجھنے اور اس کو محدود کرنے کے لیے صرف ایک نقطہ کو سمجھ لینا کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری زبان اور گفتگو کے بولوں کو موجودہ دَور کی طباعت واشاعت اور ذرائع ابلاغ کی بدولت اتنی وسعت ملی ہے کہ بعض

Marfat.com

الفاظ کے بکثرت اور غلط استعمال سے اُن میں ابتذال پیدا ہو گیا ہے چنانچہ جب کبھی ہم ایسے کلمات کسی نااہل یا نیم تعلیم یافتہ آدمی کی زبان سے سنتے ہیں تو ہمیں وہ اَمل بے جوڑ اور مہمل معلوم ہوتے ہیں برخلاف اس کے زمانہ قدیم میں گفتگو اور خطاب کے یہ بول اور کلمات اتنے پرکشش جامع اور ذومعنی ہوتے تھے۔ کہ لوگ ان کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور جوامع الکلم کے طور پر الفاظ کے یہ قیمتی ذخیرے اسلاف سے اخلاف کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہتے تھے تنزلی دور سے قبل ان کے نزدیک ان کلمات کو وہی تقدس حاصل ہوتا تھا جو منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے کسی کتاب الٰہی کو حاصل ہو سکتا ہے غرضکہ وہ اپنے علم و کلام کی صیانت و حفاظت کا اتنا ہی اہتمام کرتے تھے جتنا کسی کتاب الٰہی کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر علم الانساب ہی کو لے لیجیے عربوں میں اس کا وہی درجہ اور مقام تھا جو عہد حاضر میں آج علم التاریخ کو حاصل ہے حالانکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ علم التاریخ نے موجودہ دور میں جو زبردست ترقی کی ہے اور اس میں فلسفہ تاریخ کے علاوہ تنقید و تبصرہ کے جو عناصر شامل ہوئے ہیں اور جس شرح و بسط کے ساتھ موجودہ زمانہ میں تاریخی حالات و واقعات کی چھان پھٹک ہوتی اور ان کے اسباب سے بحث کی جاتی ہے اس کا عشر عشیر بھی علم الانساب کے دور میں نہیں پایا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود علم الانساب کے حوالہ سے خاندانوں کے حسب و نسب کی جانچ پڑتال اور شاخ در شاخ پھیلی ہوئی نسلوں کا شجرہ نسب محفوظ کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں نے اسے اسلاف کی مقدس امانت سمجھ کر ہمیشہ دفن ہونے سے بچائے رکھا۔ علم الانساب میں عربوں کے شغف اور حد درجہ لگاؤ کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب کبھی ان میں سے کسی شخص کو اپنے شجرہ نسب کا علم ہو جاتا تھا تو وہ اس کو اپنے لیے سرمایہ عزت و افتخار سمجھ کر اپنا سر فخر و غرور سے بلند کرتا تھا اور اپنے اخلاف کو اپنے خاندان کے کارناموں سے واقف کروانے میں انتہائی فخر و مباہات محسوس کرتا تھا

Marfat.com

لے آئے گا آپ اپنے حالات پر نظر رکھیں میں بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق و تصویب کے مطابق جو کچھ میرے لیے مناسب ہے اس کا التزام و انصرام رکھوں گا۔" جو خطوط وقتاً فوقتاً حضرت عثمان رضؓ نے اپنے عمال کو کسی حکم کی بجا آوری یا کسی کام کی ممانعت کے سلسلہ میں تحریر کیے ہیں ان میں بعض ایسے خطوط بھی ہیں جن کو وہ قرآن مجید کی کسی آیت سے شروع کرتے ہیں اور کسی آیت پر ختم کرتے ہیں یہ بات مروان بن الحکم کے خطوط میں ممکن نہ تھی اس لیے کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کی طرح حافظ قرآن نہ تھے یہ خطوط ان وصیتوں پر مشتمل نہ تھے جن کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ خود مروان کے تحریر کردہ ہیں اور حضرت عثمان رضؓ نے ان کو املاء نہیں کرایا ہے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضؓ کی تحریر کردہ وصیتیں واضح طور پر اُن کی حجاب وحیاء اور یتیم کے لیے الفت و محبت، شفقت و دلسوزی کا مرقع ہوتی تھیں۔ ان وصیتوں سے ان کی صلح دوستی امن پسندی اور قصاص میں لجاجت سے سخت تنفّر و ناپسندیدگی کا اظہار بھی ہوتا ہے اس لیے ہمارا پختہ یقین ہے کہ ان کی تحریر کردہ وصیتیں نہ صرف ان کے اسلوب خاص کی مظہر ہیں بلکہ ان کو حضرت عثمان رضؓ کی پاکیزہ سیرت، اعلیٰ شخصیت اور ترجمان نفس کی حیثیت بھی حاصل ہے ان کی تحریر دیکھ کر بدیہی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضؓ ہی کی تحریر ہو سکتی ہے اس لیے کہ ان کی تحریریں تکلّفات سے مبرّا طوالت سے خالی اور ...... پیچیدگیوں سے معرّا ہوتی ہیں، حضرت عثمان رضؓ ہر چیز کا بہتر ادراک و شعور رکھتے تھے ان کی بات کو عقل تسلیم کرتی تھی اور بے چوں وچرا اس کی اطاعت کی جاتی تھی چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اس دعوت کو کھلے دل سے قبول کر لیا اور ان کی طبع سلیم اصنام پرستی سے بیزار ہو کر اور دین فطرت کو قبول کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو گئی۔ چنانچہ وہ بلا جھجک حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے مخاطب ہو کر بولے:۔

"آپ بے شک بالکل صحیح کہتے ہیں۔"

Marfat.com

جہاں تک ان کی خطابت کا تعلق ہے وہ بھی ان کی تحریر کی طرح بے ساختہ، شستہ وسلیس اور با معنی ہے۔ شورش و فتنہ کے آغاز میں جس قسم کے خطبے انہوں نے دیے ان میں سے ایک یہ ہے:۔

"لوگوں کے بارہ میں طرح طرح کی افواہیں مجھ تک پہنچ رہی ہیں مگر خدا کی قسم میں پہل نہیں کروں گا اور فتنہ کو از خود ہوا نہیں دوں گا۔ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھوں گا اور اپنے منہ میں لگام دیے رہوں گا۔ اور جب تک ہو گا ڈھیل دوں گا۔ پس جو کوئی میری پیروی کرے گا میں اس سے وہ کام لوں گا جو اس کے بس کا ہے اور اور جو کوئی میرا اتباع نہیں کرے گا اس سے میرا اختلاف اللہ کے لیے ہو گا۔ آگاہ رہو قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک شاہد ہو گا جو اس کو ہانکے گا اور اس کے اعمال کی شہادت دے گا۔ پس جو کوئی اللہ کی رضا کا طلب گار ہے اس کی عاقبت بخیر اور منزل آسان ہو گی اور جو دنیا کا طالب ہے وہ سراسر نقصان اٹھائے گا۔"

فتنہ برپا ہونے کے کافی عرصہ بعد جو خطبہ دیا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"دوسروں میں عیب تلاش نہ کرو اور طعنہ زنی مت کرو اس امت کے لیے سب سے بڑی آفت اور اس خداداد نعمت کے لیے سب سے بڑا وبال اور مصیبت تم ہی ہو جو چیز تمہیں پسند ہے تم اس کو دکھاتے اور اعلان کرتے پھرتے ہو لیکن جو چیز تمہیں ناپسند ہے اس کو چھپاتے اور دوسروں کی نظر سے پوشیدہ رکھتے ہو تمہاری مثال ان اونٹوں کی سی ہے جو چرواہے کی پہلی ہانک پر اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور جنہیں بہت دور دراز گھاٹ پر جانا ہوتا ہے مگر وہاں پہنچ کر انہیں پینے کے لیے بدبودار پانی کے سوا کچھ نہیں ملتا اور چونکہ

Marfat.com

آسمان والوں کا نور اور اہل زمین کا چراغ ہیں - ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایک رات میں نماز میں پورا قرآن شریف ختم کر لیا کرتے تھے - پس ایک نور قرآن ہے اور دوسرا نور قیام لیل ہے اس سلسلہ میں حافظ سلفی اس کنیت کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسماعیل بن علیسن یونس بن خباب کے پاس آئے تاکہ ان کی زبان سے کچھ حالات سنیں چنانچہ یونس نے ان سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو اُنہوں نے جواب دیا میں بصرہ کا رہنے والا ہوں اس پہ یونس بولے تو تم اُس شہر کے رہنے والے ہو جو عثمان بن عفان رضؓ کے محبت کرنے والے ہیں حالانکہ انھوں نے رسول کی دو بیٹیوں کو قتل کیا ہے اس پر اسماعیل نے جو کچھ کہا اُس کا مفہوم یہ ہے "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جب عثمان رضؓ نے ایک بیٹی کو قتل کر دیا تو رسولؐ نے دوسری بیٹی کو ان کے نکاح میں دے دیا اسماعیل کا یہ جواب خاموش کر دینے کے لیے کافی تھا - یونس اور اسماعیل کی گفتگو اس سیاسی دعوت کے پس منظر میں چھپی ہوئی عبرتوں میں سے ایک سبق آموز عبرت ہے جس نے لوگوں کے دل و دماغ پر اس دور میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور یہ اس کا اثر تھا کہ ایک طرف یونس بن خباب ذوالنورین رضؓ کو رسول اللہؐ کی بیٹیوں کا قاتل سمجھتا ہے اور اس شہر کے مکینوں کو بھی لعنت و ملامت کا مستحق سمجھتا ہے جہاں کے رہنے والے حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کو قابل احترام سمجھتے اور ان سے محبت کرتے تھے لیکن دوسری طرف اسماعیل کا مسکت جواب اس کو خاموش کر دیتا ہے ایسے حالات میں یونس بن خباب جیسے لوگوں کے دل پر حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی اس حدیث کا بھی کیا اثر ہو سکتا ہے جس میں حضرت رقیہ رضؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا " اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میری سو بیٹیاں بھی ہوتیں اور وہ ایک ایک کر کے فوت ہو جاتیں تب بھی میں یکے بعد دیگرے اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کرتا جاتا حتیٰ کہ میرے پاس کوئی بیٹی

Marfat.com

باقی نہ بچتی۔" جس دن سے حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا تھا اس دن سے ہی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی خواہ ہجرت کی وجہ سے ہوئی ہو خواہ من جانب الرسول کسی مہم کے سلسلہ میں پیش آئی ہو از خود کبھی انہوں نے رسول اللہؐ سے مفارقت اختیار نہیں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف ہمیشہ ان کو اسی طرح بالالتزام حاصل رہا جس طرح دیگر خلفاء راشدین کو حاصل رہا تھا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بعض صحابہ ایسے بھی تھے جنہیں اپنے نجی کاموں کے سلسلہ میں مدینہ یا مکہ کو چھوڑنا پڑتا تھا اور بعض ایسے بھی تھے جو غزوات میں بالعموم حاضر باش رہتے تھے لیکن بعض اپنی مجبوریوں یا اہل وعیال کی ضرورتوں کے باعث غزوات کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی مدینہ سے باہر چلے جاتے تھے لیکن حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ میں سے کسی نے اس طرح کی غیر حاضری اور رسول سے جدائی کو پسند نہیں کیا۔ وہ سفر و حضر اور لیل و نہار کے تمام اوقات میں بلا استثناء حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں اس طرح موجود رہتے تھے جیسے کہ یہ ان کی زندگی کا طبعی تقاضہ ہے یا سرچشمہ نبوت کے فیضان کا اثر ہے جو ان کی رگ و پے میں رچ بس گیا ہے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے اپنے وسیع تجارتی کاروبار کو خیرباد کہہ کر اپنے اقرباء و وکلاء کے حوالہ کر دیا تھا اور دولتِ اسلامیہ کا حقیقی بیت المال قائم ہونے سے بہت پہلے اپنے گھر کو ایک طرح سے مسلمانوں کے بیت المال میں تبدیل کر دیا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ دربارِ رسالت سے کسی قسم کی امداد کی اپیل کے بغیر ان کے خزانہ کا منہ ہر وقت مسلمانوں کے لیے کھلا رہتا تھا۔ چنانچہ شاذ و نادر ہی کوئی موقع ایسا ہوا ہوگا جس میں حضرت عثمان رضؓ نے دل کھول کر تن تنہا فی سبیل اللہ امداد نہ کی ہو یا دوسرے معاونین کے مقابلہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔ جب مدینہ کے مسلمانوں کو قحطِ آب کا سامنا ہوا تو وہاں بجز ایک کنوئیں کے کوئی دوسرا کنواں نہ تھا اور وہ بھی ایک یہودی کی ملکیت تھا، جو نہایت گراں قیمت پہ مسلمانوں کے ہاتھ اس کا

Marfat.com

فصل سوم

اسلام سے خلافت تک عثمان رض کے احوال و واقعات

اسلام سے خلافت تک معاشرہ کے احوال

احوال و واقعات حضرت عثمان رض کے اسلام لانے سے خلافت تک کا زمانہ کچھ اوپر تیس سالوں پر مشتمل ہے اس دوران میں انہوں نے جزیرۃ العرب اور تاریخ عالم میں تبدیلیوں کا وہ دور دیکھا ہے جو بعثت محمدی سے قبل شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔ اس کے بعد انہوں نے بعثت نبوی اور دعوتِ اسلام کا درخشندہ دور دیکھا اور پھر اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض کی خلافت کے بھی دو دور دیکھے، اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کا شرف قائم ہونے کے بعد ان کے ساتھ دعوت و تبلیغ میں شرکت کا فخر بھی ان کو حاصل رہا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں نبوت کے خاص الخاص اخبار و احوال کے علاوہ عام واقعات میں سے بھی کوئی واقعہ ایسا نہ تھا جس سے حضرت عثمان رض واقف یا باخبر نہ ہوں اسی طرح شیخین یعنی حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے عہد خلافت کے تمام واقعات و حالات بھی تمام تر ان کے علم میں تھے غرضکہ دولت اسلامی کی تاسیس کے حوالہ سے تمام احوال و کوائف ان کے مشاہدہ میں تھے۔ حضرت عثمان رض کا پہلا عقد بنت رسول علیہ السلام حضرت رقیہ رض سے ہوا اور وہ ان کو لے کر سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت پر نکلے۔ اس کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ

Marfat.com

ہجرت کی جہاں حضرت رقیہ کا بیماری کے بعد انتقال ہوگیا۔ حضرت رقیہ کی شدید بیماری کی وجہ ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ کو غزوہ بدر میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

جس دن جنگ بدر میں کفار کو شکست اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی نوید لے کر قاصد مدینہ میں داخل ہوا اسی دن حضرت رقیہ رضؓ کا انتقال ہوگیا کہا جاتا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر جہاد کے لیے مسلمانوں کے نکلنے سے قبل حضرت عثمان رضؓ خود بھی بعارضہ چیچک بیمار ہوگئے تھے گویا حضرت رقیہ کی شدید بیماری کے علاوہ خود حضرت عثمان رضؓ کی بیماری بھی غزوہ بدر میں شرکت سے مانع رہی۔ اب تک خانوادۂ رسالت میں حضرت عثمان رضؓ کا رشتہ دامادی لوگوں کے لیے باعثِ رشک بنا ہوا تھا لیکن جب حضرت رقیہ رضؓ کا انتقال ہوگیا تو یہ رشتہ منقطع ہو جانے کے سبب حضرت عثمان رضؓ سخت رنجیدہ اور دل برداشتہ رہنے لگے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو اُن سے دریافت کیا "کیا بات ہے بس تمہیں بہت اُداس و غمگین دیکھتا ہوں"۔ اس کا جو جواب بروایت سعید بن المسیب حضرت عثمان رضؓ نے دیا وہ یہ تھا "کیا کسی اور پر بھی ایسی مصیبت ٹوٹی ہے جو مجھ پر ٹوٹی ہے رسول کی بیٹی کا جو میرے نکاح میں تھی انتقال ہوگیا ہے جس سے میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور میرا اور آپ کا رشتہ دامادی منقطع ہو گیا ہے۔" یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہت دلجوئی کی اور اپنی دوسری بیٹی کلثوم کا عقد اُن سے کر دیا جس سے پرانا رشتہ پھر قائم و استوار ہو گیا۔

مگر حضرت کلثوم کا انتقال بھی ۹ھ میں چھ برس کی رفاقت کے بعد ہوگیا۔ مشہور ترین روایت کے مطابق آپ کا نام ذوالنورین اسی لیے پڑا تھا کہ آپ کا عقد رسول کی دو بیٹیوں رقیہ رضؓ و کلثوم رضؓ سے ہوا تھا اور دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک نبی کی دو بیٹیاں کسی کے عقد میں آئی ہوں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا تھا" یہ

Marfat.com

ان کا کوئی قائد و راہنما نہیں ہے اس لیے انھیں ان کے حالات نے تھکا مارا ہے۔"

ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"آگاہ رہو قسم خدا کی تم نے اس عہد سے بھی کج روی شروع کر دی ہے جس کا تم نے عمر بن خطاب کے جانشین سے وعدہ کیا تھا حالانکہ عمر بن خطاب نے تمہیں پیروں تلے روند ڈالا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے تمہیں ضربیں لگائی تھیں اور اپنے حکم سے تمہاری زبان بندی کر دی تھی۔ مگر پھر بھی تم اس کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ طرز عمل سے مطمئن ہو کر اس کے قریب ہوتے چلے گئے اس کے برخلاف میں نے تمہارے ساتھ ہمیشہ نرمی کا برتاؤ کیا اپنے شانے اور بازو تمہارے لیے جھکائے رکھے اور تمہیں اذیت پہنچانے سے اپنے ہاتھوں اور زبان کو روکے رکھا پھر بھی تم لوگ میرے خلاف کھڑے ہونے پر جری ہو گئے مگر میں خدا کی قسم کھا کر تمہیں بتاتا ہوں کہ میں تم لوگوں سے بہ اعتبار تعداد کے زیادہ معزز ہوں اور بہ اعتبار اعوان و انصار کے زیادہ محترم ہوں اور بہ اعتبار نفری کے زیادہ قوی و غالب ہوں اور یہ کہوں تو حق بجانب ہوں گا کہ آؤ میری طرف چل کر آؤ۔ میں نے تمہارے لیے بڑے بڑے سورما جمع کر رکھے ہیں اس کے علاوہ میرے پاس تم سے زیادہ صاحبان مجد و فضیلت موجود ہیں۔ تم نے مجھ سے وہ باتیں منسوب کی ہیں جو مجھ میں نہیں ہیں اور ایسی باتیں کہی ہیں جو میں نے کبھی زبان سے نہیں نکالی ہیں پس میرے خلاف بولنے سے باز رہو اور اپنے عمال و حکام کے خلاف زبان طعن و تشنیع دراز مت کرو۔ میں نے اس شخص کو تمہارے خلاف قدم اٹھانے سے باز رکھا ہے کہ اگر وہ خود تم سے اس موضوع

Marfat.com

پر کھل کر بات کرے تو تم میرے بولے بغیر اس کی بات پر رضا مند ہو جاؤ تو کیا تم اس طرح اپنا حق ضائع نہیں کر رہے ہو؟ قسم خدا کی میں نے اس بات کے پہنچانے میں کوئی کمی اور کسر نہیں چھوڑی ہے جس کو مجھ سے قبل ایک اور شخص نے پہنچایا تھا مگر تم اس سے بھی اختلاف رائے کرتے رہے تھے!"

مذکورہ بالا خطبہ وہ ہے جس کو بنیاد بنا کر مروان بن الحکم لوگوں سے مخاطب ہونا اور ان کو دھمکانا چاہتا تھا مگر حضرت عثمان رض نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا اور خاموش کر دیا یہ خطبہ اس وقت دیا گیا تھا جب حضرت عثمان رض اُس وفد کو مخاطب کرنے کی نیت سے گھر سے باہر نکلے تھے جو ان کے دروازہ پر جمع ہو گیا تھا۔

بہر حال یہ ان کی تحریروں اور خطبات کے نمونے ہیں اور اگرچہ یہاں ان سے ان کی بلاغت بیان کے محاسن کا اظہار مقصود نہیں ہے لیکن ان کے خطوط وخطبات سے ان تعلقات کا ضرور اظہار ہوتا ہے جو خلیفہ ثالث کے اپنے عوام سے تھے ان کی ابتدائی تحریروں کے اسلوب کو آج کل کی اصطلاح میں اسلوب رسمی یا اسلوب تشریعی اور قانونی دستاویزات کا نام دیا جا سکتا ہے ان میں سادہ وسلیس زبان میں تبلیغ وپیغام رسانی کا ایسا بلیغ اور مؤثر انداز اختیار کیا گیا ہے جو زبان وبیان کی تزئین وآرائش اور بے تکلف تاثیر پیدا کرنے کی کوششوں سے مبرا ہے۔

Marfat.com

پانی فروخت کرتا تھا اس ناگفتہ بہ صورتِ حال سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ نے یہودی سے نصف کنواں خرید لیا چنانچہ معاہدہ کے مطابق کنوئیں کا پانی ایک دن یہودی اپنے تصرف میں لاتا تھا اور ایک دن حضرت عثمانؓ کے تصرف میں دے دیتا تھا اور حضرت عثمانؓ اپنی باری کے دن کا پانی مسلمانانِ مدینہ کے لیے بلامعاوضہ وقف کر دیتے تھے۔ آخر کار جب یہ پانی بھی مسلمانانِ مدینہ کی ضرورتوں کے لیے ناکافی ثابت ہوا اور اُن کی طلب مزید بڑھ گئی تو یہودی نے یہ دیکھ کر اپنے پانی کی قیمت میں مزید اضافہ کر دیا حضرت عثمان غنیؓ کو مسلمانوں کی یہ پریشانی کہاں گوارہ تھی آخر کار انھوں نے پورا کنواں منہ مانگے داموں یہودی سے خرید کر فی سبیل اللہ مسلمانانِ مدینہ کے حوالہ کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو قلتِ آب کی پریشانیوں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی۔

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو غزوہ تبوک کی تیاری کا حکم دیا تو مسلمانوں کی مالی حالت نہایت سقیم تھی اس لیے سامان حرب و رسد کا انتظام کرنا بہت دشوار ہو گیا اس کے علاوہ یہ سخت گرمی کا موسم تھا ایسے نازک اور مشکل وقت میں بھی حضرت عثمانؓ ہی آگے بڑھے اور انہوں نے ایک طرف تو اسلامی لشکر کے ایک تہائی اخراجات کی کفالت کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی اور دوسری طرف مجاہدین کی سواریوں اور ان کے خورد و نوش کے لیے ایک ہزار دینار مزید اپنی آستین میں لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی آستین سے وہ ہزار دینار بھی خاموشی سے نکال کر حضور کے قدموں میں ڈال دیے مورخین کے مطابق بارہا ایسا بھی ہوا ہے جبکہ حضرت عثمانؓ نے اپنی دولت مسلمانوں کی خاطر بے دریغ خرچ کی ہے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو اراضی کی خریداری وغیرہ پر انہوں نے ہی یک مشت بیس پچیس ہزار درہم خرچ کیے تھے قحط و خشک سالی کے مواقع اور تنگی و عسرت کے زمانہ میں خاص طور پر قریبی غرباء و مساکین کی دست گیری کیا کرتے تھے اور اس معاملہ میں اس زمانہ

Marfat.com

کا کوئی دولت مند کبھی ان سے سبقت نہیں لے جا سکا حالانکہ ان سے کبھی زیادہ مال دار اشخاص ان کے معاصرین میں موجود تھے، عہد نبوی میں انہوں نے ہی اپنی زندگی کو نبی کے حکم پر سنگین خطرات میں ڈال دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہونا چاہا تو آپ نے رؤسا قریش کے پاس اجازت طلبی کی غرض سے بھیجنے کے لیے حضرت عمر رضؓ کو اپنے پاس طلب کیا تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مشرکین مکہ میرے کتنے دشمن ہیں اور ان میں میرے قبیلہ کا کوئی ایسا فرد بھی نہیں ہے جو بر وقت میری مدد کر سکے اس لیے اگر آپ عثمان کو اس مقصد کے لیے بھیجیں تو مناسب ہو گا لیکن کینہ پرور اور جاہل قریشیوں کی دست برد سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکے اور اگر ان کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن العاص وہاں موجود نہ ہوتے اور ان کی حمایت ان کو حاصل نہ ہوتی تو یہ لوگ اُن کے ساتھ نہ معلوم کیا کچھ نہ کر گزرتے چنانچہ اس دوران یہ افواہ اُڑ گئی کہ تین دن حضرت عثمان رضؓ کو قید میں رکھنے اور آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اُن کو قتل کر دیا گیا ہے جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تک پہنچی تو آپ نے تمام صحابہ کو جو آپ کے ہم رکاب تھے اپنے پاس بُلا کر بیعت لی جو تاریخ میں بیعت الرضوان یا بیعت الشجرہ کے نام سے مشہور ہے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ بیعت عثمان ہے۔

اے اللہ یہ بیعت جو عثمان رضؓ کی طرف سے تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے ہے قبول فرما۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ نہ بدر کی جنگ میں شریک ہوئے اور نہ یوم البیعت میں مگر یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ اس تخلف اور عدم شرکت پر ان پر کوئی ملامت نہیں ہے خاص طور پر یوم البیعت پر کیونکہ وہ تو اس بیعت سے کبھی زیادہ خطرناک حالات میں گھرے ہوئے تھے اس لیے اس بیعت میں ان کی شرکت کا سوال ہی کیا تھا۔ اسی طرح یونس بن خباب کے

Marfat.com

من گھڑت افسانہ کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے اس لیے کہ غزوہ بدر میں ان کی عدم شرکت کی وجہ بھی حضرت رقیہؓ کی شدید علالت تھی جن کی تیمارداری کے لیے خود حضورؐ نے ان کو مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

وہ اہم کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضؓ سے خصوصی طور پر لیا وہ نزول وحی کے وقت اس کی کتابت کا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو محبت سے اپنے پاس بُلاتے اور تحریر کراتے وقت ان سے یوں مخاطب ہوتے "اے غیثم لکھو!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ان کو مدینہ میں اپنا نائب و خلیفہ مقرر کیا تھا اور جب حضرت علی رضؓ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا تو آپ نے حضرت عثمان رضؓ کو ہی وہاں کے حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت عثمان رضؓ کو ہی اپنے اسرار و رموز کا امین اور خاص الخاص کتابت کے لیے بھی انہی کو نامزد فرماتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ موخر الذکر تو کام ہی ایسا ہے جو صرف ایک ثقہ، ذہین خوش گفتار اور معتمد سفیر کے ہی سپرد کیا جا سکتا ہے اسی لیے عبداللہ الجبیری کی ایک ترجیحی روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ حضور علیہ السلام کے نہایت محبوب و پسندیدہ امین اسرار تھے اور اس سلسلہ میں ایک روایت ان کے بارہ میں سیدہ حفصہ رضؓ سے مروی ہے جس کے مطابق ایک روز وہ حضرت عائشہ رضؓ سے حضرت عثمان رضؓ کے امین اسرار ہونے کے حوالہ سے بات کر رہی تھیں اور ان سے کہہ رہی تھیں کہ ایک دن میں اور تم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک غشی طاری ہو گئی اس پر میں نے تم سے دریافت کیا تھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے تو تم نے جواب دیا تھا کہ مجھے تو کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آ گئے تو تم نے کہا تھا ان کے لیے دروازہ کھول دو، یہ سن کر میں نے کہا تھا

Marfat.com

تمہارے باپ آئے ہیں یا میرے، اس پر تم نے کہا تھا، معلوم نہیں غرضنکہ جب ہم نے دروازہ کھولا تو دفعتہً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا "میرے قریب آجاؤ" یہ سن کر حضرت عثمان رضؓ آپ پر جھک گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے کوئی بات ان کے کان میں کہی جو نہ میں جان سکی اور نہ تم پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور حضرت عثمان رضؓ سے دریافت کیا کیا تم وہ بات سمجھ گئے جو میں نے تم سے کہی ہے اس پر انہوں نے جواب دیا تھا، ہاں سمجھ گیا اس پر پھر آپ نے ان سے کہا تھا "میرے قریب آؤ" اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے اور پھر آپ نے اُن سے کوئی ایسی بات چپکے سے کہی جو نہ مجھ کو معلوم ہو سکی اور نہ تم کو۔ اس کے بعد پھر آپ نے سر مبارک اوپر اُٹھایا اور کہا کیا تم وہ بات سمجھ گئے جو میں نے تم سے کہی ہے اس پر حضرت عثمان رضؓ نے جواباً کہا "ہاں یا رسول اللہ میرے کانوں نے سنا اور میرے قلب نے اس کو محفوظ کر لیا ہے" اس کے بعد آپ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ غرضنکہ حضرت عثمان رضؓ کو تمام صحابہ میں معتد بہ مقام فخر و امتیاز حاصل تھا اور تمام لوگ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ حضرت عثمان رضہ کے لیے رسول اللہ کی محبت و انس کا کیا عالم ہے اور یہ وہ منصب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کو حاصل رہا عام طور پر جس شخص سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش رہتے تھے اس کے لیے لوگوں کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا تھا کہ یہ وہ خوش نصیب انسان ہے جس سے رسول اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک راضی رہے۔ غرضنکہ حضرت عثمان رضؓ کے مناقب و فضائل کی یہ وہ منزل ہے جس میں کم ہی لوگ اس کے مثیل و نظیر کہے جا سکتے ہیں چنانچہ بہت سے صحابہ حضرت عثمان رضؓ کی اس فضیلت کو دل سے مانتے تھے اور اکثر اس کا تذکرہ کرتے رہتے تھے لیکن کچھ ایسی جبلت کے بھی تھے جو حضرت عثمان رضؓ کے غزوۂ بدر اور بیعت الرضوان میں عدم شرکت کو بہانہ بنا کر ان کو اس منصب امتیاز سے گرانے کی کوشش کرتے تھے جو سب کے

Marfat.com

نزدیک آج تک متفق علیہ ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خلیفہ ہونے کے قبل و بعد کسی دور میں بھی حضرت عثمان رضؓ سے اُن کے تعلقات میں سرمو فرق نہیں آیا جیسے وہ شروع میں تھے ویسے ہی آخری ایام تک قائم رہے ہے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی کوششوں سے ہی حضرت عثمان رضؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ دونوں کی طبائع اور اخلاق میں حد درجہ مماثلت و یک رنگی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عثمان رضؓ کو مضبوط عزم و ارادہ اور مدافعانہ صلاحیتوں کا حامل انسان سمجھتے تھے جس کا اظہار ان کی زبان سے اُس دن بھی ہوا تھا جس دن ان کی صلح پسند طبیعت اور طبعی حسن اخلاق ان کو رسول کے دولت کدہ تک کھینچ کر لے آیا تھا اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ایسے شخص نہ تھے جو کسی کی خوشامد و چاپلوسی میں لایعنی تعریف و توصیف کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے مابین رفاقت و دوستی کے طویل دَور کو دیکھتے ہوئے اگر سیاسی امور اور ملکی معاملات کے ساتھ نجی مراسم و تعلقات میں بھی خلیفہ اوّل کو سب سے لگاؤ حضرت عثمان غنی رضؓ سے رہا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ہمارے نقطہ نظر سے یہ ایک ایسے دَور کے دو انسانوں کی مثال ہے جو تمام انسانی اقدار کے اعتبار سے ایسا پاکیزہ اور نادرالوجود دَور ہے جس میں قدرتی طور پر ایک انسان اسی انسان سے محبت کرتا ہے جو نظریہ و اعتقاد امانت و صداقت اور خدمت و ایثار کے جذبہ سے اسی کی طرح سرشار ہے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جو خصوصی تعلق تمام خلفاء راشدین کو رہا ہے اور جس طرح یہ لوگ بالالتزام سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہردم موجود رہتے تھے اور بلا اجازت و بلا ضرورت آپ کی معیت و قرب سے غیر حاضر نہیں رہتے تھے اسی کی ایک جھلک ابوبکر صدیق رضؓ اور عثمان غنی رضؓ کے مابین بھی نظر آتی تھی قبل از اسلام جو یگانگت و اُلفت اور طبعی اخلاص و مروّت ان

Marfat.com

دونوں میں موجود تھی ویسی طبعی اُلفت و مروت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھی قبل از اسلام نہیں پائی جاتی تھی البتہ خلیفہ اوّل کے عہد مبارک میں جو تفاوق و تطابق شیخین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں پایا جاتا تھا اس کی مثال بھی بہت کم ملتی ہے۔ اخلاق و عادات میں نمایاں فرق ہونے کے باوجود ہمہ وقت دونوں میں خلافت کے اہم امور و معاملات میں باہم مشورہ جاری رہتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اگر کوئی شخص تجاہلِ عارفانہ کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ سوال پوچھ لیتا تھا کہ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمرؓ تو حضرت ابوبکر صدیق اس کو جو جواب دیتے تھے وہ بالعموم یہ ہوتا۔ کہ جو چاہے سمجھ لو۔ اس لیے ہم یہاں یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دراصل اس امر کا اختیار نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تھا اور نہ عمر رضی اللہ عنہ کو تھا بلکہ اس کا انحصار اس اعلیٰ حکمت اور پاکیزہ مصلحت پہ ہوتا تھا جو اس نادرالوجود عہد میں ان مخلص لوگوں کے نزدیک ہر شے سے برتر و بالا ہوتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ سے زیادہ کسی شخص کو ان سے قربت حاصل نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے آخری زمانہ میں جب کہ وہ بستر مرگ پہ تھے حضرت عثمانؓ کو اپنے قریب بلایا اور ان سے کچھ لکھانا چاہا اور جب اُن کو قدرے افاقہ محسوس ہوا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا "تم نے کس کا نام لکھا"؟ انہوں نے جواب دیا عمرؓ کا اور یہ نام انہوں نے اس لیے لکھ لیا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی منشاء اور نیت کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ صحت یاب ہونے کے بعد وہ انہی کو خلیفہ منتخب کریں گے اور اگر اسی غفلت میں انتقال کر گئے تب بھی فتنہ کے انسداد اور رفع اختلاف کے لیے انہی کا انتخاب ضروری ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ذرا افاقہ ہوا اور ان کو حضرت عثمانؓ کی دیانت و وفا کا علم ہوا تو خوش ہو کر بے ساختہ بول اُٹھے اللہ تمہاری عمر میں برکت دے میرے ماں باپ تم پہ فدا ہوں اگر تم اپنا نام بھی لکھ لیتے تو تم اس کے پوری طرح اہل تھے۔ حضرت

Marfat.com

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صدق و صفا اور خلوص نیت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا تھا وہ بلا رو رعایت سب کے سامنے اس کا اظہار کر دیتے تھے اور جو کچھ وہ کہتے تھے وہ نہ حقیقت کے خلاف ہوتا تھا اور نہ سننے والے کو ناگوار گزرتا تھا۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ ابوبکر صدیقؓ اگرچہ حضرت عثمانؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان سے کہیں زیادہ اہل اور حق دار سمجھتے تھے! آخر کار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد زمام خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی جن کے یہاں تقرب کا معیار صرف عمل تھا دور اور نزدیک کے رشتہ داروں اور احباب میں سے وہی لوگ حضرت عمرؓ کو پسند تھے جو کردار و عمل سے خود کو ان کی نظروں میں خوشنودی کا مستحق بنا لیتے تھے اُن کو بھی لوگوں کی وہی اقدار پسند تھیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پسندیدہ اور محبوب تھیں۔ وہ ہر شخص کی بات توجہ اور غور سے سنتے تھے اور ہر ایک کو معتمد اور قابل اعتبار سمجھتے تھے وہ تمام صحابہ کو بالعموم مدینہ ہی میں مقیم رکھتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان کے مشوروں سے استفادہ کر سکیں اور اگر وہ دنیاوی فتنوں میں پڑ کر اور مادی زندگی کی رنگینیوں اور فتنوں میں مبتلا ہو کر صراطِ مستقیم سے ہٹنے لگیں تو ان کو باز رکھا جا سکے! چنانچہ کچھ لوگ تو حضرت عمرؓ کی خواہش و منشاء کے مطابق برضا و رغبت مدینہ میں قیام پذیر رہے مگر بعض لوگوں نے بجبر و اکراہ ان کے حکم کی تعمیل پر مدینہ میں رہنا قبول و منظور کیا۔ غرضکہ انہوں نے اپنے عہد میں کسی کو بلاوجہ مدینہ سے باہر دوسرے شہروں میں جانے کی اجازت نہیں دی، البتہ وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ تھے جن کو والی یا امیر بنا کر کسی جگہ تعینات کیا جاتا تھا اور ان کو بھی طویل عرصہ تک کسی ایک مقام پر نہیں رکھا جاتا تھا۔ خواہ کارکردگی کے اعتبار سے وہ کتنا ہی بہتر ہوتے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ تھی کہ کہیں اُن کے احسانات سے مرعوب و ممنون ہو کر فتنوں میں مبتلا نہ ہو جائیں یا خود لوگ اُن کو طرح طرح

Marfat.com

کی آزمائشوں میں مبتلا نہ کر دیں۔ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں تھے جو خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمہ وقت ساتھ رہتے تھے انہوں نے کبھی ان سے جُدائی اختیار نہیں کی اور جس طرح بعض صحابہ مدینہ چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ حضرت عمرؓ کی معیت و قرب کو ترجیح دی اور کبھی اُن کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر نہیں گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سیر و سیاحت کے بہت شوقین تھے لیکن اسلام لانے کے بعد وہ اپنے اس محبوب مشغلہ کو چھوڑ کر دین و ملت کی خدمت میں مشغول ہو گئے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا ان پر اتنا اعتماد بڑھا کہ وہ ان سے ہر اہم اور ضروری کام میں مشورہ طلب کرتے تھے چنانچہ مردم شماری کی بنیاد ڈالنے اور اسلامی کیلنڈر کے سال کو محرم سے شروع کرنے میں حضرت عمرؓ نے انہی کے مشورہ پر عمل کیا تھا علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ ہی نے حضرت عمرؓ پر خلیفہ و امام اور میدانِ جنگ میں قیادت کے فرائض واضح کر کے ان کو بہ نفس نفیس میدان جنگ میں فوجوں کی قیادت سے اس لیے باز رکھا تھا کہ ایسے موقعوں پر خلیفہ کی موجودگی دشمن کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیابی کے مواقع فراہم کرتی ہے جب کہ دوستوں کے دلوں میں ایسے پُر خطر مواقع پر عظیم خدشات اور اندیشہائے گوناگوں پیدا ہوتے ہیں اس کے برخلاف میدانِ جنگ کے لیے علیحدہ سے قائد مقرر کرنے سے ایسے اندیشے اس لیے پیدا نہیں ہوتے کہ اس کی پشت پر امیر و خلیفہ حالات کو سنبھالنے اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے موجود ہوتا ہے غرضکہ امانت و وفاداری اور اخلاص و ایثار کے اس عہد زرّیں میں حضرت عثمانؓ کے صائب و قیمتی مشورے حضرت عمر فاروقؓ کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئے حقیقت یہ ہے کہ اس پاک اور مقدس دور میں جب مشیر و ناصح تمام مشورے خالصًا لوجہ اللہ دیتا تھا تو سُننے والا بھی ان کو خالصًا لوجہ اللہ قبول کرتا تھا منجملہ دیگر اسباب و مشکلات کے ایک سب سے بڑی مشکل جو حضرت عثمانؓ کو پیش آئی وہ ان کی سیاسی تربیت کا طویل ترین عرصہ تھا جو ان سے پہلے نہ کسی

Marfat.com

خلیفہ کو حاصل ہوا تھا اور نہ ان کے بعد کسی خلیفہ کا اس سے سابقہ پڑا چنانچہ ان کی سیاسی تربیت کی یہ مدت اس سے بھی طویل اور درازتر تھی جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت اور صحبت سے حاصل ہوئی تھی اور اس سے بھی درازتر تھی جو حضرت عمر رض کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت و معیت کے سبب حاصل ہوئی تھی حتیٰ کہ ان کی یہ سیاسی تربیت خلیفہ چہارم حضرت علی رض کی تربیت سے بھی طویل ترین مدت پر مشتمل تھی جو سب سے آخری خلیفہ راشد تھے اور بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے تھے بہت سے واقعات اور معاملات اور معاملات دعوت اُن کے مشورہ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی طے ہو چکے تھے اس کے برخلاف حضرت عثمان رض جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی اور چونکہ وہ زبردست شعور و بصیرت اور ذہانت کے مالک تھے اس لیے شروع ہی سے اُن کو تمام اہم امور کو سمجھنے اور صاحب الدعوت کا ہاتھ بٹانے کے مواقع ملتے رہے علاوہ ازیں حضرت عثمان ذوالنورین رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خصوصی اُنس و محبت اور حد درجہ قلبی لگاؤ تھا جس کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا معتمد خاص اور امین اسرار بنا لیا تھا۔

غرضکہ اس طویل عرصہ میں حضرت عثمان رض ہر قسم کے تجربات سے گزرے اس عرصہ میں نہ صرف ان کو دعوت و تبلیغ کے معاملات سے واقفیت حاصل ہوئی بلکہ صحابہ کرام اور عامۃ المسلمین کے اہم معاملات کو سمجھنے اور ان کو سلجھانے کے مواقع بھی ان کو ملے۔ اس طرح امن و جنگ کے دوران صلح جو اور جنگ پسند مشرکین و منافقین کے نزاعی امور کو طے کرانے میں بھی انہوں نے مثبت حصہ لیا ان کو امام و رعایا کے حدود و مقام کو سمجھنے سرد و گرم حالات میں سختی و نرمی برتنے، موقع و محل کے لحاظ سے حالات کا جائزہ لینے نیز معاشی تنگی اور خوشحالی کے تناظر میں احتیاط کے ساتھ احوال و کوائف کا جائزہ لینے کے بہت سے مواقع ان کو

Marfat.com

میسر آئے اسلام لانے کے بعد جو مسلسل سیاسی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور ہر دو خلفاء کے پاکیزہ دور میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو میسر آئی اس نے ان کی طبیعت میں نکھار پیدا کر کے ان کو مستقبل کی سیاسی ذمہ داریوں کو سنبھالنے اور خلافت و امارت کی مہمات سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے قابل بنا دیا تھا لیکن عہد عثمانی کے آغاز ہی سے ان کی یہ قائدانہ صلاحیت و اہلیت اور روشنی طبع ہی ان کے لیے مشکلات کا سبب بن گئی ان کی راہ کی سب سے بڑی اُلجھن اور مشکل یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں نہ کبھی کوئی ایسا فعل انجام دیا اور نہ ہی کوئی ایسا قدم اُٹھایا جس کی نظیر عہد نبوت یا خلافت کے ہر دو سابق ادوار میں نہ ملتی ہو یا جو اپنے احوال و کوائف کے اعتبار سے ان سے کسی بھی طرح مختلف ہو اُن کے عہد میں ہر اقدام اور کارروائی کا فیصلہ ہمیشہ اس کی اقدار کو مدنظر رکھ کر کیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقدار و کوائف ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور اگر کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت ان تبدیلیوں کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو نہ درپیش معاملہ کے ساتھ انصاف کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے ضمیر کو مطمئن کیا جا سکتا ہے حضرت عثمانؓ نے اپنی زندگی کے ہر دَور اور ہر سطح پہ اپنے فکر و عمل کا ہمیشہ اچھا نمونہ چھوڑا ہے اُن کی ازدواجی زندگی بھی اعلیٰ اقدار و روایات کی حامل تھی اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا دور بھی اپنی مثال آپ تھا۔ اپنے عزیز و اقارب کے علاوہ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ بھی تالیف قلوب کا برتاؤ بھی حد درجہ مثالی تھا۔ تمام امور میں وہ جس چیز کا خصوصیت سے خیال رکھتے تھے وہ یہ تھا کہ معیتہ معاملات میں عدل و انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ان کی سیاسی تربیت ان کی ذمہ داریوں کا اثاثہ اور استعداد کی ضمانت تھی۔ مگر ان کی یہ استعداد و تربیت ان کی مشکلات میں کمی کرنے کی بجائے اضافہ کا سبب بن گئی۔ وہ احوال و کوائف کے متعدد و مختلف پس منظر میں توافق و تطابق کی جتنی کوشش کرتے تھے اتنے ہی حالات بگڑتے جاتے تھے۔

Marfat.com

استعداد و صلاحیت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی استعدادی صلاحیت اور زمام خلافت کی تیاری من جملہ دیگر نقائص و عوائق کے تو تھی ہی ان کی راہ کی سب سے بڑی دشواری و نقیض ان کی وہ فضیلت ہے جو ان کو اپنی قوم سے قبل اسلام کی طرف سبقت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ اس کو اور زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھیے کہ ان کی قوم کے لوگ بہت بعد میں اور بڑے تامل سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اگر حضرت عثمان رضؓ سابقون الاولون میں نہایت نمایاں فضیلت و خصوصیات کے حامل شمار ہوتے تھے تو ان کی قوم کے لوگ نبی کریم اور تمام مسلمانوں کے ساتھ سخت دشمنی اور عداوت پہ تلے ہوئے تھے اور کبار صحابہ سے سخت متنفر تھے لیکن اس صورت حال کے باوجود ان کافروں میں سے بعض لوگ حضرت عثمان رضؓ کی پناہ اور آڑ لینے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ جو کبار صحابہ کو سخت ناگوار گزرتا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو یہ منفرد خصوصیت اس لیے حاصل تھی کہ وہ کفر و شرک پہ اصرار کرنے والے اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھنے والے اپنے پورے قبیلہ میں سے تن تنہا مشرف بہ اسلام ہوئے تھے زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ ہر عرب ہمیشہ عرب کی طرف مائل و راغب رہتا اور اس کی پناہ تلاش کرتا تھا۔ گو دونوں متحارب گروہوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عثمان رضؓ کو مکہ روانہ کیا تو اُس وقت اُن کی حیثیت ایک مسلمان سفیر کی تھی جنہیں دیکھ کر مکہ والے ان کے درپئے آزار ہو گئے تھے اس وقت اُن کی حمایت ان کے مشرک چچازاد بھائیوں نے ہی کی تھی یہ بات اس وقت تو آئی گئی ہو گئی تھی اور کسی شخص نے اس کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا اس لیے یہ طریقہ کار نہ قبل از اسلام اُن کے لیے عجیب تھی اور نہ بعد از اسلام اُن کے لیے انوکھا تھا مشرکین مکہ صاحب الدعوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے بھی اسی لیے تو ڈرتے تھے کہ کہیں اُن کے قبیلہ والوں کے

Marfat.com

غیظ و غضب کا نشانہ نہ بن جائیں۔
غرضکہ جب شرک مع اپنی تمام اقدار و روایات کے اختتام کو پہنچ گیا اور اسلامی اقدار و مفاخر کا بول بالا ہو گیا تو حضرت عثمان غنی رضؓ کی خصوصی فضیلت ان کی راہ کا سنگِ گراں ثابت ہوئی یہاں ہمارے ذہن میں حضرت عثمان رضؓ کی سیرت کے حوالہ سے ایک مشہور مثل کی یاد تازہ ہو رہی ہے جس میں نجومیوں کے ایک طبقہ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں کچھ ایسے امور کی نشان دہی کی تھی جس میں بادشاہ کو آنے والے عقاب و عذاب سے آگاہ کیا گیا تھا جب کہ دوسرے نجومیوں نے اس کو ثواب و انعامات کی خوشخبری سنائی تھی لیکن مدلول کے اعتبار سے ہر دو قسم کے نجومیوں کی تفسیر و تشریح میں کوئی فرق نہیں تھا پہلے نجومیوں نے بادشاہ کے خواب کو اس لیے منحوس بتایا تھا کہ اس کے مطابق نہ صرف بادشاہ کے عزیز و اقارب یکے بعد دیگرے ہلاک ہو جاتے ہیں اور آخر میں بادشاہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے اس کے بعد دوسرے گروہ کے نجومیوں نے بتایا تھا کہ خواب سعد ہے اور طوالتِ عمر کی خوشخبری پر مبنی ہے اور یہ کہ بادشاہ اپنی قوم میں سب سے طویل العمر ہوگا۔ بہرحال مدلول کے اعتبار سے دونوں تشریحات یکساں تھیں لیکن پہلی تفسیر و تشریح ناراضگی اور برائی کا سبب بنی جب کہ دوسری تشریح خوشی و کامرانی کا موجب ثابت ہوئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں سب سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور یہی ان کی سب سے نمایاں اور عظیم خصوصیت تھی درآنحالیکہ ان کے تمام گھر والے شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شادی بیاہ کا مسئلہ اُس وقت کے سماج اور معاشرہ کا کوئی اہم مسئلہ نہ تھا عربوں میں شادی بیاہ کے حال احوال اور طور طریقے حسب معمول ایک ہی ڈھنگ پر کچھ اس طرح جاری و ساری تھے جیسے کہ اس کا تعلق محض شوہر و بیوی کے ذاتی اور نجی معاملات سے ہو اور کسی دوسرے کو اس سے

Marfat.com

کوئی تعلق نہ ہو لیکن حضرت عثمان رضؓ کا نکاح اس طریقہ پہ نہ خلافت سے قبل کبھی ہوا اور نہ بعد میں ان کے دو تاریخی نکاح تو پے در پے رسول اللہ کی بیٹیوں سے ہی ہوئے جن کی بدولت آپ ذوالنورین سے لقب سے مشہور ہوئے جس معروف طریقہ و دستور کے مطابق حضرت عثمان رضؓ نے حضرت رقیہؓ اور حضرت اُم کلثوم سے عقد کیا تھا اسی طریقہ پہ ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے رملہ، فاختہ اور نائلہ سے نکاح کیا تھا جو شریف خاندانوں کی پاک باز خواتین تھیں۔ یہ بیویاں ان کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں ان تینوں بیویوں میں سے حضرت نائلہ بنت الفرافضہ کا عقد اس وقت کے معاشرہ کے لحاظ سے اس نوعیت کا تھا جس کو معاشرتی مسئلہ کہا جا سکتا ہے اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ کا حجاز سے باہر کی غیر مسلم خواتین سے عقد کے رجحان کی اس وقت داغ بیل پڑی جب مسلمانوں نے مصر و شام اور عراق کے علاقے فتح کیے اور جس کا گہرا اثر عرب گھرانوں پہ پڑا اس سے اجل صحابہ کی خانگی زندگی میں انقلاب آگیا۔ غیر عرب اور اجنبی اقوام کے اختلاط اور میل جول کے باعث ان کے اطوار و عادات سے متاثر ہونے کے بعد کچھ ایسی چیزیں عرب گھرانوں میں داخل ہوگئیں جس کے وہ اس سے قبل قطعاً مانوس اور عادی نہ تھے! نائلہ بنت الفرافضہ سے حضرت عثمان رضؓ کے عقد کے اسباب و وجوہ کے متعلق بھی متعدد روایات مشہور ہیں جن میں سب سے مشہور یہ روایت ہے کہ انہوں نے کوفہ کے گورنر سعید بن العاص کے متعلق سُنا کہ انہوں نے نائلہ کی بہن سے عقد کر لیا ہے جس کی فراست و ذکاوت اور حسن و جمال کے چرچوں کے ساتھ خانگی امور میں سلیقہ و سگھڑاپے کی تمام اعزہ و اقارب میں بڑی شہرت تھی چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے سعید بن العاص کو لکھا کہ وہ ہند کی بہن نائلہ سے عقد کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کے بارہ میں انہیں کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں چونکہ ضب بن الفرافضہ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے اُنہوں نے اپنے باپ کو نائلہ کا عقد حضرت عثمان رضؓ سے کر دینے کا مشورہ دیا۔ نائلہ

Marfat.com

ایک ذہین ادیبہ تھیں اور اشعار بھی کہتی تھیں اور معقول گفتگو کرتی تھیں انہوں نے حضرت عثمان رضؓ سے عقد کے بارہ میں چند اشعار بھی کہے ہیں۔ وہ اپنے بعض اشعار میں اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہتی ہیں:-

الست ترٰی یا ضب باللہ انّنی مصاحبۃ نحو المدینۃ ارکبا

(اے ضب کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں خدا کی قسم مدینہ جانے والوں کی ہمرکاب ہوں -)

اذا قطعوا حزناً تخن رکابھم کما حرکت ریحٌ براعا مثقّبا

(جب سواریوں نے مسافت طے کرنا شروع کی تو غم سے آہ و بکا کرنے لگیں جب کہ تیز ہوائیں مہیب اور طویل راستہ پر چلنا شروع ہوئیں -)

لقد کان فی فیتان حسن بن ضمضم لک الویل یا لغنی الجناء المطنّبا

(حسن بن ضمضم نوجوانوں میں شامل تھا۔ مگر اے بھائی تجھ پر افسوس ہے کہ پردہ نشین خواتین کے کام نہ آسکا)۔۔۔ اور پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:-

قضی اللہ حقاً ان تموتی غریبۃً بیثرب لا تلقین اُمّا ولا ابا

(اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تو غریب الدیار ہو کر یثرب میں مرجائے جہاں نہ ماں سے مل سکے گی نہ باپ سے)

نائلہؓ کی قوم شام میں خانہ بدوشوں کی طرح قریہ بہ قریہ اور شہر بہ شہر کوچ کرتی پھرتی تھی جسے نائلہؓ بالکل پسند نہیں کرتی تھیں اور غربت و مسافرت کی اس زندگی سے سخت عاجز تھیں اس حالت میں جب ایک روز حضرت عثمانؓ نے ان کو دیکھا تو کہا کیا بات ہے کیا تمہیں میرا بڑھاپا پسند نہیں ہے اس پر انہوں نے جواباً کہا امیر المومنین خدا کی قسم میں ان عورتوں میں سے ہوں جنہیں اُن کے شوہر بحالت کہولت بھی محبوب ہوتے ہیں حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا میں تو کہولت اور ادھیڑ عمر کی حد سے بھی متجاوز ہو چکا ہوں - اور بوڑھا ہوں بہر حال غربت کی مایوس کن زندگی کے بعد جو دور شروع ہوا اس میں شوہر بیوی کے درمیان ایسی اُلفت و محبت قائم رہی کہ حضرت عثمانؓ کے انتقال کے بعد

Marfat.com

بھی ان کی جوان العمر بیوی نائلہ رضؓ نے کسی بھی نوجوان شخص سے خواہ وہ کتنا ہی معزز اور نجیب الطرفین ہوتا عقد ثانی کو بالکل پسند نہیں کیا حتیٰ کہ اس سلسلہ میں وہ کسی طرف سے بھی سلسلہ جنبانی کو سخت ناپسند کرتی تھیں چنانچہ اس نوع کے تمام سلسلے بند کرنے کے لیے انہوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی - اور جب امیر معاویہ رضؓ نے اس بارہ میں ان سے رجوع کرنا چاہا تو انہوں نے قاصد کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آخر وہ ایک گوشہ نشین اور مایوس خاتون سے اور کیا توقع رکھتے ہیں؟ اس واقعہ سے پہلے نائلہ رضی اللہ عنہا جس قسم کے خطوط امیر معاویہ رضؓ کو لکھتی رہیں اس کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل اس خط سے بھی ہو سکتا ہے جس میں وہ حضرت عثمان رضؓ کے قتل کا حال لکھتی ہیں :-

"نائلہ رضؓ کا خط معاویہ رضؓ بن ابی سفیان کے نام"

"اما بعد! میں آپ کی توجہ اس اللہ کی طرف مرکوز کراتی ہوں جس نے آپ کو اپنے انعامات سے نوازا اور دولت اسلام سے مالا مال کیا ہے اسی نے تاریکی سے ہدایت کے نور کی طرف آپ کی رہنمائی کی ہے، کفر سے بچایا اور دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی نصرت و اعانت کی ہے اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں آپ کو بھرپور طریقہ پر عطا کی ہیں - میں آپ کو حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ خلیفہ کے حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پوری ہمت و ہزیمت کے ساتھ اُن کی نصرت و اعانت کی طرف توجہ کرنے اور کلام الٰہی کی اس آیت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑنے لگیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو اور اگر ان میں سے کوئی فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو تم زیادتی کرنے والے سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس نہ لوٹ آئے۔"

Marfat.com

آج امیر المومنین کے خلاف بغاوت برپا ہے اگر عثمان رضؓ کا آپ پہ کوئی حق بجز حق دولت کے نہیں بھی بنتا ہے تب بھی ہر اس مسلمان کا جو ان کی امامت کا خواہاں ہے یہ فرض ہے کہ وہ ان کی مدد کو اُٹھ کھڑا ہو پھر آخر ایسا کیوں نہیں ہو رہا ہے جب کہ آپ سب کو ان کے اسلام کی طرف سبقت وپہل کا بخوبی علم ہے اور ان کی مشکلات کو بھی جانتے ہیں اور اس امر سے بھی پوری طرح واقف ہیں کہ اُنھوں نے اللہ کے داعی اور نبی مُرسل کی دعوت کو دل و جان سے قبول وتسلیم کیا کتاب اللہ کی تصدیق کی اور اللہ کے رسول کی دل و جان سے اطاعت کی، اللہ اس شخص کو خوب جانتا ہے جس نے اس کا امامت کے لیے انتخاب کر کے اس کو دنیاوی و اُخروی شرف سے نوازا ہے۔"

اس کے بعد نائلہ رضؓ نے اپنے خط میں حضرت عثمان رضؓ کے قتل کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عثمان رضؓ کی نصرت و اعانت میں کوتاہی کرنے والوں کو متہم و مطعون بھی کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ اس اتہام و الزام میں صوابدید سے بہک گئی ہوں اور الزام تراشی میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہو اس لیے کہ شدت غم واندوہ میں غلط رائے قائم کرنے کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں جیسا کہ حکیم بن معرّہ نے ایسے موقعوں کے لیے کہا ہے:-

ربما اذھل الحزین جوی لحز ن الیٰ غیر لائق بالسراد

(ایسا اوقات غمگین انسان شدت غم میں صوابدید سے ہٹ جاتا ہے)

مثلما فاتت الصلواۃ سلیما ن فانحیٰ علی رقاب الجھاد

(جیسے کہ حضرت سلیمان کی نماز قضا ہوئی - تو وہ اس کو گھوڑوں میں مصروفیت کا باعث سمجھ کر ان کو ہلاک کرنے پہ تُل گئے)

حضرت نائلہ حضرت عثمان رضؓ کو بہت محبوب تھیں اور وہ ان کی بہت عزت

Marfat.com

کرتے تھے انہیں نائلہ رضی اللہ عنہا کے مشوروں پر اپنے مقرب ترین اور معتمد علیہ سیکریٹری مروان بن الحکم سے بھی زیادہ وثوق و اعتماد تھا مگر یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ایک دوسرے کو ملاحیاں بھی سناتے رہتے تھے چنانچہ ایک دن جب مروان نے نائلہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ان کے باپ کو تو اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں آتا ہے تو نائلہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر ان کے باپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا نہ ہوتے اور ان کو صدمہ پہنچنے کا خیال نہ ہوتا تو وہ مروان کے باپ کے متعلق کچھ اور ہی سچی بات بتاتیں۔ یہ سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آ گیا اور انہوں نے دھمکی آمیز انداز میں مروان سے کہا اگر انہوں نے نائلہ سے مزید تعرض کیا تو ان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ مرد کے اخلاق و کردار کا سب سے درست اور صحیح پیمانہ بیوی سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتا مرد کی طبیعت کی گہرائی اور عمق کا صحیح اندازہ صرف بیوی کو ہی ہو سکتا ہے البتہ کبھی کبھی بیوی کو بھی، مرد کی عقل و دانش اس کی اعجوبگی اور طرفگی کا اندازہ لگانا خاصا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کے لیے یہ کام قطعاً مشکل نہیں ہے کہ وہ ان دو شخصوں کے درمیان فرق و تمیز کرے جن میں سے ایک سب کا محبوب و مطاع اور بارعب ہے اور دوسرا شخص اپنے دوستوں کے لیے بھی کمزوری اور عاجزی کا مظہر ہے اس سچے اور صحیح پیمانہ کی کچھ جھلکیاں ہمیں عراق و شام نیز ایشیائی و افریقی فتوحات کے بعد اسلامی معاشرہ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ جس ڈگر پر اس دور کے مسلمان زندگی گزار رہے تھے ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور مرجع شخصیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی۔ یہی وہ مخصوص ہستی تھی جس کی غالب شخصیت ہر اس شخص کو متاثر کرتی تھی اور اپنے رنگ میں رنگ لیتی تھی جس سے اس کا کسی طرح کا واسطہ پڑتا تھا۔ اس کی زندہ مثال ہمیں نائلہ رضی اللہ عنہا میں ملتی ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں تقویٰ کریم النفسی اور جود و سخا سے اتنی متاثر تھیں کہ انہوں نے اپنی نفرتوں عقیدہ کے اختلافات اور خانگی احوال کے تغیرات کے باوجود کبھی حضرت

Marfat.com

عثمان رضؓ کے مانوس و مالوف طریقہ سے سرمو انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ ان کے طریق زندگی پر سیدھی سیدھی چلتی رہیں اور جس طرح وہ ان کی زندگی میں ان کی پاکیزہ صفات اور اخلاق عالیہ سے متاثر تھیں ان کی وفات کے بعد بھی ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہیں۔ اس زمانہ میں عرب حکومتوں کے متعدد حکام و عمال شہری و دیہی علاقوں کی شریف زادیوں اور کنیزوں کو اپنے حبالۂ عقد میں لا چکے تھے جس کے باعث ہر قسم کی تمدنی و معاشرتی تبدیلیاں ان کی خانگی زندگی میں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں اور وہ طرح طرح کے خوش ذائقہ کھانوں اور لذیذ مشروبات سے لطف اندوز ہونے لگے تھے حتیٰ کہ شراب و کباب کی محفلیں بھی اب ان کے یہاں آراستہ ہونے لگی تھیں چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت سے پہلے جب اس قسم کی رنگین محفلوں کی خبر حضرت عمر رضؓ کو ملتی تھی تو ان کا ڈنڈا ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لیے حرکت میں آجاتا تھا اور اگر پھر بھی بعض لوگوں کی غیر اسلامی طرز زندگی اور غیر اخلاقی اقدار حیات پر قائم رہنے کی اطلاع ان کو مل جاتی تھی۔ تو پھر ان کی سخت گرفت سے ایسے لوگ بچ بھی نہیں پاتے تھے لیکن جو شخص اپنی اقتدار کے ضعف و کمزوری کے باعث مذکورہ بالا ہستی کی طرح اطاعت و انقیاد کے مرتبہ پہ فائز نہیں ہوتا وہ اپنی غیر جاذب شخصیت کے باعث اپنے عزیزوں اور دوستوں کو اپنے رنگ میں رنگنے اور ان کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب نہیں ہوتا ہے، اس کی مثال بحرالکلبی کی بیٹی میسون ہیں جو نائلہ بنت الفرافصہ کی ہم قبیلہ ہیں اور جن کا نکاح امیر معاویہ سے ہوا تھا دمشق میں ان کا قیام اگرچہ ان کی دیہی رہائش سے بالکل قریب تھی لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ اپنی دیہی رہائش گاہ کو یاد کرتی رہیں چنانچہ امیر کے عالیشان اس محل کو انھوں نے ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا اس سلسلہ میں میسون نے چند اشعار بھی نظم کیے ہیں جو ہر زاہد شب بیدار کے ورد زبان رہے ہیں۔

لبیت تخفق الارواح فیہ   احب الیّ من قصر منیف

Marfat.com

(وہ گھر جس میں ہوائیں کانپتی رہتی ہیں ۔ مجھے عالیشان محل سے زیادہ محبوب ہے)

ولبس عباءۃ و تقر عینی احب الیّ من لبس الشفوف

(موٹی اور ڈھیلی عبا میری آنکھوں کی راحت ہے ۔ اور یہ مجھے باریک اور نرم کپڑے سے زیادہ محبوب ہے)

اور مندرجہ ذیل اشعار میں وہ اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتی ہیں :-

وخرق من بنی عم نحیف احب الیّ من علج علیف

(ذکی وحسین میرا عم زاد دُبلا پتلا بھائی ۔ مجھے موٹے بھدّے اور پیٹو شخص سے زیادہ محبوب ہے)

فما ابغی سوی وطنی بدیلا فحسبی ذاک من وطن شریف

(میرے وطن کا کوئی نعم البدل نہیں ہے ۔ میرے لیے میرا وطن عزیز ہی کافی ہے)

ان کے ان جذبات اور قلبی کسک کا اندازہ اُس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب شام کے محلوں اور حجاز کے معمولی مکانوں کے تفاوت و فرق کو امیر معاویہ رضؓ اور خلیفہ سومؓ کی عمروں کے فرق کو اور خلیفہ سومؓ کی بیوی نائلہ اور امیر معاویہ رضؓ کی بیوی اور یزید کی ماں میسون کی آرزوؤں اور اُمیدوں کے درمیان فرق کو بھی اچھی طرح ملحوظ خاطر رکھا جائے ۔ بہر حال منجملہ دیگر تابناک پہلوؤں کے حضرت عثمان رضؓ کی سیرت و شخصیت کا یہی وہ روشن پہلو ہے جس نے ان کی پاکیزہ سیرت کا کوئی گوشہ کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور ایک مورخ کو ان کے اخلاقی اقدار کے اس روشن پہلو سے وہ سب کچھ وضاحت مل جاتی ہے جس کے باعث وہ ہر اس شخص کو اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے جو ان کے قریب آتا یا ان کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا ان کی سیرت کے اخلاقی جوہر اس وقت اور زیادہ اُجاگر ہوئے جب ان کا تعلق اس ہستی سے قائم ہوا جو زندگی میں سب سے زیادہ اُن سے قریب رہیں اور

Marfat.com

ان کی عمدہ صفات وکردار سے متاثر ہوئیں اور وہ ہیں سیدہ نائلہ رضؓ جو حضرت عثمانؓ کے حبالۂ عقد میں اُس وقت آئیں جب وہ اپنی غریب الوطنی کے شدید احساس سے دوچار تھیں اور جب انہیں اپنے عم زاد بھائی سے رشتۂ مناکحت کا خیال ترک کرکے غیروں میں ازدواجی رشتہ قبول کرنا پڑا تھا لیکن ان تمام امور کے باوجود وہ ہمیشہ نہ صرف خلوص نیت کے ساتھ اعتقادی طور پر اُسی دین حنیف کے ساتھ ہمیشہ منسلک ووابستہ رہیں جو اُن کے محترم ومحبوب شوہر حضرت عثمان کا دین تھا غرضکہ نائلہ کی شخصیت ہر حیثیت سے معروف ومعزز ہے ان کا قبیلہ بنو کلب سے تھا جو زمانہ قدیم میں ترکِ وطن کرکے جزیرۃ العرب میں آکر آباد ہوگیا تھا اور حسب نسب میں اپنی شرافت ونجابت کو قائم رکھنے کے ساتھ اپنی عصبیت وفصاحت وبلاغت لسانی کی حفاظت کے لیے مشہور تھا۔ اور اسلامی عہد کے صدیوں بعد تک اپنی اولاد کی لسانی فصاحت اسالیب بغاوت، بدویانہ خشونت اور تنومندی کی روایات کو برقرار رکھنے کے لیے تمام عرب قبائل میں نہایت معروف ومشہور تھا یہی وجہ ہے کہ آج تک اس قبیلہ کے لوگوں کے احوال واخبار واسماء سے بھی جاہلانہ قدیم عصبیت وخشونت کی بُو آتی ہے ان میں بدویانہ خصلتیں اور نسلی عصبیتیں اس قدر جڑ پکڑ چکی تھیں کہ وہ آسانی سے غیروں کے اخلاق وعادات طور اطوار اور رہن سہن کے آداب قبول نہیں کرسکتے تھے، یہ قبیلہ ابتداء ہی سے وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب چلا آرہا تھا۔ بہرحال الفرافضہ بن لاحوص بن عمرو بن تغلبہ کا شمار قبیلہ کلب کے اشراف میں ہوتا تھا جس نے اپنی بیٹی نائلہ رضؓ کا عقد حضرت عثمان رضؓ سے کر دیا تھا انہی میں جناب بن ہبل بن عبداللہ بن کنانہ ایک مشہور شخص گزرے ہیں اور انہی کے اسلاف میں دحیہ بن خلیفہ الکلبی بھی گزرے ہیں جن کی شکل وصورت میں بھی کبھی جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آیا کرتے تھے اور اسی قبیلہ کے حسان بن مالک بن جذیمہ کا تعلق بھی تھا۔ مشرق میں واقع بعض

Marfat.com

عبادت خانوں اور گرجاؤں کے حوالہ سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ مذکورہ قبیلہ کے رئیسوں اور زعیموں نے شام میں رومی حکومت کے قیام سے قبل مسیحیت کی طرف اپنا رجحان ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال ان باتوں میں سے جو بات بھی صحیح ہو اس امر سے کسی کو مجال انکار نہیں کہ یہ قبیلہ اپنی قوت و اقتدار نسبی شرافت خاندانی فخر و مباحات اور بدویانہ خشونت و عصبیت میں بے حد پختہ اور کٹر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شام کے قصور و محلات اور دمشق کی شہری زندگی کی آرام دہ آسائشیں بھی یزید کی ماں میسون کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے پر مائل و راغب نہ کر سکیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے مجبوراً یزید کو اس کی ماں کے ساتھ بدویانہ زندگی کے اخلاق و عادات اور صحرائی معاشرت کی سختیوں کو جھیلنے اور مستقبل کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل بننے کے لیے اس کے ننھیالی دیہی علاقہ میں بھیج دیا تھا لیکن اسی قبیلہ کی ایک دوسری معروف خاتون حضرت نائلہ حضرت عثمانؓ کی پاکیزہ سیرت اور اعلیٰ اقتدار سے متاثر ہو کر صحرائی زندگی کو یکسر بھلا دیتی ہیں اور اس حد تک فراموش کر دیتی ہیں کہ ان کی ہم قبیلہ خواتین کو بھی ان کی سرد مہری سخت ناگوار گزرتی ہے بہر حال اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ انہوں نے کسی کمزور طبیعت انسان کے اخلاق و عادات سے متاثر ہو کر ایسا کیا تھا۔ اس کے برخلاف وہ ایسے شخص کے اخلاق و سیرت سے متاثر ہوئی تھیں جو آہنی عزم و ارادہ کے لوگوں کو متاثر کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔

نائلہ رضؓ کے بطن سے حضرت عثمان رضؓ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام خود انہوں نے مریم رکھا تھا ہو سکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ مذکورہ نام حضرت عثمان رضؓ نے بچی کے ماں کے کہنے پر رکھا ہو جو کبھی مسیحیت کے عقیدہ سے متاثر رہ چکی تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کو ہی مریم نام خود بہت پسند تھا چنانچہ ام عمرو بنت جندب کے بطن سے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی اس کا نام بھی انہوں نے مریم رکھا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دور

Marfat.com

نو شادیاں کیں ان میں سے تین بیویاں ان کی شہادت کے بعد تک زندہ رہیں جن کے نام نائلہ، فاختہ اور رملہ تھے بشرطیکہ یہ بات صحیح ہو کہ انہوں نے ام البنین کو حالت محاصرہ میں طلاق دے دی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ کے مختلف بیویوں سے نو لڑکے اور سات لڑکیاں پیدا ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دو صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہ رضؓ کے لڑکے عبداللہ کے سوا کوئی اولاد نہیں ہوئی جو چھ برس زندہ رہ کر فوت ہو گئے۔ ان کی آنکھ میں مرغ نے ٹھونگ مار دی تھی جس کے باعث ان کا چہرہ متورم ہو گیا تھا اور اسی باعث ان کا انتقال ہو گیا تھا حضرت عثمان رضؓ کی بقیہ اولادیں دوسری بیویوں کے بطن سے پیدا ہوئیں جن کا کوئی تاریخی کردار نہیں رہا۔

معاشرتی حالات

حضرت عثمان رضؓ کے اسلام لانے کے بعد سریر خلافت پر متمکن ہونے تک حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے اسلامی تعلیمات اور نظریۂ حیات نے عرب معاشرہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی دوسری طرف عالمی پیمانہ پر شرقی و مغربی قوموں نے اسالیب معیشت اور تہذیب و اخلاق کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا تھا۔ جس وقت حضرت عثمان رضؓ مسلمان ہوئے تھے تو اسلام کا دائرہ دعوت بہت محدود تھا اور شروع میں چند ایسے گنے چنے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے جو نئے عقائد کی رُو سے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی نجات کے خواہش مند تھے اور ایک معاشرہ سے نکل کر دوسرے معاشرہ میں اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں جا کر تحفظ و پناہ حاصل کرنا چاہتے تھے اس کے بعد صاحب الدعوت و تبلیغ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ تبلیغ و دعوت مزید وسیع ہوتا چلا گیا جس کے ساتھ جہاد و فتوحات کے ثمرات بھی رونما ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ پورا جزیرہ العرب آپ کی وفات سے قبل اسلام کی آغوش میں آ گیا اور دین الٰہی نے تمام قبائل عرب کو ان کے حسب و نسب اور طبقاتی اختلافات کے باوجود

Marfat.com

ایک جان دو قالب بنا کر ایک مشن پر متحد و متفق کر دیا۔ آپ کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آپ کے جانشین ہوئے جن کے عہد میں فتوحات کے نئے دور کا آغاز ہوا سب سے پہلے فتنہ ارتداد کی سرکوبی کی گئی اور پھر عراق کے علاوہ فارس و روم کے قرب و جوار کے تمام علاقے فتح کیے گئے ان فتوحات کا دائرہ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت سے قبل حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں اس حد تک وسیع ہو گیا کہ عرب و عجم کے اکثر و بیشتر ممالک اب اسلام کے زیر نگیں آ گئے۔ اور ابھی حضرت عثمانؓ کی خلافت پر چند سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ انقصائے مشرق و مغرب کو چھوڑ کر معمورۂ عالم کا بہت بڑا حصّہ فتح ہو گیا اور اس طرح عرب و عجم کے تمام عربی و ایرانی رومی و مصری اور بربر باشندے تاریخ میں پہلی مرتبہ عظیم اسلامی جھنڈے کے سایہ میں جمع ہو گئے اور ایک عظیم و وسیع اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آ گئی۔

عرب معاشرہ کے بارہ میں بطورِ خاص یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ثروت و امارت کے نام سے قطعی ناآشنا تھا یا آشنا تھا مگر اس سے محروم تھا جزیرۃ العرب میں امارت و خوشحالی قدیم زمانہ سے موجود تھی مگر دولت میں معتدبہ اضافہ سے بھی اس وقت تک معاشرہ میں کسی ٹھوس تبدیلی کا اظہار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ زندگی کے حوالہ سے انسان کے نقطہ نظر میں بھی تبدیلی نہ پیدا ہو اور اگر ہم اس اصول کے تحت اس وقت کے غیر عربی اور غیر اسلامی معاشرہ پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں جس کی وسعتوں میں حضرت عثمان رضؓ کی بے پایاں فتوحات کے باعث بے حد اضافہ ہو چکا تھا تو ہمیں کچھ اور ہی سماں نظر آتا ہے ایام جاہلیت میں کسی عیش پسند مال دار عرب کو اپنی عیش و عشرت کی زندگی سے عار نہیں آتا تھا اور اس کے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ وہ کسی شخص کی ایسی کوئی چیز چھین لے جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے یا کسی ایسی چیز سے فائدہ اٹھائے جس کا اسے کوئی مجاز نہیں ہے وہ اپنے عیش و نشاط میں اتنا مگن

Marfat.com

رہتا تھا کہ اپنے ہم عصروں میں فخر و مباہات سے اپنا سر بلند رکھنے کے سوا کسی اور شے کا اس کو ہوش ہی نہیں رہتا تھا اور جس کسی کو یہ عیش و نشاط حاصل نہیں ہوتا تھا وہ نہ صرف اس سے حسد کرتا اور جلتا تھا بلکہ اس کی عیش بھری زندگی کو ایسی حسرت بھری نظر سے دیکھتا تھا جیسے اس کی بہت ہی قیمتی شے اُس کی زندگی سے گم ہوگئی ہو ۔ لیکن آفتاب اسلام کی ضیاء پاشیوں نے ان حالات میں یکسر تبدیلی پیدا کر دی تھی اور وہ لوگ جو دولت کے پجاری تھے دولت و ثروت کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگے تھے چنانچہ ہر صاحب حیثیت عرب خواہ وہ کتنا ہی معزز و مال دار ہوتا اس کی نئی اسلامی زندگی میں دنیاوی دولت کی اب کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہی تھی اور ایام جاہلیت کی لایعنی اور لاابالی زندگی کا خیال اس کے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا اور اس کی جگہ اسلام کی اعلیٰ و ارفع قدریں پورے معاشرہ میں سرایت کر گئی تھیں اور شراب و کباب اور عیش و نشاط سے پُر مسرفانہ زندگی کا خیال ہر شخص کے دماغ سے نکل گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ جب دنیوی دولت و ثروت کے متعلق لوگوں کا نقطہ نظر ہی یکسر تبدیل ہوجائے تو پھر ان کی نظر میں قلت و کثرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا حضرت عثمانؓ کے دور میں ہر ایک شخص کے پاس اتنی دولت تھی جتنی شاید عرب کے تمام سرداروں اور رئیسوں کے پاس مجموعی طور پر بھی نہ ہوگی تاریخ کے معتمد و معتبر حوالوں سے منقول ہے کہ عبدالرحمان بن عوفؓ کے پاس اتنا سونا تھا جسے کلہاڑوں سے کاٹنے میں لوگوں کے ہاتھ سرخ ہوجاتے تھے انہوں نے اپنے مرنے کے بعد ایک ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے چھوڑے تھے اور جب ان کی دولت سولہ حصوں میں تقسیم کی گئی تو ہر ایک کے حصہ میں اسی ہزار دینار آئے انہوں نے اپنے کھیتوں کی آب پاشی کے لیے مختلف مقامات پر بیس رہٹ لگا رکھے تھے انہیں ان کے تجارتی کاروبار سے لاکھوں کی آمدنی ہوتی تھی اور جب کبھی ان کے پاس مختلف قسم کے کاروبار، تجارت اور زراعت سے لاکھوں دینار

Marfat.com

جمع ہو جاتے تھے تو وہ انہیں غرباء اور مجاہدین میں بے دریغ تقسیم کر ڈالتے تھے حضرت ابن عباس رضؓ کا بیان ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ بیمار ہوئے تو انہوں نے اپنے ثلث مال کے بارہ میں وصیت فرمائی جس کے مطابق عمل درآمد کر کے اس کو خیرات میں صرف کر دیا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا اے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں میں سے جو بھی اصحاب بدر میں شامل رہے ہیں ان میں سے ہر ایک کے لیے میری طرف سے چار سو دینار واجب الادا ہیں اس پر حضرت عثمان رضؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کے ساتھ لینے کے لیے چل پڑے کسی نے ان سے کہا اے ابو عمرو! کیا آپ مال دار نہیں ہیں؟ یہ سن کر انہوں نے جواب دیا عبدالرحمٰن کی طرف سے یہ صدقہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے ازراہ محبت اپنے حلال مال میں سے لوگوں کو عطیہ دیا ہے غرضکہ اس روز عطیہ کے طور پر جو رقم لوگوں کو دی گئی وہ ڈیڑھ لاکھ دینار تھی۔ علاوہ ازیں جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ غلام جمع ہو جاتے تھے تو وہ اُن کو آزاد کر دیتے تھے اور ان کی گزر بسر کے لیے کچھ ان کا روزینہ بھی مقرر فرما دیتے تھے اسی طرح جب زبیر بن العوام مرنے کے قریب ہوئے تو ان کے بیٹوں نے میراث میں اپنا حصہ طلب کیا لیکن عبداللہ بن زبیر رضؓ نے تقسیم سے انکار کر دیا اور کہا کہ لوگوں میں چار سال تک اس امر کی منادی کی جائے گی جس کسی کا قرض زبیر رضؓ پر ہو وہ آکر لے جائے، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان کے پاس اکثر و بیشتر ان تاجروں کی امانتیں جمع رہتی تھیں جو تجارتی کاروبار کی وجہ سے حجاز میں آتے جاتے رہتے تھے، غرضکہ جب چار سال کی مدت ختم ہو گئی تو اُنہوں نے اپنا مال بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ جو پچاس ہزار دو سو دینار تھا۔ اسی طرح طلحہ رضؓ کا عراق میں چار یا پانچ لاکھ اور سراۃ میں دس ہزار دینار کا کاروبار تھا، وہ بنی تیم کے ہر خاندان کی کفالت کرتے اور بیوگان کا عقد کر انے کے ساتھ ان کے قرض بھی ادا کرتے تھے۔

صاحب الصفوۃ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ ایک اراضی کا

Marfat.com

سات لاکھ میں سودا کیا تھا اور جب وہ رقم لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا آج رات ان کے پاس ایک شخص ٹھہرا ہوا ہے خدا جانے شب میں اس کے دل میں کیا خیالات آئیں چنانچہ جب صبح ہوئی تو اس رقم میں سے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔

ایک روز عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی اپنے شوہر کے پاس کمرہ میں داخل ہوئیں تو وہ بہت مغموم اور اُداس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اپنے شوہر سے دریافت کیا کیا حال ہے؟ عوف فرمانے لگے مال کی کثرت و بہتات نے مجھے سخت اذیت و کرب میں مبتلا کر دیا ہے ان کی بیوی نے کہا تو پھر کیا ہوا جو کچھ آپ کے پاس ہے اسے تقسیم کر ڈالیے، چنانچہ انہوں نے سب کچھ تقسیم کر دیا اور اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں رکھا۔ ان کے خازن کا بیان ہے جو رقم اس روز تقسیم کی گئی وہ چار لاکھ درہم تھی اس میں شک نہیں کہ کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس یہ کثیر دولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر بنو اُمیہ کے عہد تک جمع ہوئی تھی۔ بعض لوگوں نے ان خبروں کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔ مگر اس میں شک وشبہ کی ایسی کوئی بات تو نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ رقموں کے لکھنے اور اعداد وشمار میں لوگوں نے دقت نظر سے کام نہ لیا ہو اور ملیون، آلاف، اور مئات میں رقموں کے شمار و اظہار میں کچھ سہو ہو گیا ہو لیکن اتنی بات بہر حال یقینی ہے کہ اس زمانہ میں دولت وثروت کی فراوانی اور کثرت کا بدیہی سبب وہ تجارتی کاروبار تھا جو اس زمانہ میں عراق وشام اور جزیرۃ العرب کے راستہ مشرق سے مغرب تک کے پورے علاقہ میں بڑے پیمانہ پہ فروغ پا رہا تھا۔ بہر حال ایام جاہلیت میں بعض عرب سردارانِ قریش کے پاس بھی کافی دولت تھی اور ان کی دولت اور کثرت آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ وہ سلسلہ مواصلات تھا جو یمن وشام کے مابین ہمیشہ رواں دواں رہتا تھا اور جس پہ ان کا مکمل کنٹرول تھا حجاز کے

Marfat.com

ماسوا ان عربوں کو کسی اور جگہ مواصلات پہ کہیں کنٹرول حاصل نہ تھا بلکہ اس کنٹرول میں بھی یمن و شام کے درمیان آباد قبائل کے اشتراک و تعاون اور پرامن رواداری کے بغیر حجاز کے یہ سردار بھی عاجز رہتے تھے جس کے لیے اس راستہ کو پرامن رکھنے کے لیے ان قبائل کو کچھ نہ کچھ ہمیشہ دینا دلانا پڑتا تھا۔ لیکن جزیرۃ العرب میں مکمل امن و امان چاروں طرف قائم ہوگیا اور فتوحات اسلامی کا دائرہ عراق و شام اور فلسطین و مصر تک دراز ہوگیا اور اس راستہ پہ چلنے والے قافلے شرقاً و غرباً اور شمالاً و جنوباً پوری طرح امن و سکون اور اطمینان سے چلنے لگے اور عالمی پیمانہ پہ تجارتی مواصلات کا دائرہ بھی اس خطہ میں وسیع ہو گیا تو اس خطہ سے زیادہ پھر کسی جگہ کا کوئی دوسرا راستہ تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے اس قدر بڑا نفع بخش نہیں رہا تھا، غرضنکہ قریش کے ہر بڑے تاجر کو اس راستہ سے ہزارہا دینار سالانہ کمانے کا سنہرا موقع ہاتھ آگیا تھا جس کے امکانات دوسری جگہ برسہا برس کے بعد بھی پیدا نہیں ہوسکے تھے یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دورِ جدید میں مشرقی ہند کی کمپنیوں نے تجارت سے لاکھوں روپیہ بطور منافع حاصل کیا ہے مگر وہ بھی اس مذکورہ بالا منافع کے مقابلہ میں باعتبار وسعت و ضمانت کے کم ہے اس لیے کہ ان کمپنیوں کو بحری و برّی ٹیکسوں کے علاوہ تاوان کی بھاری رقم بھی ادا کرنی پڑتی ہے اور پھر بھی اُن کو وہ مواصلاتی سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں جو اس زمانہ کے تاجروں کو حجاز میں حاصل تھیں۔ اس دور کے تاجروں کو بجز زکوٰۃ و حفاظت و چوکیداری کے خرچہ کے اور کسی قسم کے ٹیکس وغیرہ مطلق دینے نہیں پڑتے تھے جو کچھ تھا وہ ان کا خالص منافع تھا۔ البتہ اس عملہ کی تنخواہوں کا حصہ رسدی بار اُن کو بھی اُٹھانا پڑتا تھا جو اس وقت تمام اطراف و کناف عالم میں رائج تھے اس کے علاوہ ان کو ان دیگر گراں بہا اخراجات سے مطلقاً کوئی سروکار نہ تھا جن سے ہند کے مشرقی کنارہ سے لے کر مغرب اور سواحل روم کے تاجروں کو واسطہ پڑتا تھا بہرحال ہمیں یہاں

Marfat.com

ان لوگوں کے شکوک کا ازالہ کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عربوں کے پاس ساری دولت مال غنیمت کے نتیجہ میں جمع ہو گئی تھی جنگ میں غنائم کی تقسیم سے جو کچھ تھوڑا بہت کسی کو ملا بھی تھا وہ بھی اس عظیم دولت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا جو عربوں کو تجارت اور کاروبار کے فروغ سے حاصل ہوا تھا حتیٰ کہ طلحہؓ زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے لوگوں کے بس کی بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ مال غنیمت کے ذریعہ اتنی کثیر دولت جمع کر لیتے علاوہ ازیں اس تجارتی کاروبار نے اس زمانہ کے کاروباری آداب و معاشرتی اخلاق اور جنگ و جدال کے ذریعہ صاحبانِ دولت کے معاشرہ میں مادی نقطہ نظر سے آسمان زمین کا فرق پیدا کر دیا تھا اور ان دونوں قسم کے لوگوں کے مابین واضح فرق کو سمجھنے کے لیے صرف حضرت عمرؓ کے دَور کو ہی ملاحظہ کر لینا کافی ہے۔ محمد بن سیرینؒ لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک کنیز کی خرید و فروخت اس کے وزن کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک گھوڑے کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اور کھجور کا ایک معمولی درخت ہزار دینار میں فروخت ہوتا تھا بہرحال یہ اس دَور کی بات ہے جب صدقات و خیرات کی کثرت کے ساتھ رزق کی فراوانی اور بہتات تھی اور آج کل کی طرح سونے اور چاندی سمیت کسی چیز کی بھی ذخیرہ اندوزی نہیں کی جاتی تھی غرضیکہ اسلام نہ تجارت کو منع کرتا ہے اور نہ جائز طریقہ سے مال و دولت حاصل کرنے پر کوئی قدغن عائد کرتا ہے وہ تنعم و عیش و عشرت کی ایسی زندگی کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی ممانعت بھی کرتا ہے جو بندہ کو خود فراموشی کے ساتھ خدا فراموشی کا سبق بھی دیتی ہے وہ انفاق فی سبیل اللہ کو پسند کرتا اور نہایت مستحسن قرار دیتا ہے اور اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے "تاکہ دولت اغنیاء و امراء میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔" وہ لوگوں کو اس کے انجام سے بچانے کی سخت تاکید کرتا ہے تاکہ معاشرہ کا ایک طبقہ مال دار ہوتا نہ چلا جائے اور دوسرا طبقہ مفلس و محتاج بن کر نہ رہ جائے۔ اسلام

Marfat.com

کے ابتدائی دور اور دعوت کے اوّلین برسوں ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی اسلامی معاشرہ کو اغنیاء و فقراء کی جانب سے دولت کی کثرت و بہتات کے باوجود کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی اس لیے کہ صاحبان ثروت و امارت خود خوف خدا رکھنے والے اور مال و دولت کے فتنوں سے پوری طرح آگاہ تھے وہ مجاہدین و محرومین اور فقراء و غرباء کے بڑے ہمدرد و غمخوار تھے اور ان میں اپنی دولت تقسیم کرنے کے لیے بے چین رہتے تھے! اس موقع پر غازیوں اور مجاہدوں کی تخصیص اُن کے اعزاز و اکرام کے خیال سے تھی کیونکہ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ کہیں وہ اس معزز گروہ سے علیحدہ نہ سمجھ لیے جائیں جو بدر وغیرہ کے معرکوں میں شرکت کا فخر حاصل کر چکے ہیں اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ لوگوں کے ہمراہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے پاس محض اس لیے گئے تھے تاکہ وہ بھی اس مال میں سے اپنا حصہ حاصل کر سکیں جو اصحاب بدر کے لیے تقسیم کیا جارہا تھا۔
ان کا موقف اس موقع پر وہی تھا جس کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں غرضنکہ صحابہ کرام کے اس موقف سے ہمیں اس جذبہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے جو اس دور میں ہر غنی اور فقیر کے دل میں موجزن تھا کہ وہ اس شرف سے محروم نہ رہے جو غزوہ بدر یا جہاد کے دوسرے معرکوں میں شرکاء کے لیے مخصوص تھا۔
جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور دولت و ثروت کی بے لگام کثرت نے سر اُٹھانا شروع کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اس فتنہ کو دبانے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کر دیں لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ تجارت کے فروغ اور کاروبار کے زبردست پھیلاؤ کے سبب ان کی عائد کردہ پابندیاں دیر تک قائم نہیں رہ سکیں تو سب سے پہلے انہوں نے صرف کبار صحابہ کو اپنے پاس رکھنے اور انہیں مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ کیا تاکہ بوقت ضرورت ان کے صائب مشوروں سے استفادہ کیا جا سکے اگرچہ بعض لوگوں کو انہوں نے بعض امور

Marfat.com

[illegible]

[illegible] ۔ حضرت عمرؓ کو [illegible]

[illegible] تو انہوں نے تحریف [illegible] کی ضرورت [illegible]

البتہ [illegible] اہم موقعوں پر [illegible] بطور [illegible]

سے حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اپنے دور میں روکا تھا [illegible]

جو خود بھی بڑے امین اور متدین تھے وقتاً فوقتاً لوگوں کو [illegible]

تھے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے فرمایا "اے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایسے لوگوں سے بچو جن کے پیٹ پھولے ہوئے ہیں اور ان کی [illegible]

Marfat.com

سے خیرہ ہوگئی ہیں اور محبت میں خود اپنی ذات کے گرد گھومتے رہتے ہیں ان کی انہی لغزشوں کو دیکھ کر دوسرے لوگ حیرت زدہ ہیں دیکھو تم ان میں سے نہ ہوجانا یاد رکھو جب تک اللہ سے ڈرتے رہوگے ان میں سے ہر شخص تم سے خوفزدہ رہے گا۔" ان کلمات میں غور و فکر اور فہم و سقوط کے بے شمار اسرار پوشیدہ ہیں اور ان میں انسانی طبائع کی فکر اور خطرات میں غور و خوض کے ایسے مضمرات چھپے ہوئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ خطرات کا منبع اور سرچشمہ کہاں ہے ان خطرات کو روکنے کے لیے صرف صاحب اولی الامر کی طاقت اور حاکمانہ قوت درکار ہے اور جب تک وہ خدائے لایزال سے ڈرتا رہے گا لوگ بھی اس سے ڈرتے رہیں گے، غرضیکہ حالات اسی نہج پر چل رہے تھے کہ مدینہ کی مملکت اسلامی کی زمام اقتدار حضرت عمرؓ کے طاقت ور ہاتھوں میں رہی، یہ دَور وہ تھا جب کبار صحابہ کا تقویٰ عروج پر تھا اور جہاد کے ساتھ اسلامی فتوحات کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا جارہا تھا۔ اکثر و بیشتر صحابہ تو حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد تک بدستور دنیاوی دولت سے بے نیاز اور گریزاں رہے ان میں سب سے زیادہ فروغ اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے کاروبار کو حاصل تھا لیکن وہ بھی اس بات سے شرمندہ ہوجاتے تھے جب لوگ ان کے وسیع کاروبار کے بارہ میں سوال کرتے یا ان کو زراعت یا تجارت کے امور میں مشغول پاتے ان کے بیٹے ابراہیم اپنے باپ عبدالرحمان بن عوفؓ کے بارہ میں کہتے ہیں کہ ایک شخص اصحابِ رسول علیہ السلام کی زیارت و ملاقات کے لیے مدینہ آیا تو اس کی ملاقات بجز عبدالرحمٰن بن عوف سب سے ہوگئی اور جب اس نے ان کے بارہ میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنی زمینوں پہ جرف گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب یہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن کی چادر تو زمین پہ رکھی ہوئی ہے اور وہ جھاڑو سے پانی صاف کر رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن ان کو دیکھ کر شرمندہ سے ہوگئے۔ چنانچہ انہوں نے زمین سے اپنی چادر اُٹھائی اور جھاڑو ہاتھ سے پھینک دی

Marfat.com

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ اس رومی نے بعد سلام علیک ان سے کہا " میں تو تمہارے پاس ایک کام سے آیا تھا مگر میں نے تو تمہیں اس سے بھی عجیب تر کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، کیا تمہارے پاس بھی وہی کچھ آیا ہے جو ہمارے پاس آیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے اور کیا تم کو بھی وہی علم ہے جس کا ہم کو علم ہے عبدالرحمٰن نے جواب دیا ہاں ہمارے پاس بھی وہی آیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے اور ہم بھی وہی کچھ جانتے ہیں جو تم جانتے ہو اس شخص نے کہا " تو پھر یہ کیا معاملہ ہے کہ ہم تو پرہیزگاری اور تقویٰ کی زندگی گزار رہے ہیں اور تم ہو کہ دنیا میں مشغول اور راغب ہو گئے ہو ہم جہاد میں دشمن کی طرف تیزی سے لپکتے ہیں جب کہ تمہارے قدم اس کی طرف گرانی سے اٹھتے ہیں۔ حالانکہ تم لوگ ہم سے بہتر ہو اور ہمارے اسلاف میں سے ہو اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو اس پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جواباً کہا، بے شک ہمارے پاس بھی وہی آیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے اور ہم بھی بے شک وہی جانتے ہیں جو تم جانتے ہو البتہ جب ہم تنگی اور دشواری میں مبتلا تھے تو صبر و شکر کرتے تھے اور جب فارغ البالی حاصل ہو گئی ہے تو بے صبر ہو گئے ہیں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حالات کے یکسر تبدیل ہو جانے کے باعث ان اقدامات سے زیادہ احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں جتنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے دور میں سیاست میں نت نئے اثرات داخل ہو جانے اور نئے نئے فتنوں سے بچنے کے لیے اختیار کیے تھے چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضؓ کے ایام خلافت میں فتوحات کا دائرہ عراق، مغربی ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ اور سوڈان تک وسیع ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے مقابلہ میں عہد فاروق رضؓ کے مسلم معاشرہ میں نہایت واضح فرق پیدا ہونے لگا تو حضرت عمرؓ کو پیش بینی کے طور پر نسبتاً مزید محتاط اور سخت رویہ اختیار کرنا پڑا اور انہوں نے عام طور پر صحابہ کو مدینہ کے قرب و جوار سے

Marfat.com

دُور جانے نہیں دیا اور ان میں سے بھی جو کوئی جہاد میں شرکت کی غرض سے باہر جانا چاہتا تھا تو یہ کہہ کر اس کی تشفی کر دیتے تھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کے غزوات کی شرکت موجودہ عہد کے جہاد و غزوات کی شرکت سے بدرجہا تھی اب تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو اور نہ دنیا تمہیں دیکھے۔" عمال وحکام کے بارہ میں ان کا رویہ بہت سخت تھا اور اس معاملہ میں وہ رو رعایت کے قائل نہ تھے خواہ کسی عامل و حاکم کی کارکردگی اچھی ہو یا بُری وہ ہر ایک کے طور طریقوں پہ کڑی نظر رکھتے تھے وہ بالعموم اُن کو ایّام حج میں دارالخلافہ میں طلب کرتے تھے اور کسی کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہوتی تھی تو پھر اس کو معزول و معطل کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقہ میں مقاتلین کے زرعی و صحرائی اراضی کے حصول کے علاوہ بنجر زمینوں کے مالکانہ حقوق حاصل کرنے پہ بھی پابندی عائد کر دی تھی اور جیسا کہ ہم عبقریت عمرؓ میں بیان کر چکے ہیں، ان کا قائم کردہ یہ ایسا اقتصادی نظام تھا جو ان کے عہد کے تقاضوں اور مصلحتوں کے عین مطابق تھا۔ وہ لوگوں کو کاروبار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے لیے شوق دلاتے اور ترغیب دیتے تھے وہ اہل قریش کو تاکید کرتے تھے کہ تجارتی کاروبار میں کسی کو اپنے سے بڑھنے نہ دیں کہ حقیقی دولت اور خوشحالی اس سے حاصل ہوتی ہے لیکن مفتوحہ علاقوں کی زمینیں انہوں نے مقامی لوگوں کے لیے ریزرو کر دی تھیں اور مسلمانوں کے لیے ان کا قبضہ ممنوع قرار دے دیا تھا البتہ ان کو بیت المال سے بخشش کی صورت میں اپنا روزینہ اور وظیفہ اسی طرح وصول کرنے کا حق تھا جس طرح مسلمان فوجوں اور اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو اپنا اپنا وظیفہ بیت المال سے وصول کرنے کا حق تھا۔ اور جب کوئی ذمی مسلمان ہوتا تھا تو اس سے اس کی زمین لے لی جاتی تھی اور اس کو وہاں کی آبادی میں تقسیم کر دیا جاتا تھا لیکن خود اس کے لیے مسلمانوں کی طرح وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس کی غرض و غایت صرف

Marfat.com

یہ تھی کہ اس علاقہ کے لوگوں کو آمدنی کے مستقل ذرائع حاصل رہیں اور اسلامی لشکر کے افراد اراضی کے حصول اور ہوا و ہوس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں اور مفتوحہ علاقوں کی دولت و ثروت پر اُن کی نظریں نہ لگی رہیں وہ لیسا اوقات آبادی کے مکینوں کی اعانت کے خیال سے ان کی تعمیرات سے چشم پوشی بھی کر لیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اہل السواد یعنی عراقیوں سے اس لیے صرف نظر کر لیا تھا تاکہ وہ امن وسکون سے وہاں آباد ہو سکیں ! حالانکہ وہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ایرانیوں کی مدد کی تھی ان کی زندگی کے آخری لمحات کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک نیا اقتصادی نظام معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔ اور فقر و غنا کا علاج مروجہ طور طریقوں کی بجائے اسلامی فکر و انداز کے مطابق کرنے کے خواہش مند تھے وہ کہا کرتے تھے جو میں نے آخر میں سوچا اگر شروع میں اس کا خیال آجاتا تو میں اغنیاء سے ان کی دولت لے کر فقراء میں تقسیم کر دیتا ان کے ان ارادوں کی تفصیلات اگرچہ ہمیں ان کی گفتگو سے نہیں ملتی ہیں لیکن اس سلسلہ میں ہمیں جو کچھ ان کی رائے کے بارہ میں علم ہوا ہے۔ اس سے اُن کے خلوص نیت اور عزم کا پورا پتہ چلتا ہے حضرت عمر رضؓ کو اگرچہ لوگوں میں مساوات قائم کرنے کا بے حد خیال رہتا تھا لیکن وہ اجتماعی سنن و آداب اور شخصی و انفرادی طور طریقوں میں تفریق کے بھی قائل تھے چنانچہ انہوں نے ایک بار ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم اپنے یہاں ایک ساتھ لوگوں کی بھیڑ لگا لیتے ہو جب تمہیں میرا یہ خط ملے اور معززین اہل قیروان اور متقی و دین دار لوگوں سے فارغ ہو چکو تو پھر عوام الناس کو بلاؤ لیکن جب انہوں نے ایک بار مکہ میں خادموں کو باہر کھڑے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ وہ اپنے آقاؤں کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہیں تو بے حد غضب ناک ہوئے۔ اور ان کے سرداروں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ اپنی قوم پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے

Marfat.com

بعد تمام خادموں کو اپنے پاس بُلایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی نشست میں کھانا کھایا غرضنکہ جس طرح نفوس انسانی کے مابین مساوات کا مطلب حضرت عمرؓ کے نزدیک انفرادی قدر و منزلت کے منافی نہ تھا اسی طرح وہ اس امر کو بھی ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ فقراء محض اغنیاء کے دست نگر رہ کر ان کے عطایا وصدقات پہ گزارہ کریں۔ اور تنازع للبقاء کی عملی جدوجہد سے کنارہ کش ہو کر ذلت وحقارت کی زندگی کو اپنا شعار بنا لیں۔ وہ اپنے خطبات میں فقراء کو ان الفاظ میں خطاب کرتے تھے۔

" اے گروہ فقراء اپنا سر اُونچا رکھو راستہ کھُلا ہوا ہے اور اس کے نشانات واضح ہیں، نیکیوں کی طرف سبقت کرو اور مسلمانوں کے لیے بوجھ نہ بنو" وہ ہمیشہ فقراء و اغنیاء کو یکساں طور پہ ذلت وضعف کا مطلب سمجھنے اور اس سے بچنے کی تلقین کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں کوئی بھی شخص خواہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو کسی وقت بھی ذلت و ضعف سے دوچار ہو سکتا ہے غرضنکہ ہمارے لیے حضرت عمرؓ کی اس تجویز کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے جو وہ اس مسئلہ کے حل کے لیے اغنیاء کی زائد دولت لے کر فلاحی امور میں خرچ کرنے اور غرباء میں تقسیم کرنے کے بارہ میں اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔

اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج اُمت مسلمہ جس نوعیت کے فلاحی اداروں سے روشناس ہے اس کی داغ بیل حضرت عمرؓ نے پہلے ہی ڈال دی تھی چنانچہ انہوں نے اپنے زریں عہد میں فقراء ومساکین کے لیے آٹا گھر بھی قائم کیا تھا جہاں سے تمام ضرورت مند فقراء وغرباء اپنا اپنا مقررہ راشن حاصل کرتے تھے ایک بار جب وہ زمام خلافت سنبھالنے سے قبل خیبر کی ایک زمین پہ پہنچے اور اس کے بارہ میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا جسے آپ نے پسند فرمایا آپ نے مشورہ دیا کہ خیبر کی زمین یوں ہی باقی رکھی جائے اور اس کو لوگوں میں تقسیم نہ کیا جائے

Marfat.com

صرف اس کی آمدنی غرباء و فقراء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ اعلان کیا کہ متعلقہ زمین نہ فروخت ہو گی نہ کسی کو ہبہ ہو گی اور نہ ہی کسی کو وراثت میں ملے گی بلکہ ہمیشہ فقراء و مساکین اور غازیوں وغیرہ پر خرچ کی جایا کرے گی اس کے علاوہ اس کے نگران اور متولی بھی معروف طریقہ پر اپنے اور اپنے غریب و نادار دوستوں پر خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلامی مملکت کی حدود چاروں طرف پھیل گئیں تب بھی وہ مسلمانوں کی معیشت و معاشرت اور اخلاقی اطوار سے باخبر رہتے تھے اور اس کے باب میں کبار صحابہ سے بھی مشورے طلب کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت جب اختتام کو پہنچا تو اسلامی معاشرہ بظاہر دو حصوں میں تقسیم تھا ایک معاشرہ ماضی کا جو ابھی بتمامہ گزرا نہ تھا اور دوسرا مستقبل کا جو ابھی پوری طرح آیا نہ تھا۔ اس وقت حضرت عمرؓ اپنی طاقت و اقتدار کے باوجود اپنی تدابیر میں سرگرداں تھے جیسا کہ شعبیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے فیصلے پورے عزم کے ساتھ نافذ کرنے کے عادی تھے جو ان کی سختی کی وجہ سے قریش کو ناگوار گزرتے تھے نیز اس لیے کہ ان کے احکامات قریش کے دنیاوی اغراض و مقاصد کی تکمیل میں حائل ہوتے تھے۔

لیکن حضرت عمرؓ کی حالات پر گرفت اس قدر مضبوط و مستحکم تھی کہ مملکت کے انتظام و انصرام میں کسی قسم کا ضعف و اضمحلال کبھی پیدا نہیں ہونے پایا۔ اور اگر کوئی ان کے عزائم و اوامر کی مخالفت کرنے کی جراءت کرتا تو اس کو بجز شرمندگی و ندامت کے کچھ نہ حاصل ہوتا حضرت عمرؓ کا مطمح نظر یہ تھا کہ مسلمان حوادث زمانہ کا پامردی و حوصلہ سے مقابلہ کرنا سیکھیں، اور مشکلات و مصائب کے سامنے سپر انداز نہ ہوں۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے افکار و حوادث سے مغلوب ہو کر اپنے اعلیٰ نصب العین کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ بن عوف

Marfat.com

جیسے لوگوں کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے جدید معاشرہ کی تشکیل میں ہمیشہ اپنا مقام و نام پیدا کیا تجارت و زراعت میں ہاتھ ڈالا تو اس میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں لیکن اس کے باوجود بارِ خلافت قبول کرنے میں اپنا دوٹوک فیصلہ بھی سب کو سُنا دیا تاکہ وہ اُن لوگوں کے بارہ میں اپنا بے لاگ فیصلہ دے سکیں جو اس کے خواہش مند تھے وہ خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں قطب الاقطاب اسی لیے مشہور تھے۔ ان کی دُور اندیشی اور عاقبت اندیشی نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بلکہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی سب کے نزدیک مسلم تھی۔

بخاری میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں مال و دولت کی کثرت و فراوانی کو دیکھتے تھے تو فرمایا کرتے تھے مال کی خوبیوں نے شاید ہمیں کچھ جلد ہی اپنے گھیرے میں لے لیا ہے وہ جب روزہ رکھتے تھے اور ان کے سامنے کھانا لایا جاتا تھا تو فرماتے تھے مصعب بن زبیر قتل ہوگئے جو مجھ سے بہتر تھے اور ان کو کفن کے لیے صرف ایک ایسی چادر نصیب ہوئی کہ اگر اس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پیر کھل جاتے تھے اور پیر چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا اور حضرت حمزہ بھی مجھ سے بہتر تھے جب شہید ہوئے تو ان کو کفنانے کے لیے بھی صرف ایک ہی چادر میسر آئی تھی اور پھر اس کے بعد دنیا ہمارے لیے وسیع ہوتی چلی گئی اور ہمیں اندیشہ پیدا ہوگیا کہ شاید اس کی بھلائیاں کچھ جلدی ہی ہمارے لیے مقدر ہوگئی ہیں۔ غرضکہ یہ تھا وہ غلبہ جو جدید معاشرہ کو زندگی کے مصائب و آلام پر حاصل ہوا اور یہ تھی حضرت عمرؓ کی وہ حکمت عملی جس نے خلیفہ ثانی کے عہد خلافت کو تحفظ بخشا اور جس کی مخالفت بقول شعبی کبھی حزن و ملال کی حد کو نہیں پہنچی اسی لیے شعبیؒ اس کی بھرپور تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کی خلافت پر لوگوں کو بھرپور اعتماد نہ ہوتا تو غم و ملال کی کیفیت تمرد و سرکشی کی صورت اختیار کر لیتی لیکن قوت و استحکام کی یہ کیفیت

Marfat.com

اور اعتماد کی یہ بھرپور فضا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد باقی نہ رہی اس لیے کہ معاشرہ میں کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو غلط اور باطل بنیاد پر غصہ کرتے تھے اور اس پہ شرمندہ بھی نہیں ہوتے تھے اور بعض ایسے بھی تھے جن کا غصہ حق بجانب تھا مگر یقینی طور پہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اولی الامر ان سے زیادہ حق پہ ہیں اور انقیاد و اطاعت کا حق رکھتے ہیں جب کہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کی حالت دونوں فریقوں کے درمیان بین بین تھی اور جنہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس حیرانی و اضطراب میں سچائی کا راستہ کونسا ہے اور وہ کدھر جائیں؟

Marfat.com

چوتھی فصل

بیعت، خلافت، امام وخلیفہ، مصحف عثمانؓ، اختتام

بیعت جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ و حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت و تولیت کے طریقوں اور اصولوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ ان کا مقصد وحید خدا کے روبرو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر قسم کے اختلافات کو مٹا کر ہر قیمت پہ وحدت اسلامی کو برقرار رکھنا تھا چنانچہ یہ امر ذہن نشین رہے کہ ان ہر دو خلفاء نے اس دُرِ مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے شکوک و شبہات کو دُور کرنے ہر قصد و ارادہ کی تاویل کرنے اور ہر رکاوٹ و صعوبت کو رفع کرنے کی خاطر جو کوئی بھی طریقہ کار اختیار کیا ہو مگر غرض و غایت اولی دونوں کی یہی تھی کہ مسلمان متحد و متفق رہیں، اور اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مقصد حضرت عمر فاروق رضؓ کی نامزدگی سے کسی شخص کو خلافت سے دُور رکھنا تھا تو وہ یقیناً غلطی پہ ہے یا حضرت عمر رضؓ نے خلیفہ کے انتخاب کو مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر کے غلط قدم اٹھایا تھا یا اس لیے اختیار کیا تھا کہ ترازو کا پلڑا صرف ایک جانب ہی جھکا رہے تو ایسا شخص بھی سخت غلطی پہ ہے بہرحال اس انداز سے سوچنے والا شخص ان ہر دو خلفاء کی ذات کی نفی تو کر سکتا ہے مگر ان کے خلوص نیت اور حسنِ تدبیر پہ انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی شخص کا یہ ایمان ہے کہ اس کے ہر عمل کا ایک دن محاسبہ ہوگا اور دنیا سے کوچ کرنے کے بعد مکافاتِ عمل کے طور پہ

Marfat.com

دار آخرت میں مواخذہ خداوندی سے بچ نہیں سکتا تو وہ کبھی حیلہ وفن اور ہوا و ہوس اور مکر و فریب سے کام لینے کی جراءت نہیں کرے گا، اگر ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کے دل میں بھی کسی خاص فرد کا خیال ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بنی تیم میں سے اور حضرت عمر فاروق رضؓ بنی عدی یا بنی خطاب میں سے کسی کو منتخب کرتے اور جب انہوں نے اپنے عہد خلافت اور جاہ و اقتدار کے زمانہ میں ایسا نہیں کیا تو وہ اپنی موت کے آخری لمحات میں ایسا کر سکتے تھے جب کہ ان کو اپنے اعمال کے محاسبہ کا وقت بھی قریب آتا نظر آرہا تھا۔ جیسا کہ بعض محدثین کا خیال ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد میں کوئی دو ایسے دستوری نظام نافذ نہیں تھے جو اس دور کے دستوری نظام کے تحت ایک قرار دیے جاسکیں وہاں صرف ایک نظام جاری و ساری تھا جس کا اتباع لازماً ہر خلیفہ اپنے اپنے عہد خلافت میں کرتا رہا ہم نہیں سمجھتے ہیں کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ کی جگہ ہوتے تو وہ کسی کو نامزد کرتے یا اگر حضرت عمر فاروق رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی جگہ ہوتے تو وہ کسی کو نامزد کرنے سے باز رہتے۔ ان دونوں خلفاء میں ہمیشہ اس مسئلہ پر تو بحث ہوئی کہ ان کے دور کا کونسا گورنر و حاکم ان کا زیادہ معاون یا مسلمانوں میں زیادہ مقبول رہا لیکن اس مسئلہ پر انہوں نے کبھی بحث نہیں کی کہ گورنروں میں سب سے افضل و محبوب کون ہے، ان کی تو ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ تمام مسلمان بعیتہ واحدہ اور کلمہ واحدہ پر متحد و متفق رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان دونوں خلفاء میں سے کسی نے بھی اسلامی وحدت اور اتحاد بین المسلمین کو قائم رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا ہو۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً اپنے رب، اپنے دین اپنے رسول اور عامۃ المسلمین کے حقوق کے حوالہ سے گنہ گار قرار پاتے۔ جب حضرت ابوبکر رضؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے چیدہ چیدہ صحابہ کرام کو اپنے پاس بلا کر دریافت کیا کہ ان کی

Marfat.com

رائے ہیں ان کے بعد کس کو خلیفہ ہونا چاہیے اس پر بعض لوگوں نے حضرت عمر رض کا نام لیا تو کچھ لوگوں نے ان کی سختی طبع اور شدت کا ذکر کیا اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رض نے کہا، وہ اس لیے سخت ہیں کہ مجھ کو نرم سمجھتے ہیں جب خلافت کا بار ان پر پڑے گا تو ان سے کسی کو شدت کی شکایت اور خوف نہ ہوگا اس پر کسی کہنے والے نے کہا تم ہم پر ان کو خلیفہ بنانے کا خدا کو کیا جواب دوگے جب کہ تم خود ان کی سختی سے خوب واقف ہو، یہ سُن کر حضرت ابوبکر رض نے جواب میں فرمایا مجھے بیٹھ لینے دو۔ اور جب بیٹھ گئے تو فرمایا کیا تم مجھے خُدا سے ڈراتے ہو؟ نامراد ہے وہ شخص جو تم پر ظلم کے بارہ میں سوچے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے لوگوں کے لیے بہترین خلیفہ کا انتخاب کیا ہے اور میری یہ بات تم اپنے سوا دوسروں تک بھی پہنچا دو۔ اس کے بعد جب ان کو قدرے نقاہت و ضعف سے افاقہ ہوا اور حضرت عثمان رض ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ وصیت تحریر کرائی اور کہا لکھو :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

یہ وصیت ابوبکر رض کی طرف سے ہے جو اس کے دنیاوی عہد کے آخری لمحات میں دنیا سے جاتے وقت اور آخرت کے ابتدائی عہد میں داخل ہوتے وقت لکھائی گئی ہے جس پر کافر ایمان لانے، فاجر اس کا یقین کرنے اور کاذب اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہے میں نے اپنے بعد عمر ابن الخطاب رض کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے پس تم دھیان سے سنو اور اطاعت کرو، میں نے کبھی دانستہ طور پر خدا کے احکام بجا لانے، رسول کی اطاعت کرنے اور دین کی تبلیغ کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے اور نہ ہی میں نے اپنی اور تمہاری خیر خواہی میں کبھی کوتاہی کی ہے۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اگر نامزد خلیفہ تمہارے ساتھ عدل کرتا ہے تو یہ میرے

Marfat.com

خیال کے عین مطابق ہو گا اور اگر بدل جاتا ہے تو یاد رکھو ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہے ۔ میں نے تو تمہارے لیے صرف خیر چاہا ہے مگر مجھے غیب کا حال معلوم نہیں ہے اور ظالم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے ۔" والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

وہ یہ وصیت املاء کرواتے جاتے تھے اور ان پر بار بار غشی طاری ہوتی جاتی تھی چنانچہ جب اُنھوں نے یہ عبارت لکھوائی کہ میں نے اپنے بعد تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے اور ابھی اس کا نام نہیں بتایا تھا حضرت عثمان رضؓ نے جو وصیت نامہ تحریر کر رہے تھے ۔ خود حضرت عمر ابن الخطابؓ کا نام بڑھا دیا ، ہوش کرنے پر ابوبکر صدیق رضؓ نے دریافت کیا تم نے کیا لکھا حضرت عثمانؓ نے لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر ان کو سُنائی اور اضافہ بھی سنایا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کو دُعا دی اور کہا مجھے تم سے یہی اُمید تھی اور اگر عمر ابن الخطابؓ کی جگہ تم اپنا نام بھی لکھ دیتے تو تم ہر طرح اس کے اہل تھے ۔" جو قوم اپنے خلیفہ و امام کا محاسبہ کرنا جانتی ہے وہ دنیاوی لالچ اور مادی منفعتوں کو کبھی نگاہ میں نہیں لاتی ہے اس معاملہ میں عربوں نے جس سیرت و کردار کا مظاہرہ کیا ہے اس کا مظاہرہ نہ اس سے پہلے کسی قوم کی طرف سے ہوا ہے اور نہ آج تک کہیں دیکھنے میں آیا ہے حضرت عمر رضؓ کی شخصیت امانت و دیانت کے حوالہ سے بڑی جانی پہچانی ہے خلیفہ منتخب ہونے سے قبل و بعد نہ کبھی کسی کو اپنے حق سے انکار کا موقع دیا اور نہ کسی دوسرے کا حق غصب کرنے کی کسی کو اجازت دی وہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ امانت کا پاس دار ہے تو امانت میں خیانت کرنے کی اجازت دینے اور کسی کا حق مارے جانے کے مقابلہ میں اپنی جان دینے کو ترجیح دوں گا ۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا

Marfat.com

اور بظاہر کسی کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کا اعلان بھی نہیں کیا گیا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ شاید کسی کو خلیفہ بنانا نہیں چاہتے ہیں اور اگر وہ اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے ہی ہوتے اور ان کو بھی یوں ہی چھوڑ کر چلے جاتے تو بھی ان کے اس فعل کو امانت میں افراط اور خیانت سے تعبیر کیا جاتا ایسی حالت میں قوم کو چھوڑ کر جانے کے بعد خدا کو کیا جواب دیں گے جب حضرت عمرؓ نے یہ باتیں سنیں تو ان کو بہت دکھ پہنچا اور وہ بہت دیر تک سر بہ زانو بیٹھے رہے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا، اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کا محافظ ہے اگر میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں تو اس کی نظیر موجود ہے اور حضرت ابوبکرؓ بھی اس سے قبل ایسا کر چکے ہیں بعض لوگوں نے اس مرحلہ پہ ان کو اپنے نفس سے یہ سوال کرتے سنا "میں کس کو خلیفہ بناؤں؟" عمر بن الاودی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مذکورہ جملہ کے بعد یہ بھی کہا "اگر ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بنا دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا تو میں جواب دیتا تیرے نبیؐ کو میں نے کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ اس امت کے امین ہیں۔ اور اگر ابوحذیفہؓ کے غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کر دیتا اور اگر خدا اس کے بارہ میں مجھ سے سوال کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اپنے کانوں سے تیرے نبیؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سالمؓ اللہ کی محبت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اس پہ مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ خلافت کے لیے تمہیں ایک نام بتاتا ہوں۔ عبداللہ بن عمرؓ، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ان کو منع کرتے ہوئے کہا اللہ تجھے ہلاک کرے میں نے اللہ سے اس کا پیمان نہیں باندھا ہے تجھ پر افسوس ہے! میں ایسے آدمی کو کیونکر خلیفہ بنا سکتا ہوں جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی عاجز ہے، تمہارے معاملات سے میری کوئی غرض وابستہ نہیں ہے

Marfat.com

میں نے اُن کی تعریف اس لیے نہیں کی ہے کہ میں اپنے کسی گھر والے کے لیے خلافت کا خواہش مند ہوں، آلِ خطاب کے محاسبہ کے لیے یہی کافی ہے کہ اُن میں ایک شخص کا ہی محاسبہ کر لیا جائے اور اُمت محمدیہ کے امور کے بارہ میں صرف اس سے باز پرس کی جائے میں نے اپنی سی بہت کوشش کی ہے اور اپنی آل اولاد کو محروم رکھا ہے اگر میری نجات برابر سرابر کے اصول پہ ہو جائے نہ مواخذہ ہو اور نہ اجر ملے تو بھی اس کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا لوگو اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں گا تو اُس کو بناؤں گا جو مجھ سے بہتر ہوگا اور اگر اس معاملہ کو یوں ہی چھوڑ کر چلا جاؤں گا تو اُس نے بھی اس کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہتر تھا اور اللہ اپنے بندے کے عمل کو ضائع نہیں ہونے دے گا، غرضکہ جب حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں بار بار غور کیا اور اس سلسلہ میں لوگوں نے بھی متعدد بار ان سے رجوع کیا تو آپ نے فرمایا میرا ارادہ اب اس بوجھ کو زیادہ دیر تک اُٹھانے کا نہیں ہے اے لوگو! اب یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ تم ان لوگوں میں سے جس کو چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی بشارت سُنا چکے ہیں۔ اور وہ علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعدؓ، زبیرؓ اور طلحہؓ ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ انہی میں سے کسی کو اپنا خلیفہ چُن لیں اور جب ایک بار کسی کو یہ ذمہ داری سونپ دیں تو اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں اس کے بعد آپ نے سب کو اپنے پاس بُلایا سب لوگ حاضر ہوئے مگر طلحہؓ نہیں آئے تو آپؓ نے فرمایا میں نے بہت غور و فکر کیا ہے اور آپ لوگوں کو ہی قوم کا رہنما اور سردار پایا ہے اب صرف آپ لوگوں کو ہی یہ معاملہ طے کرنا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے رخصت ہوئے تو آپ لوگوں سے خوش اور راضی تھے اور اگر آپ لوگ راہِ راست پہ رہے تو مجھے آپ کے خلاف لوگوں کے کھڑے ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے البتہ مجھے خود آپ کے مابین

Marfat.com

اختلاف کا اندیشہ ضرور ہے کیونکہ کچھ لوگ آپس میں خواہ مخواہ اختلاف پیدا کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنا سر اُوپر اٹھایا تو زخم سے خون بہنے لگا اس پر لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں اور ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بولے سبحان اللہ ابھی امیرالمومنین کا انتقال نہیں ہوا ہے۔ یہ بات آپ نے سُنی تو فرمایا اس بات کو جانے دو۔ جب میں مر جاؤں تو تین دن تک باہمی مشورہ میں شریک ہو سکتے ہیں مگر امارت و خلافت سے ان کا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ طلحہ بھی اس معاملہ میں تمہارے شریک کار رہیں گے اگر وہ تین دن کے اندر آ جائیں تو اُن کو اپنے مشورہ سے مطلع کرنا مگر تین دن گزرنے کے بعد اپنے فیصلہ پر لازماً عملدرآمد کرنا۔ اس کے بعد آپ نے دریافت کرتے ہوئے فرمایا میرے لیے طلحہؓ کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ اس پر سعد بن وقاص نے کہا ان کی ذمہ داری میں لیتا ہوں انشاء اللہ وہ مخالفت نہیں کریں گے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابوطلحہؓ انصاری سے کہا اے ابوطلحہؓ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے اسلام کو عزت بخشی ہے تم انصار میں سے پچاس آدمی چن لو اور لوگوں سے کہو کہ وہ اس گروہ میں سے اپنا آدمی چن لیں اور پھر صہیب سے مخاطب ہو کر کہا تم تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھاؤ اور ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کر کے ان کے سر پر کھڑے رہو پس اگر پانچ آدمی اس امر میں متفق ہو جائیں اور اُن میں سے کوئی ایک اس سے انکار کرے تو اس کی گردن تلوار سے اڑا دو۔ اور اگر چار آدمی اس معاملہ میں ایک رائے ہوں اور دو انکار کریں تو دونوں کی گردنیں اڑا دو۔ اور اگر تین موافق ہوں اور تین مخالف تو اس وقت فیصلہ کے لیے عبداللہ بن عمرؓ کو ثالث بناؤ اگر وہ لوگ عبداللہ بن عمرؓ کی ثالثی پر راضی نہ ہوں تو تم اس جماعت کا ساتھ دو جس میں عبدالرحمٰن بن عوف شامل ہوں اور باقی کو قتل کر دو۔ بشرطیکہ وہ لوگوں کے متفقہ فیصلہ سے روگردانی کریں۔ بہرحال بعض اوقات حضرت عمرؓ کو بعض

Marfat.com

ایسے ہمہ جہتی مشکل مسائل پیش آتے تھے جن میں ایک پہلو کو اختیار کرتے وقت دوسرے پہلو کے خدشات بھی صاف طور پر نظر آتے تھے کسی کام کے لیے لوگوں کے انتخاب کے وقت وہ تمام حالات اور ہر قسم کے امکانات پر گہری نظر رکھتے تھے اسی طرح ہر مسئلہ کے حسن و قبح کو بھی اچھی طرح جانچتے اور پرکھتے تھے انہوں نے خلافت کے فتنہ کے تمام پہلوؤں کا پہلی مرتبہ اس وقت بھرپور جائزہ لیا جب وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والے تھے انہوں نے اس معاملہ کے نہ صرف تمام پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا تھا بلکہ اس کے تمام آثار و عواقب پر بھی پوری طرح غور کر لیا تھا انہوں نے سکراتِ موت کے عالم میں بھی جب کہ ان کو مہلک زخم سے شدید تکلیف تھی تمام امور کے اسرار و غوامض پر غور کر کے اس کا ایسا علاج تجویز کیا جس کی اس سے قبل کوئی نظیر نہیں ملتی ہے وہ اطمینان سے بیٹھ کر تمام امور کا موازنہ و مقابلہ کر کے ان میں تطابق و توافق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اُن کے اطراف و جوانب میں ایسے اعوان و انصار موجود رہتے تھے جو اُن کی ایک آواز پر لبیک کہنے کے لیے آمادہ رہتے تھے اور اگر کوئی موقع کسی وجہ سے ہاتھ سے نکل جاتا تھا تو اس کی تلافی و تدارک میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے اور چونکہ لوگ حضرت عمر رضؓ کی ہدایت کے مطابق اپنے فرائض منصبی کو نہایت خلوص اور تندہی سے انجام دیتے تھے اس لیے حضرت عمر رضؓ کے حوالہ سے ان کے عواقب و انجام کے طرف سے بھی مطمئن رہتے تھے اگر حضرتِ عمر رضؓ کسی معاملہ میں غور و فکر کرنے یا کسی حجت میں سوچ بچار کرنے کے لیے کچھ مہلت اور وقت چاہتے تھے تو اس خیال سے اپنے آپ کو مطمئن اور عنداللہ ماخوذ نہیں سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی عمل بھی خدا کے دین کی حفاظت و استحکام کے مقصد سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ خلافت کی ذمہ داریوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا ان کے اس اطمینان پر موقوف تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی

Marfat.com

سنت اور طریقہ پر انجام پا رہا ہے اور اس سلسلہ میں کوئی عذر یا محبت ان کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی وہ ہر معاملہ کا فیصلہ اپنے ضمیر کے استفسار اور اس کے تسلی بخش جواب کے مطابق کرتے تھے اور تا وقتیکہ معاملہ کے تمام مضمرات اور شبہات کا جواب اُن کو خود اپنے نفس سے نہیں مل جاتا تھا وہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ تمام لوگوں کے طبعی خصائل اور جودتِ فکری کا عمیق جائزہ لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف کو اصحابِ شوریٰ کو مشورہ دینے اور معاملات کو سلجھانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق صاف طور پر واضح کر دیا تھا کہ وہ خلافت کے لیے اُمیدوار نہیں ہوں گے اُن کا کام صرف مختلفین تک پیام و سلام پہنچانے تک محدود ہوگا البتہ عبدالرحمٰن بن عوف کو نہ صرف اہلِ مشورہ میں شامل کیا گیا تھا بلکہ ان کو ایک طرح سے مشاورین میں کاسٹنگ ووٹ کا حق بھی دیا گیا تھا اور یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی دانشمندی پر دلالت کرتا ہے کہ تمام لوگوں کی فکری صلاحیتوں اور طبعی جوہروں کو پرکھنے کے بعد انہوں نے ابوطلحہ انصاری کو پچاس آدمیوں پر اس لیے نگران مقرر کیا تھا تاکہ اختلاف پیدا کرنے والوں کے فتنہ و فساد کا شروع ہی میں سدِ باب کیا جا سکے حضرت عمرؓ کے نزدیک ابوطلحہؓ متقی و خدا ترس ہونے کے ناطے اس کام کے لیے بہترین آدمی تھے چنانچہ جب قوم نے استخلاف کے بارہ میں اختلاف شروع کیا تو انہوں نے فرمایا میرا خیال تھا کہ تم لوگ اس فتنہ و فساد سے دور رہو گے اور ہرگز اس کی طرف مائل نہ ہو گے اور پھر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں تم لوگوں کو تین دن کے بعد کسی قسم کی مہلت نہیں دوں گا اور تمہارے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جس کا مجھے امیر المومنین نے حکم دیا ہے یہ بھی حضرت عمرؓ کی دانش مندی ہی تھی کہ انہوں نے صہیب رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے منتخب کیا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایسے شخص کا انتخاب تھا جس کے بارہ میں استخلاف کے متعلق کسی کو

Marfat.com

گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ اس سے قبل بھی بارہا نماز کی امامت کے فرائض انجام دے چکے تھے علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے طلحہ رضؓ کو ان چھ آدمیوں کی مجلس میں کیوں شامل رکھا تھا جو استخلاف کے لیے قائم کی گئی تھی حالانکہ وہ مدینہ میں موجود بھی نہیں تھے، کیا مجلس شوریٰ کے لیے پانچ آدمی کافی نہیں تھے؟ اور کیا ان کا نعم البدل مدینہ میں مقیم صحابہ میں کوئی اور نہ تھا؟ ان سوالوں کا جواب ہمیں تاریخی اعتبار سے حضرت عثمان رضؓ کے آخری دور، حضرت علی رضؓ کے عہد کے آغاز اور حضرت عمر رضؓ کے بارہ سالہ عہد خلافت سے بھی مل جاتا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات حضرت عمر رضؓ کا تمام انصار و مہاجرین میں سے صرف چھ آدمیوں کا مجلس شوریٰ کے لیے انتخاب کرنا ہے۔ کیا ان لوگوں کو انہوں نے جس طرح چاہا یوں ہی اپنی مرضی سے پسند کر لیا تھا اور کیا یہ کوئی ایسا دستور اور قانون تھا جس کو تسلیم کرنا سب کے لیے لازمی تھا اور کیا واقعی اس خود ساختہ عمل کے لیے حضرت عمر رضؓ کے پاس کوئی دلیل نہ تھی اور کیا حضرت عمر رضؓ کی اس پسندیدگی اور چناؤ میں قبائل قریش کی نیابت کو بھی مدنظر رکھا گیا تھا یا ان کو اس امر کا موقع دینا تھا کہ ان کا گھرانہ بھی امامت و خلافت کے خانوادوں میں شامل ہے اگر واقعی ایسا تھا تو یہ اُس وقت کے نازک حالات میں نہایت سنگین قسم کی عصبیت کا احیاء تھا جب کہ عقیدہ کی غیرت و حمیت کے ساتھ ساتھ وحدت اسلامی کا قیام حضرت عمر رضؓ کی زندگی کا اوّلیں مطمح نظر تھا اور ہر طرح کی ارادی اور غیر ارادی جاہلانہ عصبیت کا قلع قمع کرنا ان کا دلی مقصود تھا۔ اور اگر ایسا نہیں تھا تو کیا حضرت عمر رضؓ کی نگہ انتخاب بدری صحابہ اور دیگر سابق مجاہدین پر مرکوز تھی جن کی تعداد ان کی وفات کے وقت بہت کم تھی اور اگر ان میں فضیلت و شرف کا خیال رکھا جاتا تو ان میں اسباب فضیلت بھی کچھ زیادہ واضح نہ تھے بہرحال ان تمام سوالات سے قطع نظر ایک بات مسلمہ ہے کہ انتخاب اختیار

Marfat.com

کے لیے کوئی دستور اور قاعدہ تو ضرور ہونا چاہیے جس کے مطابق مجلس شوریٰ کے افراد کے انتخاب میں انہوں نے عمل کیا اور وہ یہ تھا کہ انسان کے چہرہ اور بشرے کو دیکھنے کے بعد وہ اس کی سیرت و کردار کا ہر اعتبار سے تفصیلی جائزہ لیتے اور موازنہ کرتے تھے استخلاف کے سلسلہ میں جن افراد کی مجلس شوریٰ کے لیے نامزدگی ہوئی تھی وہ ذکر پہ مبنی تھی جن کے اسماء گرامی کی صراحت حضورؐ نے حجۃ الوداع میں خود کر دی تھی اور یہ وہ لوگ تھے جنہیں قبولیت عامہ کی سند حاصل تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ طلحہ رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد ہی خلافت کے متمنی اور آرزو مند تھے اور چونکہ یہ دونوں حضرات قبیلہ تیم سے تعلق رکھتے تھے اس لیے حضرت ابوبکر رضؓ نے ان سے ایک مرتبہ کہا بھی تھا خدا کی قسم اگر میں تم کو امیر و حاکم بنا دوں تو تم اپنی ناک پیچھے کی طرف لے جاؤ گے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اپنی ذات کو اس کے استحقاق سے بھی زیادہ بلند کر لو گے ان چھ میں سے حضرت عمر رضؓ پہ نہ کسی کی فضیلت مخفی تھی اور نہ کسی کا عیب ان سے چھپا ہوا تھا وہ نہ کسی کی فضیلت و شرف کے منکر تھے اور نہ کسی کے نقص و عیب سے چشم پوشی کرتے تھے ان میں سب سے نمایاں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھے جن کو تمام صحابہ میں منصف و حکم کا درجہ حاصل تھا۔ اُن کے بارہ میں حضرت عمر رضؓ کہا کرتے تھے کہ عبدالرحمٰن کا ایمان اُمت کے ایمان کا نصف ہے اور عبداللہ بن عمر رضؓ کے بارہ میں ایک شخص سے انہوں نے کہا تھا" وہ اچھے انسان ہیں بے شک تم نے ایک صالح آدمی کا ذکر کیا ہے مگر وہ کمزور اور ضعیف الطبع ہیں اور خلافت کے لیے قوی الارادہ اور مضبوط آدمی کی ضرورت ہے نہ کہ ظالم اور سخت گیر انسان کی، نرم خو آدمی کی ضرورت ہے نہ کہ مسرف اور فضول خرچ کی، کفایت شعار کی ضرورت ہے نہ کہ بخیل کی" علیٰ ہذا القیاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں حضرت زبیر رضؓ تسلیم و رضا کے بندے اور غیظ و غضب کے دشمن تھے انہوں نے ان کے

Marfat.com

بارہ میں اپنی اس رائے کا صراحت سے اظہار کیا اور کہا " اگر میں تمہیں حکمران بنا دوں تو ایک صاع جو کے لیے بطحا کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دو گے اسی طرح سعدؓ کے متعلق ان کی رائے یہ تھی کہ اگر ان کو خلیفہ بنا دیا جائے تو وہ اُس کے اہل ہیں، چنانچہ وہ ان کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ جب سعد کسی حدیث کو بیان کریں تو پھر کسی اور سے دریافت نہ کرو کیونکہ وہ صداقت و امانت میں قابلِ اعتماد ہیں لیکن اسی کے ساتھ ان کا خیال تھا کہ وہ خلافت کے قریب نہیں جائیں گے مگر علی رض و عثمانؓ دونوں میں سے کوئی ایک ضرور اس طرف مائل ہو گا، پس اگر خلافت عثمانؓ کے حوالہ کر دی جائے تو وہ نرم خو انسان ہیں اور اگر علی رض کو خلیفہ بنایا جائے تو ان میں نشاط و مزاح ہے اور حق پر قائم رہنے کے زیادہ لائق ہیں، اُنھوں نے ایک بار حضرت عثمانؓ کے متعلق کہا تھا اور خود ان سے مخاطب ہو کر کہا تھا :-

" کاش خلافت سے تمہاری چاہت کے باعث قریش کو میں تمہارا ہمنوا بنا سکوں اور اگر ایسا ہوا تو تم بنی معیط کو لوگوں کی گردن پر سوار کر دو گے اور ان کو مالِ غنیمت پر فریفتہ بنا دو گے ، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بار انہوں نے حضرت علی رض سے بھی اسی قسم کی بات بنی ہاشم کے حوالہ سے کہی تھی مگر اس میں مالِ غنیمت کا ذکر نہیں تھا۔

حافظ اور ابن ابی الحدید کی روایت میں اگر وہ صحیح ہے تو یہاں تک آیا ہے کہ حضرت عمر رض نے ایک بار حضرت عثمانؓ سے یہ بھی کہا تھا :-

" تمہاری طرف عرب کے ڈاکو اور لٹیرے لپکیں گے اور تم کو فرش پر گرا کر ذبح کر دیں گے۔" بہرحال یہ باتیں الہامی زبان اور لسان الغیب کی آواز و انداز میں بعض پیشگوئی کرنے والوں نے ان کے متعلق بیان کی ہیں بہرحال اگر واقعی لوگ بالاتفاق کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیں تو اُن کے لیے کسی قسم کا کسی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں ہے چنانچہ ابوطلحہؓ کی اصل ذمہ داری یہی ہے کہ اختلاف رفع کرانے کے لیے ہر لمحہ ہوشیار رہیں اور اگر کوئی فتنہ برپا ہو تو اس کی سرکوبی کے لیے بھی

Marfat.com

تیار رہیں متعدد راویوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک حدیث بیان کی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے "اے لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کبھی ایذا نہیں پہنچائی ہے اور ان کے بارہ میں یہ بات خوب ذہن نشین کر لو اور اے لوگو! میں عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ، طلحہ بن عبداللہؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیر بن العوام اور سعدؓ بن مالک اور مہاجرین اولین سے راضی وخوش ہوں تو ان سب کے متعلق بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ مختصر یہ کہ استخلاف کے بارہ میں حضرت عمرؓ نے انہی لوگوں کو مشورہ میں شامل رکھا جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتماد اور ان کے اخلاص وتقویٰ پر یقین رکھتے تھے حضرت عباس بن عبدالمطلب اگرچہ اس وقت حیات تھے لیکن وہ اصحاب شوریٰ میں شامل نہیں کیے گئے، ابن جریر اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کو غزوۂ بدر کے سابقین میں محدود کر دیا تھا اور عباس رضی اللہ عنہ مہاجر تھے اور نہ ہی سابقین اور بدریین میں اُن کا شمار ہوتا تھا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اُن لوگوں میں شامل نہ تھے جن کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں کیا تھا نیز یہ کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو نہ کبھی اس کا مستحق سمجھا اور نہ کبھی اس کے لیے پیش قدمی کی اس کے برخلاف انہوں نے ہمیشہ حضرت علیؓ کے لیے جدوجہد کی۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے اشارتاً یہ بھی کہا تھا کہ وہ مجلس شوریٰ میں شرکت نہ کریں۔ اس لیے مجلس شوریٰ میں اُن کے استثناء میں حضرت عمرؓ کی کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ استخلاف کے سلسلہ میں ہمیں اب تک جو کچھ حالات کا علم ہوا ہے اور ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ بھی اپنا جانشین بنانے کے سلسلہ میں وہی طریقہ اپناتے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنایا تھا ان لوگوں کو خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ چھ افراد کی مجلس شوریٰ کے سپرد کرنے پر سخت اعتراض تھا کیونکہ ان کے خیال میں اس طریق انتخاب نے مسلمانوں میں

Marfat.com

اختلافات کی خلیج وسیع کر دی تھی اور متعدد افراد کو خلافت کا اُمید وار بننے اور اپنی دیرینہ آرزؤں کو پورا کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا جن لوگوں کو حضرت عمر رضؓ کے اس طریقہ انتخاب پر سخت اعتراض تھا ان کی سرکردگی معاویہ بن ابی سفیان کر رہے تھے۔

ان کی ذات خود اس طریقہ استخلاف کے خلاف ایک نوع کی حجت تھی کیونکہ استخلاف کی لگن ان کے دل میں بھی بسی ہوئی تھی جس کے لیے ہمیشہ انہوں نے بڑی تگ و دو کی مگر حضرت عمر رضؓ کے نزدیک نہ وہ چھ افراد میں شامل کیے گئے تھے اور نہ کسی طرح حضرت فاروق رضؓ کی طرف سے بطور وصی کے خلافت کی آرزو کر سکتے تھے ، امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر کے جبراً لوگوں سے بیعت لی لیکن اس اقدام کے باوجود وہ نہ اُمت مسلمہ کے اختلافات مٹا سکے اور نہ ہی بنو اُمیہ اور نہ اتباع خانہ ابوسفیان کے درمیان تنازعات ختم کر سکے ہم نہیں سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ چھ اصحاب میں سے کسی ایک کو ترجیح دیے جانے کے بارہ میں مکمل وثوق رکھتے تھے نیز ان میں سے کسی ایک کے بارہ میں مسلمانوں کے اجماع اور اتفاق کے متعلق بھی ان کو پورا یقین نہیں تھا اور نہ ہی انہیں اس امر کا یقین تھا کہ اگر بیعت سے قبل ان میں سے کسی کو مخالفت کا سامنا ہوا تو وہ اپنے مخالفین کے رد و استرداد پر بھی قادر ہوگا۔

اس موقع پر علم کے فضل و کمال یا رعب داب اور شجاعت و بہادری کی فضیلت و اہمیت سے بحث نہیں ہے یہاں اصل بحث اُس شخص کی اہلیت صلاحیت کے بارہ میں ہے جو لوگوں کو اپنی شخصیت ، حلم اور فضیلت کے باعث اپنے گرد جمع کر لیتا ہے مگر ایسا شخص بھی کبھی مکمل طور پر مشورہ سے غنی اور بے نیاز نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی شخص اس سے بے نیاز رہ سکتا ہے وہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں خلافت اُمید واروں کے حلقہ کو اچھی طرح جانچ پڑتال کرنے کے بعد چند افراد

Marfat.com

میں محصور و محدود کر دیا تھا اور کسی بھی مناسب اور موزوں شخص کو اس زمرہ سے علیحدہ نہیں رکھا تھا یہ لوگ خود بھی اپنے آپ کو انصار و مہاجرین کے پسندیدہ مندوب بنائے جانے کے قابل سمجھتے تھے اگر کسی کو ایک بار لوگ اپنا خلیفہ منتخب کر لیں تو لوگوں کے لیے لازم ہے کہ اس کی اطاعت اپنے اُوپر لازم سمجھیں اور اس کے خلاف ارادتاً بغاوت کرنے کا خیال کبھی ان کے دماغ میں نہ آنے پائے تاریخ شاہد ہے کہ عمر فاروق رضؓ کے خلاف لوگوں نے کبھی اس قسم کی سازشش کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں پیدا نہیں ہونے دیا، اس وقت کے معاشرہ میں حضرت عمر رضؓ خلافت کی امانت کا بار نہایت خوش اسلوبی اور اخلاص سے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اُٹھایا اور اپنی حیات کے آخری لمحات میں استخلاف کے متعلق ایسی مستحکم و تابندہ وصیت چھوڑی جس میں انؓ کے نظریات کی پوری جھلک موجود تھی اب اگر اصحاب شوریٰ قائدِ جماعت اور امام صلاۃ تین دن کی مقررہ مدت میں بھی اپنی ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہ ہو سکتے ہوں تو اس میں دُنیا سے کوچ کر جاتے والی عمر فاروق جیسی عبقری شخصیت کا کیا دوش ہے۔ بہرحال اگر خلافت کے لیے لوگوں میں رغبت و میلان کا شدید رجحان پایا جاتا تھا تو اس میں ایسی کیا قباحت اور بڑائی تھی۔ خلافت و امارت تو بڑی چیز ہے لوگ تو دنیا میں چھوٹے چھوٹے عہدوں اور مرتبوں کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیتے ہیں۔ بہرحال ایسے نازک وقت میں کسی ایسے شخص کی بھی ضرورت تھی جو مخلص و بے باک ہو اور اُمیدواروں کے زمرہ میں سے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پہ نکال لے تاکہ وہ استخلاف کے مسئلہ میں اپنی بے لاگ رائے اور مشورہ سے اُمت کی مخلصانہ کوشش کر کے استخلاف کے اس مرحلہ میں عبدالرحمٰن بن عوف جیسے اُمت مسلمہ کے ہمدرد اور مخلص و بیدار مغز شخص نے پہل کی جس کے سامنے خود ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے با اخلاق اور پاکیزہ لوگوں کے نمونے تھے، عبدالرحمٰن بن عوف چونکہ خود خلافت کے مخمصوں سے دُور رہنا

Marfat.com

چاہتے تھے اس لیے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مجلس شوریٰ میں اور ایسے کون لوگ ہیں جو اس بار کو اُٹھانے سے گریزاں رہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن اُنہوں نے جملہ افراد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ لوگوں میں سے کون اس قضیہ سے نکل کر باہر آجانا چاہتا ہے؟ اور چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا اس ذمہ داری کو بھرپور طریقہ سے پورا کرنے کے لیے آگے آئے؟" اس سوال کا کسی کی طرف سے اُن کو کوئی جواب نہیں ملا۔ اس پر عبدالرحمان بن عوفؓ نے کہا اچھا سب سے پہلے میں خود خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہونے کا اعلان کرتا ہوں اور اس کے بعد دوسرے اقدام کے طور پر انہوں نے خلافت کے دو امیدوار علیؓ و عثمانؓ میں سے کسی ایک کو خلافت کے انتخاب کے لیے محدود کرنے کا اعلان کر دیا چنانچہ وہ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ان دونوں سے ملے اور ان سے کہا کہ وہ ان کے دلائل و دعاوی سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔

پہلے انہوں نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا، اے ابوالحسن تمہاری قرابت اسلام میں تمہاری سبقت اور دین میں تمہارے تفقہ اور عمدہ اثرات کے باعث خدا تمہیں ہلاکت سے بچائے میں ان سب سے زیادہ خلافت کے معاملہ میں بولنے کا حق دار ہوں جو یہاں موجود ہیں لیکن اگر تم کو خلافت سے دُور رکھا جائے تو تم اس سے قریب ہونے کی کوشش تو نہیں کرو گے علاوہ ازیں تم اس گروہ میں کس کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہو۔ اس پر علیؓ نے جواب دیا، عثمانؓ اس کے بعد وہ عثمانؓ سے ملے اور اُن سے کہا اے شیخ بنی عبد مناف، رسول اللہ کے داماد اور چچا کے بیٹے اور صاحب فضیلت و سابقت۔ مجھ سے یہ معاملہ کس طرح دُور رکھا جا سکتا ہے؟ لیکن اگر تمہیں یہ نہ ملے تو پھر اور کون زیادہ مستحق ہے؟ جواب تھا علی، زبیرؓ اور سعدؓ کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں کہ اُن کے نزدیک خلافت کا کون مستحق ہے لیکن مرجح قول یہی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا تھا۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ علیؓ پر عثمانؓ

Marfat.com

کی ترجیح کے قطعیت کے ساتھ قائل نہیں ہیں غرضیکہ جب بات عثمانؓ اور علیؓ کے مابین منحصر ہو گی تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے باہر نکل کر اصحاب شوریٰ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی دریافت کرنا شروع کیا تو کچھ لوگوں نے عثمانؓ کا نام لیا اور کچھ لوگوں کی زبان سے حضرت علیؓ کا نام سننے میں آیا لیکن حضرت عثمانؓ کے پسند کرنے والوں کی تعداد حضرت علیؓ کے پسند کرنے والوں سے زیادہ تھی اور اس میں ایسی کوئی تعجب کی بات بھی نہ تھی۔ اس لیے کہ لوگ بالعموم عظمت بالغہ کی بجائے خوبی و سلامتی کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں۔ اور جتنا لوگ ادھیڑ عمر والوں اور جوانوں کو اچھا جانتے ہیں اتنا بوڑھوں کو نہیں چاہتے ہیں ایک طرف یہ کیفیت تھی اور دوسری طرف رئیس الجنہ ابوطلحہؓ انصاری نے جو اصحاب شوریٰ کو ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے، کہا قسم ہے اس ذات کی جو عمرؓ کو دنیا سے لے گیا میں ان کو تین دن سے زیادہ مہلت نہیں دوں گا اور پھر اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ان کے فیصلوں کا انتظار کرتے رہے اور اس شخص کے بارہ میں اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا انتظار کرتے رہے جو فیصلہ کی مخالفت کرے گا اور اس پہ اصرار بھی کرے گا۔ بسلسلہ استخلاف اگر حضرت عمرؓ مکمل طور پہ خود مختار ہوتے تو غالباً ان کا فیصلہ ابوطلحہؓ کے حق میں ہوتا۔ کیونکہ ابوطلحہؓ وہ شخص تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریک مواخاۃ کے موقع پہ ابوعبیدہ الجراح کا بھائی بنایا تھا اور جو حضرت عمرؓ کی رائے میں بشرطیکہ زندہ ہوتے خلافت کے لیے موزوں ترین شخص تھے ابوطلحہؓ جیسے بطل جلیل نے اُحد کے معرکہ میں اس وقت کوہِ عزم و ثبات ہونے کا ثبوت دیا تھا جب بڑے بڑے سورماؤں اور بہادروں کے پاؤں میدانِ جنگ سے اُکھڑ گئے تھے یہی وہ مردِ میدان تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے ہوئے تھے۔ اور دشمن کے تیروں کے وار اپنے اُوپر لے رہے تھے۔ ابوطلحہؓ نے جنگ صفین میں

Marfat.com

بھی اپنی شجاعت و بہادری کے جھنڈے گاڑ دیے تھے انہوں نے تن تنہا دشمن کی صف کے بیس بڑے بڑے سورماؤں کو واصل جہنم کر دیا تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر اعلان کیا تھا کہ میدان کارزار میں ابوطلحہ سو آدمیوں سے بھی بڑھ کر ہیں وہ ایسے بے باک اور نڈر مجاہد تھے جو خوشحالی اور تنعم کے باوجود موت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ اپنے قول و فعل کے بڑے دھنی اور پکّے تھے اور زندگی کی جدوجہد اور سعی و محنت میں اپنا مقام بنانا جانتے تھے ابوطلحہ انصاری ایام شوریٰ میں لوگوں کی امانتیں نمٹانے میں اتنے مصروف تھے کہ مجلس شوریٰ میں شرکت کا بھی ان کو تیسرے دن آخری وقت میں موقع ملا تھا اس رات کو عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ مسور بن مخرمہ کے مکان پر پہنچے اور ان کو جگا کر زبیر رضؓ و سعد رضؓ کو بلانے کے لیے روانہ کیا اور جب زبیر رضؓ آئے تو عبدالرحمان رضؓ نے انہی سے اپنے کام کا آغاز کیا اور کہا بنو عبد مناف اور اس امر کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ زبیر رضؓ نے جواب دیا میری رائے تو علی رضؓ کے حق میں ہے اس کے بعد انہوں نے سعد رضؓ سے دریافت کیا اور کہا تم اپنی رائے میرے حوالہ کر دو کیونکہ ہم کلالہ ہیں اور دُور کے چچا زاد بھائی بھی ہیں اس پر سعد رضؓ نے جواب دیا اگر آپ خود خلافت کے اُمیدوار ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر عثمان رضؓ کو ترجیح دینا چاہتے ہیں تو میرے نزدیک تو علی رضؓ زیادہ پسندیدہ ہیں اور پھر ان سے مخاطب ہو کر بولے اپنی بیعت لے لو اور ہم سب کو راحت پہنچاؤ اور ہمارے سر بلند کر دو۔ اس بات کوشش کر عبدالرحمٰن نے جواب دیا میں نے تو اپنے آپ کو اس قضیہ سے علیحدہ کر لیا ہے اور پھر ایک بار اپنا مقولہ دہرایا کہ ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے بعد ان کا کوئی ایسا نعم البدل نہیں ہو سکتا جس سے سب لوگ راضی ہوں اس کے بعد اس رات جن لوگوں سے ان کی ملاقات کا نمبر آیا وہ علی رضؓ اور عثمان رضؓ تھے پہلے انہوں نے علی رضؓ کو بُلایا اور ان سے دیر تک سرگوشی کرتے رہے اور پھر عثمان رضؓ کو طلب کیا اور ان سے فجر کی نماز تک بات چیت کرتے رہے۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے خیال کے مطابق ان دونوں سے خلیفہ ہونے کے بعد کے خیالات اور عزائم سے واقفیت حاصل کر لی تھی اور حضرت عمر رضؓ کے زمانہ کے عمال کو علی حالہ بحال رکھنے کے بارہ میں بھی اطمینان حاصل کر لیا تھا، البتہ نئی تقرریوں اور دیگر امور کے بارہ میں وہ اپنی صواب دید کے مطابق کام کرنے میں آزاد چھوڑ دیے گئے تھے انہوں نے ان دونوں سے عمومی سیاست مالِ غنیمت، رزق عساکر و مغازی و سرایا کے علاوہ خلافت سے متعلق دیگر امور کے بارہ میں بھی ان کے خیالات سے آگاہی حاصل کر لی تھی جو گفتگو عبدالرحمٰن رضؓ، علی رضؓ اور عثمان کے درمیان ہوئی اس کا کسی کو مطلقاً علم نہیں ہوا۔ لوگوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ سب ظن و تخمین پر مبنی ہے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ، علی رضؓ یا عثمان رضؓ سے سنا ہوا نہیں ہے بہرحال اس گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز تھا کہ صبح کی اذان کا وقت آ گیا اور لوگوں نے نماز فجر مسجد میں ادا کی اس کے بعد عبدالرحمٰن رضؓ نے شوریٰ کے لوگوں کو جمع کیا اور انہوں نے ان لوگوں کو بھی بلوایا جو انصار کے علاوہ سوابقین اور اہل فضل میں شمار ہوتے تھے، اس کے علاوہ انہوں نے اُمراءِ لشکر کو بھی مدعو کیا اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمان رضؓ نے کھڑے ہو کر کہا" اے لوگو! شہروں کے لوگ یہ جاننے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں کہ ان کا امیر کون منتخب ہوا ہے اس پر سعید بن زید رضؓ نے جو مجاہدین اوّلین میں شامل رہے ہیں چیخ کر کہا، ہم آپ کو اس کا اہل سمجھتے ہیں اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے کہا میرے سوا کسی اور کا نام بتاؤ اس پر عمار بن یاسر رضؓ نے کہا اگر تم نہیں چاہتے ہو کہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو تو علی رضؓ کی بیعت لے لو۔ اس پر مقداد بن الاسود بولے، عمار سچ کہتے ہیں اگر تم علی رضؓ کی بیعت کرتے ہو تو اس کا جواب ہماری طرف سے سمعنا و اطعنا ہے۔

Marfat.com

اس پر عبداللہ بن ابی سرح نے کھڑے ہو کر اور ان کو مخاطب کر کے کہا عثمان رض کی بیعت کرو گے تو قریش اختلاف نہیں کریں گے اس کی تائید عبداللہ بن ابی سرح نے بھی کی اور کہا کہ عبداللہ سچ کہتے ہیں اگر تم نے عثمان رض کی بیعت کی تو ہماری طرف سے اس کا جواب سمعنا و اطعنا ہے اس پر عمار رض اور ابن ابی سرح آپس میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے لگے غرضنکہ بات بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کے درمیان خلط ملط ہو کر رہ گئی اس کے بعد عمار رض نے کہا اے لوگو! اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے طفیل ہم کو عزت و شرف سے نوازا ہے اور اپنے دین کی بدولت ہم کو عزت بخشی ہے تم اہل بیت نبی سے اس معاملہ کو ہٹا کر اور کہاں لے جا رہے ہو اس پر آل مخزوم میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے ابن سمیہ تم نے یہ کیا پینترا بدلا ہے قریش میں سے امیر بنانے والے تم کون ہوتے ہو؟ سعد بن ابی وقاص رض کو اس جھگڑے اور شور و شغب سے بے حد کوفت اور اذیت پہنچی اور انہوں نے بلند آواز میں عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا اے عبدالرحمٰن قبل اس کے کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں اپنے کام سے جلد فراغت حاصل کرو۔ بلاشبہ ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ آیا عبدالرحمٰن بن عوف رض نے بیعت کے اعلان سے قبل تاخیر سے کام لیا تھا یا نہیں یا وہ اس وقت تک خاموش رہے تھے جب تک کہ لوگوں نے اس تنازعہ پر لعن طعن نہ شروع کر دی تھی شورائی معاملات میں اُن کے تصرفات اور عمل دخل سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ پہلے انہوں نے ایک اقدام کیا اس کے عواقب و نتائج پر خوب غور کیا اور پھر حتمی طور پر آخر میں انہوں نے ایک اور قدم اُٹھایا اور وہ ان دونوں بزرگوں سے بالمشافہ گفتگو اور مباحثہ تھا چنانچہ انہوں نے پہلے علی رض کو اور پھر عثمان رض کو اپنے پاس مسجد میں طلب کیا اور وہیں یہ کام انجام دیا کیونکہ اس فتنہ نے اب اتنا سر اُٹھا لیا تھا کہ اگر جلد ہی خلیفہ کا انتخاب کر کے لوگ اس کی بیعت نہ کر لیتے تو نہ معلوم

Marfat.com

کیا انجام ہوتا۔ ایک طبقہ قریش کے اتفاق کی بات کر رہا تھا اور دوسرا کچھ اور شرطیں پیش کر رہا تھا اور تیسرا کچھ اور شرائط پیش کر رہا تھا اسی طرح ایک گروہ بنی ہاشم کے بارہ میں گفتگو کر رہا تھا جب کہ دوسرا گروہ بنو امیہ کی حمایت میں سرگرم نظر آرہا تھا اور اس ماجرا کو دیکھ کر بنی سعد عبد الرحمٰن سے چلا کر کہہ رہے تھے کہ عبد الرحمٰن جو کچھ کرنا ہے جلد کرو، ان کی آواز مسجد کے در و دیوار میں اتنی زور سے گونج رہی تھی کہ ہر طرف اسی کی بازگشت سنائی دے رہی تھی بہر حال عبد الرحمٰن بن عوف نے عجلت سے کام لیتے ہوئے اعلان کیا۔ لوگو! میں نے بہت کچھ غور و خوض کر لیا ہے تم لوگ اب ادھر ادھر پھٹنے کی کوشش نہ کرو اور اس کے بعد علی رضؓ کو بلا کر کہا تم پر اللہ کے عہد و پیمان کی ذمہ داری ہے تم کتاب اللہ اور سنت رسول سے بھی اچھی طرح واقف ہو اور سیرت خلیفتین کے تمام پہلو تمہارے سامنے عیاں ہیں، اس پر علی رضؓ نے جواب دیا:۔

مجھے امید ہے کہ میں اپنے مبلغ علم کے مطابق تمام کام انجام دوں گا اور خلافت کے متعلق اپنی صواب دید اور اجتہاد سے کام لوں گا اس کے بعد عبد الرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان رضؓ کو بلایا اور کہا تم پر اللہ کے عہد و میثاق کی ذمہ داری ہے اور سنت رسول کے ساتھ ہر دو خلفاء کی سیرت و عمل سے بھی باخبر ہو، یہ سن کر حضرت عثمان رضؓ نے جواباً کہا "ہاں بے شک!" بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ عبد الرحمٰن کے قریب پہنچ گئے اور منبر کے نزدیک اُن پر چھا گئے تو انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو اپنے سے اوپر والی سیڑھی پر بٹھا لیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر بیٹھ گئے یہ دیکھ کر لوگ جوق در جوق حضرت عثمان رضؓ کی بیعت کرنے لگے لیکن حضرت علی رضؓ نے بیعت میں تاخیر کی اس پر عبد الرحمٰن بن عوف نے قرآن پاک کی وہ آیت تلاوت کی جس کا مطلب ہے "جو اللہ کا عہد توڑتا ہے وہ اس کو اپنی جان کے نقصان پر توڑتا ہے" اور پھر دوسری آیت پڑھی جس کا مطلب ہے "جو

Marfat.com

اللہ کا عہد توڑتا ہے" اور پھر دوسری آیت تلاوت کی جس کا مطلب ہے "جو اللہ کا عہد پورا کرے گا اللہ اس کو اجر عظیم عطا کرے گا۔" یہ سُن کر حضرت علیؓ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے اور انہوں نے یہ آیت تلاوت کی ،جس کا مطلب ہے "صبر بہت اچھا ہے اور جو کچھ تم کہتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے" بہرحال تمام اہل شوریٰ نے مسجد نبوی میں حضرت عثمان رضؓ کی بیعت کی البتہ طلحہ رضؓ اس میں شریک نہیں تھے کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں تھے لیکن جب وہ آئے اور ان کو بیعت کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کیا تمام قریش اس پر راضی ہیں اور جب طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا تمہیں اختیار ہے اگر تم انکار کردو گے تو میں اسے مسترد کردوں گا اس پر حضرت طلحہؓ نے کہا "کیا تم مسترد کردو گے؟" حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا "ہاں۔" اس پر طلحہ رضؓ نے کہا "تو پھر میں راضی ہوں۔" اور میں اس چیز سے کنارہ کشی اختیار نہیں کروں گا جس پر سب لوگ راضی ہیں۔" بہرحال اس موقع پر بہت سی بے سروپا باتیں بھی مشہور ہوگئیں لیکن جن بعض روایات سے ہمیں دُکھ پہنچا ہے ان میں سے حضرت علی رضؓ کا یہ قول بھی ہے "کتنا بڑا دھوکا۔" بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ عمرو بن العاص رضؓ نے اُن کو دھوکا دیا کیونکہ شوریٰ کی راتوں میں وہ حضرت علی رضؓ سے ملتے رہے اور ان کو اطمینان دلاتے رہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ ایک مجتہد النسان ہیں اور اگر تم نے ان کی شرط پوری کردی تو وہ تم پر بھروسہ کریں گے لیکن تم اس کو اپنی جدوجہد اور طاقت کے بل بوتہ پر حاصل کرنا ،بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بھی ملاقات کی تھی اور ان سے بھی یہی کہا تھا کہ عبدالرحمٰن ایک مجتہد النسان ہیں قسم خدا کی وہ عزیمت واستقلال کے ساتھ تمہارے لیے کوشش کریں گے مگر اپنی شرائط کو پورا کریں گے اگر تم اُن کی عزیمت کو دل سے قبول کرلو گے تو وہ تمہاری بیعت کریں گے۔" غرضکہ اسی قبیل کی مخترعات اور ایجاد بندہ قسم کی افواہیں سُننے میں آتی رہیں

Marfat.com

اور قاعدہ ہے کہ لوگ زیب داستان کے لیے اس قسم کی ہوائی باتوں پر یقین کرنے میں بہت دلچسپی لیتے ہیں حالانکہ نہ علی رضؓ اس قسم کے آدمی تھے جو یہ سوچتے کہ عمرو بن العاص ان کے ساتھ مل کر عبدالرحمٰن رضؓ اور عثمان رضؓ کے خلاف کسی سازش میں شریک ہو سکتے ہیں اور نہ ہی عثمان رضؓ ہی ایسے آدمی تھے جو عبدالرحمٰن بن عوف کا راز عمرو بن العاص سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ خبروں کے سلسلہ میں ہمیشہ فال کے مقابلہ میں قال کا فیصلہ زیادہ معتبر اور فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے اور یہی قول خصوصیت سے اس بیعت کی خبروں کے سلسلہ میں بھی صادق آتا ہے اور چاہے یہ بات لوگوں کی زبان پر ہو لیکن ہمیشہ لوگوں کے تحت الشعور اور قلب کی گہرائیوں میں عرصہ دراز سے آنے والی تبدیلیوں کا انجانا خوف ضرور موجود رہا ہے جس کو روکنے کے لیے ان کے دلوں میں خواہش بھی موجود رہی ہے پھر لوگوں کو رسول علیہ السلام کی اس حدیث کا بھی علم تھا کہ خلافت تیس سال تک قائم رہے گی۔ اس کے بعد بدطینت بادشاہوں کا دور دورہ ہوگا، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کئی بار فرمایا کہ عنقریب بعض دنیا دار لوگوں میں ایسی تبدیلی رُونما ہوں گی جسے کوئی پسند نہیں کرے گا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے قول و عمل سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ بھی کبھی اپنے زمانہ کے حالات سے بے خبر رہتے تھے اور نہ اپنے عہد کے شر پسند لوگوں سے غافل رہتے تھے غرضکہ لوگوں کے دلوں میں اس نوع کا تحت الشعور خوف ہمیشہ قائم رہا جس کی شدت میں وقتی طور پر کبھی کبھی کمی آ جاتی تھی، لوگوں کے دلوں میں خوف و تجسس کی یہ لہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی گاہے گاہے اُٹھتی رہی چنانچہ جس طرح یہ کیفیت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات اور حضرت صدیق اکبر رضؓ کے عہد خلافت کی درمیانی مدت میں باقی رہتی اسی طرح ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات اور عمر فاروق رضؓ کے قیام خلافت کے دوران بھی باقی رہی اور اسی طرح عمر فاروق رضؓ اور عثمان رضؓ بن عفان

Marfat.com

کی خلافت کے دوران تھی قائم رہی اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت کے اوائل میں فتنہ ارتداد رونما ہوا تو کچھ لوگوں میں یقیناً دہشت پھیل گئی لیکن بعض لوگ اس دہشت کا قطعاً شکار نہیں ہوئے، جو لوگ اس واقعہ سے دہشت زدہ ہوئے اس کا سبب اس حادثہ کا دفعتاً وقوع پذیر ہونا تھا لیکن جن لوگوں نے اس دہشت سے کوئی اثر قبول نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی نظر میں اس واقعہ کی کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں تھی لیکن رفتہ رفتہ پھر یہ نوبت آنے لگی کہ جب کبھی دو ادوار کی درمیانی مدت میں کوئی واقعہ پیش آتا یا اچانک کوئی حادثہ رونما ہوتا تو لوگوں کی فکر و پریشانی میں اضافہ ہو جاتا چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کر دیا کہ ابوبکر جیسے رقیق القلب، نرم خو اور غمگسار شخص کے اٹھ جانے کے بعد اب کیا ہوگا؟ لیکن اس نوع کے حادثات کے پیدا ہونے والے سوالات نے مسلمانوں کو زیادہ عرصہ تک اس لیے پریشان نہیں رکھا کہ ابوبکر صدیقؓ کوئی کام حضرت عمر رضؓ کے مشورہ اور استصواب کے بغیر انجام نہیں دیتے تھے، شیخین کی سیاست کی نوعیت بالعموم ایک ہی اور یکساں سمجھی جاتی تھی جس میں اگر کبھی سختی ہوتی تھی تو ایک ہی طرح کی ہوتی تھی اور اگر نرمی ہوتی تھی تو وہ بھی ایک ہی نوعیت کی ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کے بعد کچھ لوگ خوف و پریشانی کا شکار ہوئے تو ان کا یہ اضطراب و پریشانی کسی سنت جاریہ یا طریق کار کی تبدیلی کے باعث نہ تھی بلکہ اُن کو یہ قوت صرف حضرت عمر رضؓ کی سختی طبع اور شدت کی وجہ سے لاحق تھا اور جب حضرت عمر رضؓ دنیا سے رخصت ہو گئے تو لوگوں کے سامنے تمام مسائل پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے اور ہر طرف اُن کو ہلاکت خیز مصائب و آلام کے خوفناک آثار نظر آنے لگے اور حسب سابق وہ پھر اس تشویش میں مبتلا ہونا شروع ہو گئے جس میں ہر دَور کے لوگ خلاء پیدا ہونے کے بعد مبتلا ہو جاتے تھے۔

Marfat.com

ایسے میں لوگوں کو حضرت عمر رضؓ کی وہ وصیتیں خاص طور پر یاد آرہی تھیں کہ میرے بعد اہل کاروں اور عاملوں کو بالعموم تبدیل نہ کیا جائے نیز یہ کہ وہ اُمت کو حق کی راہ پر ڈالے رکھنے کے خواہاں تھے جس کے لیے وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ ایسا ہونا چاہیے کہ اگر وہ متشدد ہو تو اس میں قساوت وظلم کا شائبہ نہ ہو اور اگر کبھی نرمی برتے تو لوگ اس کو اس کی کمزوری نہ سمجھیں، یہی وجہ تھی کہ عبدالرحمٰن بن عوف کہا کرتے تھے کہ صدیقؓ و فاروقؓ کے بعد لوگ کسی سے خوش نہیں رہے اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ تھی کہ تا وقتیکہ سیرت اولیٰ کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔ لوگوں کو اطمینان اور چین نصیب نہیں ہوگا۔ غرضکہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی یہ نفسیاتی کیفیت ان حادثات واقوال سے زیادہ اہم ہے جو خلافت کی درمیانی مدت کے باعث ہم تک پہنچتی رہی ہے اس لیے کہ اس نفسیاتی کیفیت کو سمجھے بغیر حوادث و اقوال کو سمجھنا مشکل ہے اور غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہی نفسیاتی حالت وکیفیت بہت سے حادثات و واقعات کو جنم دینے کا سبب ہوتی ہے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی سیاست میں نقص نکالنے والا خواہ وہ مخلص ہو یا غیر مخلص ہو ——— یہ ضرور سمجھتا تھا کہ ان کو قدیم طور طریقوں کو بدلنے اور اپنے پیشرو خلفاء کے طرز عمل کے خلاف چلنے سے گریز کرنا چاہیئے تھا اور اس چیز کا لوگ جہاں اپنی نجی گفتگو میں ذکر کرتے تھے۔ عام اجتماعات میں خطاب کرتے وقت بھی اس کا اظہار کرتے تھے اور چونکہ یہ چیز ہر وقت ان کے دل ودماغ میں چھائی رہتی تھی اس لیے بعض لوگوں نے حسن نیت سے اور اکثر لوگوں نے بدنیتی سے اسی کو مخالفت کا بہانہ بنا لیا تھا اور اس طرح یہ اس وقت کا مقبول ترین نغمہ بن گیا تھا جس کو سننے کے لیے ہر مقام اور ہر جگہ پر لوگوں کے ہجوم ہمہ تن گوش بن گئے تھے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ و سربراہ حضرت عثمان رضؓ خود بھی اس نفسیاتی المیہ اور تحت الشعوری کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ یہ کیفیت ان کے مزاج

Marfat.com

طبیعت میں اس حد تک رچ بس گئی تھی کہ وہ ہر حالت میں تسلیم و رضا پر آمادہ نظر آتے تھے اور جس طرح وہ لوگوں سے نجی گفتگو میں اس کا اعتراف کرتے تھے اپنے خطبات میں بھی اس کا برملا اظہار کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ امت جس وقت جس مخمصہ میں مبتلا ہے وہ اس کا مقدر بن چکا ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ اور دنیاوی فتنے لوگوں پر غالب آچکے ہیں جن کو دفع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس نفسیاتی حالت و کیفیت کا اظہار جس طرح ان کے اوّلین خطبہ سے ہوتا ہے آخری خطبہ سے بھی اسی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ اصحابِ شوریٰ جب ان سے بیعت کر چکے اور وہ باہر نکل کر آئے تو وہ چہرہ بشرے سے غمگین اور اداس نظر آتے تھے چنانچہ جب وہ ممبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان سے بولا نہیں جا رہا تھا، اس وقت جو کچھ وہ طنزاً کہہ سکے وہ یہ تھا "اے لوگو! پہلی سواری مشکل ہوتی ہے۔ آج کے بعد بھی بہت مواقع آئیں گے، اگر میں زندہ رہا تو حسب دستور خطبہ ضرور دیا جائے گا۔ ویسے میں کوئی زبردست مقرر اور خطیب نہیں ہوں اللہ تعالیٰ سب کچھ سکھا دے گا۔"

اس موقع پر ان کا یہ حال ان کے قال سے زیادہ مثبت و مدلل تھا جس سے بہت کچھ ظاہر ہوتا تھا۔ سب سے بدیہی چیز یہ تھی کہ اب تلافی مافات کی کوئی صورت نہیں رہی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس اہم موقع پر اتنی مختصر تقریر نہ کرتے، بہرحال ان تمام باتوں کے باوجود وہ ہمیشہ خوف و خشیت الٰہی سے معمور رہتے تھے اور خدا سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق طلب کرتے رہتے تھے۔ وہ جب بھی اپنے خطبات میں مسلمانوں کو خطاب کرتے تھے وہ ان میں بالعموم دنیاوی فتنوں سے بچنے، اتباع سنت کا خیال رکھنے، بدعات و سیات سے گریز کرنے اور پُرسکون رہنے کی تلقین کرتے تھے، خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد انہوں نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

Marfat.com

"تم لوگ قلعہ کے احاطہ میں ہو، حتی الوسع اپنی عمر کا بقیہ حصہ بہترین زادِراہ کے ساتھ موت کی طرف بڑھنے میں صرف کرو، تم موت کی حدود میں داخل ہونے والے ہو خواہ صبح کو پہنچو خواہ شام کو، آگاہ رہو کہ دنیا مکروفریب میں لپٹی ہوئی ہے دیکھو کہیں تمہیں فریب میں مبتلا نہ کر دے اور تم کو اللہ کے بارہ میں شیطان فریب میں نہ ڈال دے، جو کچھ گزرچکا اس سے عبرت حاصل کرو کوشش کرو اور غفلت اختیار نہ کرو خدا تم سے بے خبر نہیں ہے دنیا کے وہ پجاری بندے اور اس کے بھائی بند کہاں ہیں جنہوں نے دنیا کو ہی پسند کر لیا ہے اور اس کی آبادکاری میں عمریں صرف کر دی ہیں اور دنیا سے بہت کچھ استفادہ کر لیا ہے لیکن کیا دنیا نے ان کو ٹھکرا نہیں دیا۔ مگر تم دنیا کو اس طرح پھینک دو جس طرح اللہ نے اسے پھینک دیا ہے۔"

وہ بالعموم اپنا خطبہ ان الفاظ سے شروع کرتے تھے "میں نے بوجھ اُٹھا لیا ہے اور اس کو قبول کر لیا ہے اب میں متبع احکام الٰہی ہوں اور کسی نئی چیز یا بدعت کو بروئے کار لانے والا نہیں ہوں۔ آگاہ رہو کہ تمہارے اُوپر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے بعد میرے تین حق ہیں اوّل اس کا اتباع جو مجھ سے پہلے گذرا اور تم اجتماعی طور پر اس کے ساتھ اشتراک عمل کرتے رہے ہو دوم اہل خیر کے طور طریقوں کا اتباع سوم اپنے آپ کو غیر ضروری خواہشات ومطالبات سے روکے رکھنا۔ آگاہ رہو دنیا بڑی شاداب ورنگین ہے اور لوگوں کو بڑی مرغوب ہے اسی لیے لوگ بکثرت اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔ تم دنیا کا سہارا مت لینا اور نہ اس پر بھروسہ کرنا کیونکہ یہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا بالآخر چھوڑ دیتی ہے۔ مگر اُس کا بھرم قائم رہتا ہے جو خود اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

بہرحال جب حضرت عثمان رضؓ کی بیعت خلیفہ ثالث کی حیثیت سے قائم ہو چکی تو انہوں نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں وعدوں اور وعید کے ساتھ یہ

Marfat.com

بھی کہا کہ وہ لوگوں پر کسی قسم کی قدغن عائد کرنے اور مزاحمت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں الاّ یہ کہ لوگ خود ہی اپنے آپ کو اس کا مستحق بنالیں دراصل قدغن عائد نہ کرنے کا اضافہ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضؓ کی عائد کردہ بیرونی سفر پر پابندی کے باعث کیا گیا تھا حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہد میں لوگوں کو سختی کے ساتھ مدینہ سے باہر جانے سے اس لیے روک دیا تھا کہ لوگ باہر جا کر دنیاوی فتنوں میں پھنس جائیں گے اور حرص و طمع کا شکار ہو جائیں گے لیکن اس موقع پر بعض توہم پرست لوگوں نے ایسے بے بنیاد شکوک و شبہات دلوں میں پیدا کرنا شروع کر دیے جن کو مستشرقین یورپ نے خوب اچھالا اور اس پر خوشیاں منائیں من جملہ ان بے بنیاد اوہام و خیالات کے ان کا ایک وہم و گمان یہ بھی تھا کہ اصحاب شوریٰ نے خلیفہ سوم کے انتخاب کے موقع پر جان بوجھ کر ان کا انتخاب محض اس خیال سے کیا تھا کہ وہ شیخ فرتوت اور قریب المرگ ہیں اور ان میں سے ہر ایک ان کے مرنے کا منتظر اور خلیفہ ہونے کا آرزو مند تھا اگر واقعی ایسا تھا تو کیا عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر اور مخلص صحابی بھی بیعت کر لینے کے بعد کسی اور کو خلیفہ بنانے کے منتظر تھے؟ اسی طرح ان کے مکر و فریب اور بے بنیاد وہم و گمان کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ یہ بھی تھا کہ عثمان غنی کی خلافت بنی اُمیہ کے لیے راہ ہموار کرنا اور ان کی خلافت کے لیے داغ بیل ڈالنا تھی تاکہ مستقبل میں خلافت کا سلسلہ بنی اُمیہ ہی میں یکے بعد دیگرے چلتا رہے۔ جس کے لیے وہ آغاز اسلام سے کوشاں تھے غرضکہ جس وقت حضرت عثمانؓ نے خلافت کی اہم اور نازک ذمہ داریاں سنبھالیں تو ہر طرف اسی قسم کی بے بنیاد بدگمانیاں اور اندیشہ ہائے دُور دراز ماحول میں پھیلے ہوئے تھے۔

خلافت

مذکورہ بالا وسوسوں اور اندیشوں کی فضا میں اسلام میں پہلی مرتبہ خلیفہ سوم حضرت عثمان رضؓ کی دشوار ترین خلافت کا قیام عمل میں آیا اگرچہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دَور میں بھی فتنہ ارتداد

Marfat.com

کی زبردست شورش نے سر اٹھایا تھا مگر اس فتنہ کے خلاف تمام مسلمان متحد ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے لیکن جب خلیفہ سوم کو اپنی خلافت کے آغاز میں اسی سے ملتی جلتی سنگین شورش کا سامنا ہوا تو نفسیاتی طور پر بھی لوگوں کے جذبات میں ہیجان بڑھنا شروع ہوا۔ گویا خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے دور کا یہ سب سے بڑا دھماکہ تھا، حضرت عمر فاروق رضؓ کا رعب داب پورے جزیرۃ العرب میں اور آس پاس کے ملکوں پر چھایا ہوا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ روم و فارس کے سربراہان مملکت بھی حضرت عمر فاروق رضؓ کی پُر رعب شخصیت کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں سے بھی خائف تھے چنانچہ حضرت عمر رضؓ کی ہیبت سے روم وفارس کے محتاط رہنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ وہ مکر و فریب سے کام لے کر ہوشیار و محتاط رہیں۔ ایران کے بطل جلیل اور مشہور پہلوان رستم نے حضرت عمر رضؓ کے بارہ میں کہا تھا کہ "عمر کا تو نام سُن کر ہی میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔" جس نے سوکھا گوشت کھانے والے بادیہ نشینوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں شیر بنا کر کھڑا کر دیا ہے، یہ عرب جو آج اس کی پشت پناہ بنے ہوئے ہیں نہ صرف اس کی ہر بات پر آمنّا و صدقنا کہتے ہیں بلکہ آپ کی سیرت و کردار کی من و عن پیروی بھی کرتے ہیں قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ ایرانی لشکر کے سردار ہرمزان نے ہی ابولولو کو حضرت عمر رضؓ کو قتل کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ حالات اور واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ بات دل کو لگتی بھی ہے ساسانی بادشاہ یزدجرد نے ہرمزان کے مشوروں کو فارس کی لڑائیوں میں ہمیشہ بہت اہمیت دی ہے حضرت عمر رضؓ کے قتل کے اثرات صرف جزیرۃ العرب تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ مشرق و مغرب تک اس کے مضمرات وسیع ہوتے چلے گئے چنانچہ یہ اسی کا اثر تھا کہ ان ایرانی و رومی قبائل میں سرکشی و تمرد کے آثار پیدا ہونے لگے جو اسلامی لشکر کے سرداروں سے صلح و اطاعت کے معاہدے کر چکے تھے حتیٰ کہ اس اندرونی شورش کو دیکھتے

Marfat.com

سلطنت روما نے بھی مسلمانوں سے کیا ہوا اپنا معاہدہ امن توڑ ڈالا اور اسکندریہ میں اس کی بری و بحری فوجوں نے قتل و غارت گری شروع کر دی ، ایک طرف کھلم کھلا اس نے اپنا بحری بیڑہ فلسطین کے ساحلوں پہ بھیج دیا اور دوسری طرف میدانی علاقوں میں بھی خفیہ طور پہ اس نے اپنی فوجیں اتار دیں۔ جن رومی کشتیوں اور فوجوں نے اس شورش و بغاوت برپا کرنے میں حصہ لیا تھا مورخین نے ان کی تعداد بتاتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس میں پانچ سو کشتیوں نے حصہ لیا تھا ۔ اور فوجوں کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی جب رومیوں کے اس عظیم اجتماع کی خبر ارمن اور دوسرے ایشیائی قبائلیوں کو پہنچی تو وہ بھی اس موقع کو غنیمت سمجھ کر معاہدوں کو توڑنے کی فکر کرنے لگے ، حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ سوم کے لیے یہ موقع بڑی کٹھن آزمائش کا تھا جو اپنی وسعت و کیفیت کے لحاظ سے کسی طرح بھی فتنہ ارتداد کے آزمائش سے کم نہ تھا ، لیکن خلیفہ سوئم حضرت عثمان رضؓ نے اس کو نہ صرف عزم و حوصلہ اور ہمت سے برداشت کیا بلکہ بڑی سرعت و تیزی کے ساتھ اس کے پھیلنے والے اثرات کو روکنے اور دبانے میں کامیاب بھی ہوئے ۔ اور اس میں ان کو ایسے لوگوں کا تعاون بھی حاصل رہا جو حالات کو رو با صلاح کرنے کے لیے مناسب و موزوں بھی تھے ، بعض لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کی ضعف طبیعت کو خاصی اہمیت دی ہے ان لوگوں کے نزدیک اس ضعف و نرمی کا تعلق ان کی فطرت اور افتاد طبع سے تھا اور جو خصوصیت سے اس وقت ظاہر ہوتا تھا جب وہ خلافتی امور سے متعلق کوئی فیصلہ صادر فرماتے تھے یا امور مملکت کے لیے کسی شخص کا تقرر فرماتے تھے جو لوگ ان کے حسن مقصد اور حسن نیت سے واقف و باخبر تھے وہ ان کے کمزور موقف کے باوجود ان کی غلطیوں اور حسن نیت کے مابین توافق و تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن جو لوگ ان کی مخالفت و ملامت میں حد سے

Marfat.com

بڑھے ہوئے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ سومؓ کی ضعف طبع اور نرمی کے باعث جو فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اس نے اُن کی مفروضہ نیک نیتی اور حسنِ مقصد پہ بھی پردہ ڈال دیا ہے۔

بہرحال ان دونوں طبقوں کے نزدیک یہ بات بہت عجیب سی تھی کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ خلیفہ سومؓ نے اپنی ہمت و عزم اور اصابت رائے سے اس شورش و فتنہ کے خلاف بند باندھ دیا تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ جس طرح ضعف و کمزوری سے قوت و عزیمت کا ابطال نہیں ہوتا ہے اسی طرح تمام ضعفاء بھی برابر نہیں ہوتے ہیں نیز یہ کہ ان کا ضعف تمام معاملات و حالات میں لازمی طور پہ ظاہر نہیں ہوتا ہے دراصل ضعف بھی مرض کی مانند ہوتا ہے اور مرض ہر شخص کی جسمانی و طبعی قوت مدافعت و مزاحمت پہ منحصر ہوتا ہے چنانچہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قوی اور مضبوط انسان کبھی کبھی متعدی امراض کا جلد شکار ہوجاتا ہے جب کہ ضعیف اور کمزور شخص متعدی مرض کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح ہم خلیفہ سومؓ حضرت عثمان رضؓ کی بوجوہ طبعی ضعف و نرمی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے ضعف و کمزوری پہ علی الطلاق حکم لگا دینا بھی قرینِ انصاف نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے انہیں انہی موقف و مواقع میں کمزور پایا ہے جن میں اکثر بیشتر بڑے بڑے قوی الارادہ اور اولوالعزم لوگ بھی اس طرح حیران و پریشان ہوجاتے ہیں جس طرح کمزور اور ضعیف لوگ تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ایام جاہلیت میں جو متعدد اہم امور کامیابی کے ساتھ انجام دیے ہیں اُن کے اُن اعمال میں ان قافلوں کا بھی شمار ہوتا ہے جو سردی و گرمی کے ایام میں جزیرۃ العرب سے لے کر یمن کے جنوب اور شام کے شمال تک علاقوں میں رواں دواں رہتے تھے ان کے ناقابل تسلیم اور مشکل مطالبات مکہ اور مدینہ میں بیٹھ کر تسلی بخش طور پہ حل کرنے والے بھی خلیفہ سومؓ حضرت عثمان رضؓ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت عثمان رضؓ تمام مسائل میں مشورہ کے قائل تھے۔

Marfat.com

بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ وہ صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ لینے اور اس پر عمل کرنے کے عادی ہو گئے تھے اور جس قسم کی مہم ان کے سامنے درپیش ہوتی تھی اس میں اپنے متقدمین کی نظیریں تلاش کرتے اور ہمعصر لوگوں کی خبریں اور مثالیں اپنے پیش نظر رکھتے تھے اسلام لانے کے بعد تو قطعی طور پر عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عمر رضؓ کے عہد تک ہر دور کے صاحبان سیاست وعزیمت کے ساتھ ان کا رابطہ قائم رہا اور ہر طرح کی مہمات میں لوگوں کی مشاورت و مشارکت قائم رہی، کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ جب کبھی حضرت عثمانؓ کو کوئی اہم واقعہ یا حادثہ پیش آتا تھا یا ان کی عزم و ہمت کی آزمائش کا وقت آتا تھا تو وہ ضعف و کمزوری کا اظہار کرتے تھے۔ امورِ مملکت کے حوالہ سے ہمیشہ لوگوں کو نازک مرحلوں سے واسطہ پڑتا رہا ہے اگر حضرت عثمانؓ کو بھی خلافت کے دوران بھی اہم اور نازک مسائل کا سامنا ہوا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ خلافت کے بعد ان کو جب کبھی اہم مسائل سے سابقہ پڑا تو ان کی عزم و ہمت اصابت رائے اور رفق و ملاطفت نے ہمیشہ اہم رول ادا کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس سنگین فتنہ کے وقت بھی وہ تن تنہا نہیں تھے بلکہ ان کو ہمدرد رفقاء اور معتمد قائدین کا اخلاقی تعاون حاصل تھا انہیں فوجی جمعیت کی حمایت و مدد بھی حاصل تھی جس نے فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیے تھے اور جواب تک اسلام کے سبز ہلالی پرچم کے زیر سایہ میدان جنگ میں بار ہا اپنی قوت ایمانی، شجاعت اور عسکری صلاحیت کا لوہا دشمنوں سے منوا چکی تھی اس نے جزیرۃ العرب سے باہر روم و فارس کی خون آشام جنگوں میں بھی بڑے بڑے سورماؤں کے دانت کھٹے کر دیے تھے اور عجم و عرب کے موزوں سرداروں اور جرنیلوں کو شکست دے کر ہتھیار رکھوا لیے تھے حبیب بن مسلمہ الفہری کا واقعہ ہے کہ وہ شام اور فلسطین کے میدانِ کارزار میں رومی فوجوں سے نبرد آزما تھا اس نے جزیرۃ العرب سے جو کمک طلب کی تھی وہ تو اسے مل گئی تھی لیکن جو

Marfat.com

کمک اس نے کوفہ سے طلب کی تھی اس میں خاصی تاخیر ہوگئی چنانچہ جب رومی فوجوں نے پیش قدمی کی تو انہیں عربوں کی قلت تعداد کے پیش نظر جنگ وجدل کی قطعاً اُمید نہ تھی لیکن حبیب نے ایسی غیر متوقع جگہ سے حملہ کیا اور شب خون مارا جس کی دشمن ہرگز توقع نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حبیب کی فوجوں کو فتح نصیب ہوئی اور رومی فوجیں شکست کھا گئیں۔ حبیب کی اس جراءت کی بدولت آس پاس کے تمام علاقوں اور خود رومیوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی جس کی کوئی حد نہ تھی، ام عبداللہ حبیب کی بیوی ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ اور جب وہ کہیں چھاپہ مارنے اور کمک ملے بغیر صبح سے پہلے حملہ کرنے کی تیاری کرتا تھا تو وہ اس سے پوچھتی تھی کہ آج کہاں کا ارادہ ہے؟ ایک دن سوال کرنے پر حبیب نے اسے بتایا کہ آج یا موریوں کے خیموں تک پہنچے گا یا پھر جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ خیموں تک پہنچتے پہنچتے اس نے جنت ہی کی راہ لی۔

اس سے قبل ابوبکر صدیق رضؓ اور عمر فاروق رضؓ کو بھی اسلامی لشکر کی حمیت و اعانت اور عمائدین کا ہمیشہ تعاون حاصل رہا لیکن جہاد کے ساز و سامان کی حضرت عثمان رضؓ کے آغاز خلافت میں اتنی قلت اور کمی تھی جس کو مختصراً بیان بھی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ حالات بہت کچھ دگرگوں تھے فضا بڑی مکدر تھی اور ماحول میں بڑی تشویشناک تبدیلی رُو نما ہو رہی تھی۔ جنگی نقطہ نظر سے بھی سرحدیں بہت طویل اور دشوار گزار تھیں شہروں اور قصبات کے درمیان مسافتیں بھی طویل اور کٹھن تھیں اور ذرائع حمل ونقل بے حد محدود تھے علاوہ ازیں اسلامی لشکر میں مختلف النسل اور جنس کے لوگ شامل تھے جن کے اخلاق و عادات اور احوال و اطوار میں بہت فرق تھا ان نازک حالات میں خلیفہ سوم حضرت عثمان رضؓ غنی کو سب کو باہم مربوط و منظم رکھنے کے ساتھ موجودہ فتنہ و شورش سے بھی عہدہ برآ ہونا تھا حضرت عمر رضؓ کے ناگہانی

Marfat.com

قتل کے باعث حالات میں ابتری پیدا ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود حضرت عثمان رضؓ نے ہمت و حوصلہ سے کام لے کر حالات کو بڑی حد تک سنبھالا اور ضبط و نظم قائم رکھا اور خلافت کے کاموں کو خوش اسلوبی سے چلاتے۔ سرحدوں کی حفاظت کرنے اور فتوحات کا سلسلہ وسیع تر کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اسی لیے چاروں طرف کے امصار و ممالک میں مسلمانوں کی دھاک بدستور قائم رہی اور ان ممالک کے سربراہ اس امر کو اچھی طرح سمجھ گئے کہ ان کا واسطہ ایسی قوم سے پڑا ہے جو نہ اپنے خلیفہ کے قتل یا موت سے متاثر ہو کر اپنے مشن کو پورا کرنے سے باز آتی ہے اور نہ کسی قائد کی تبدیلی ان کی فتوحات اور جنگی عزائم میں کوئی خلل ڈالتی ہے، حضرت عمر رضؓ شہید ہوئے اور ان کے بعد حضرت عثمان رضؓ بھی شہید ہوئے، حضرت علی رضؓ شہید ہوئے، امیر معاویہؓ کا انتقال ہوا۔ یزید کا انتقال ہوا، اور اس کے بعد معاویہ ثانی ملک چھوڑ کر چلا گیا۔ غرضکہ بہت کچھ تبدیلیاں اس دوران رُونما ہوئیں، لیکن حالات پھر بھی جوں کے توں رہے اور مملکت اسلامی کی سالمیت اور بقاء کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا۔ بہرحال حضرت عثمان رضؓ نے اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیا۔ جب تک کہ وہ سرکشوں کی سرکوبی کرنے اور بغاوت و سوزش کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہوگئے۔ انہوں نے باغیوں کے اثرات کو کلیتاً ختم کرنے کے لیے ان کو شہروں اور مضافات کی سرحدوں سے کبھی باہر نکال دیا تاکہ دوسرے قریبی شہروں اور دیہات کے لوگوں کو ان سے ساز باز کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ چنانچہ اس کے مکمل سدِ باب کے لیے اُنہوں نے ایک طرف مشرق میں ہندوستان اور چین کی سرحدوں میں شمال میں بحر خزر مغرب میں قسطنطنیہ کے دروازوں اور اُندلس کی سرحدوں اور جنوب میں سوڈان اور حبشہ کے اطراف و جوانب میں فوجیں تعینات کیں، اور اس بارہ میں کسی قسم کی مداہنت اور غفلت کو روا نہیں رکھا گیا غرضکہ سرحدوں کی

Marfat.com

ایک سمت سے لے کر دوسری تمام سمتوں سے پورے علاقہ کو شورش پسندوں کی بغاوت کے اثرات سے بالکل محفوظ کر دیا گیا، تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ ایک ایسے مشکل مسئلہ سے دوچار ہوئے جس سے حضرت عمر فاروق رضؓ حتی الامکان بچے رہے اور ان کے زمانہ میں اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اس کے برخلاف حضرت عثمانؓ کے عہد میں نہ صرف قبرص روڈس اور جزائر بحیرہ روم کی جنگیں پیش آئیں بلکہ مصر و شام اور قیروان کے ساحلی علاقوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کی مدافعت اور روک تھام کی تیاری کے گوناگوں مسائل بھی ان کے سامنے درپیش تھے اور ساحلی علاقوں کی مدافعت اور حملوں کے سدباب کا مسئلہ فی الواقع بڑا اہم اور مشکل تھا جس کی طرف خلیفہ سوئم کے عہد سے قبل قطعاً کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی اور نہ صرف یہ کہ جزیرۃ العرب کے حاکموں کا اس طرف کوئی دھیان نہیں آیا بلکہ جہاں اور جس جس مقام پر اسلامی علم لہرا رہا تھا ان میں سے کہیں بھی اس امر کے بارہ میں سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی - اس بارہ میں حضرت عمر رضؓ کا واضح سیاسی نقطہ نظر یہ تھا کہ اُن کے اور مجاہدین اسلام کے درمیان کوئی دریا یا پُل حائل نہیں ہونا چاہیے بالفاظ دیگر وہ فتوحات کے سلسلہ میں مجاہدین کے دریاؤں کو پُل وغیرہ کے ذریعہ خطرات سے دوچار کرنے کے حق میں نہیں تھے - اسی لیے ان کے یہ واضح احکامات تھے کہ مسلمان لشکریوں کو جس طرح بھی ہو دریاؤں کو عبور کرنے سے حتی الوسع باز رکھا جائے، امیر معاویہ نے حضرت عمر رضؓ کو رومیوں سے بحری لڑائی لڑنے کے لیے آمادہ کرنے کی بے حد کوشش کی اور مسلمانوں کے لیے ان بحری جنگوں کے مفید نتائج برآمد ہونے کی طرف متوجہ کیا حتیٰ کہ اس سلسلہ میں ایک دن انہوں نے حضرت عمرؓ سے یہاں تک کہا کہ یہ علاقہ ہم سے اتنا قریب ہے کہ حمص کے ایک علاقہ کے باشندے دریا کے اس پار کے کتوں کے بھونکنے کی اور مرغیوں کے کڑکڑانے

کی آوازیں سنتے ہیں - اس سے امیر معاویہ رض کی مراد اوراد سے تھی - اس پر حضرت عمر فاروق رض نے عمرو بن العاص کو خط لکھا جس میں ان سے دریا کی پوری کیفیت اور دریا کو عبور کرنے کی حالت تفصیل سے بیان کرنے کو لکھا اور پھر آخر میں لکھا کہ میں بہرحال اس کے خلاف ہوں - اس کے جواب میں عمرو بن العاص نے لکھا - "یہاں اگرچہ بڑی مخلوق دیکھنے میں آتی ہے - مگر دریا میں اُترنے کا حوصلہ رکھنے والے کم ہی نظر آتے ہیں چاروں طرف اوپر آسمان نظر آتا ہے اور نیچے پانی اگر دریا پرسکون ہوتا ہے تو دل اس کی ہیبت سے لرز جاتے ہیں اور اگر رواں ہوتا ہے تو دیکھ کر ہوش اُڑ جاتے ہیں - اس کو دیکھ کر یقین میں کمی اور شکوک میں اضافہ ہوتا ہے - اگر کوئی بے سوچے سمجھے دریا میں اُتر جائے تو غرق ہو جاتا ہے اور اگر بچ جاتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے غرضکہ اسی قسم کی باتوں سے عمرو بن العاص نے حضرت عمر رض کو اتنا خائف کر دیا کہ انہوں نے قسم کھا لی کہ کسی مسلمان مجاہد کو دریائی سفر پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور روم کے بادشاہ سے جنگ نہ کرنے کا خیال ظاہر کیا جب روم کے بادشاہ نے یہ خبر سُنی تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے حضرت عمر رض سے دوستی بڑھانے کی خاطر تحفے تحائف بھیجے اور خط کے ساتھ حضرت عمر رض کی اہلیہ کے لیے ایک نہایت بیش قیمت ہار تحفہ میں بھیجا - جسے حضرت عمر فاروق رض نے بیت المال میں داخل کر دیا اور اس کے بعد امیر معاویہ کو لکھا کہ وہ رومیوں سے جنگ کرنے کے خیال سے باز آجائیں ورنہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو علاء حضرمی کا ہوا ہے جنہوں نے ان کی اجازت کے بغیر جنگی اقدامات کیے تھے - علاء حضرمی کا اثر لوگوں کے ذہن و دماغ پر عرصہ تک قائم رہا - چنانچہ حضرت عمر رض کے ذہن میں بھی عرصہ تک یہ خیال خلش پیدا کرتا رہا اور جب بھی بحری جنگوں کا ذکر آتا تھا وہ علاء حضرمی کا ذکر ضرور کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ والی بحرین علاء حضرمی اور سعد بن وقاص کے درمیان جہاد کے سلسلہ میں بڑی منافست چلی آرہی تھی علاء حضرمی

Marfat.com

نے مرتدین کی جنگ میں بڑی شہرت پائی تھی لیکن سعدؓ بن وقاص نے قادسیہ کا معرکہ سر کرکے ان پر فوقیت حاصل کر لی تھی جس میں انہوں نے اکاسرہ کو میدان جنگ سے ہزیمت پر مجبور کر دیا تھا اور ان کو دور دور تک دھکیل دیا تھا اور پھر سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابن اثیرؒ لکھتا ہے کہ علاء حضرمی نے سوچا کہ اہل فارس کے ساتھ بھی کچھ چھیڑ چھاڑ کر لی جائے حالانکہ حضرت عمرؓ نے ان کو بحری جنگ سے منع کر رکھا تھا مگر لشکروں کو بحرین سے فارس کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا اور جب ایرانی لشکر ایران کے جنوب مغربی شہر اصطخر پہنچا اور ان کے مقابل اہل فارس صف آراء ہوئے جن کا سردار ہیربذ تھا تو ایرانی فوجیں مسلمانوں اور ان کی کشتیوں کے مابین رکاوٹ بن گئیں چنانچہ طاؤس کے مقام پر شدید جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں بہت سے ایرانی مارے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بصرہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن ان کو واپسی کے لیے بحری راستہ نہ ملا۔ ایرانیوں نے ان کا راستہ روک لیا مسلمان مجبور ہو کر واپس لوٹے اور آگے بڑھنے سے باز رہے۔ ابن اثیرؒ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو علاء حضرمی کی اس کرتوت کا علم ہوا تو انہوں نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ کثیر تعداد میں فوجی امداد ایران میں پڑی ہوئی مسلمان فوج کی کمک کے طور پر فوراً روانہ کی جائے۔ تاکہ وہاں مسلمان فوج ہلاکت سے دوچار نہ ہو جائے انہوں نے علاء حضرمی کے لیے سخت ترین سزا یہ تجویز کی کہ ان کو سعد بن وقاص کے ماتحت بنا دیا گیا۔ چنانچہ وہ سعدؓ بن وقاص کے پاس ایک حکم بردار اور مطیع کی حیثیت سے پہنچے حقیقت یہ ہے کہ علاء حضرمی کے لیے اس سے بڑی اور سخت سزا تجویز بھی نہیں کی جا سکتی تھی اور اگر وہ چاہتے تو اس حکم کی خلاف ورزی بھی کر سکتے تھے مگر وہ ان کے تقویٰ اور ایمان نے اس سرتابی سے باز رکھا مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے اس شخص کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی

Marfat.com

جس کی مخالفت کرکے کوئی شخص سزا سے بچ نہیں سکتا تھا - اس سخت سزا کا انجام عرصہ تک حضرت عثمان رض کے ذہن میں اُلجھن پیدا کرتا رہا - لیکن اسی کے ساتھ ان کو یہ فکر بھی لاحق تھی کہ بحری جنگوں کے بغیر اسلامی فتوحات کا دائرہ کس طرح وسیع کیا جا سکتا ہے اور رومی و ایرانی دریاؤں کو عبور کیے بغیر بہت سے اہم جنگی معرکے مسلمان کیونکر سر کر سکتے ہیں ؟ اس لیے ان حالات نے حضرت عثمان رض کو از سرِ نو تمام حالات کا جائزہ لینے اور اس سمت میں قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا اگرچہ بحری جنگوں میں شرکت کا فیصلہ ہر دو خلیفہ کی سیاست ملکی کے خلاف تھا لیکن حالات کا تقاضا یہ تھا کہ خلیفہ سوم اب اس معاملہ میں خود ہی جلد کوئی فیصلہ کن اقدام کریں - اس لیے انہوں نے سوچا کہ مسلمان فوجوں کو جو روڈس، قبرص اور ساحلی جزائر پر پڑی ہوئی ہیں اگر دشمنوں کی دست و برد سے بچانا ہے تو مسلمانوں کو بحری جنگ کی تیاری سے اب مزید غفلت نہایت تباہ کن اور مہلک ثابت ہوگی، انہوں نے امیر معاویہ کو بادلِ نخواستہ حکم دیا کہ بحری بیڑہ تیار کیا جائے مگر اس میں جبری بھرتی نہ کی جائے جو شخص اس میں اپنی خوشی سے شریک ہونا چاہے اس کو بھرتی کر لیا جائے، بہرحال اس شرط پر عبداللہ بن قیس الجاسی آمادہ ہو گئے اور انہوں نے بحری بیڑے کے قائد کی حیثیت سے پچاس جانباز غازیوں اور مجاہدوں کے ساتھ شاتیہ اور صافیہ کے مابین بری اور بحری علاقہ کو آخر کار عبور کر لیا جس میں نہ کوئی غرق ہوا اور نہ کسی اور طرح کی مشکل سے دوچار ہوا - وہاں پہنچ کر انہوں نے اہالیان جزائر سے ان شرائط پر معاہدہ کیا کہ وہ ان کی حمایت کریں گے اور ان کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے تاکہ ساحلی دشمنوں سے اس سرزمین کا دفاع کر سکیں اور وہاں ایک مضبوط بحری اڈہ قائم کر سکیں تاکہ مصر و شام کو ہمیشہ مشرقی و مغربی اور جنوبی حملوں سے محفوظ رکھا جا سکے اور اگر ایسا نہ ہو تو مسلمانوں کے علاوہ دوسرے صلح جُو اور امن پسند لوگوں کے تمام

Marfat.com

سرحدی شہر رومیوں کے شبخون اور حملوں سے ہرگز محفوظ نہ رہ سکتے اور جس طرح مسلمانوں کا ان علاقوں پہ تسلط و اقتدار قائم ہوگیا بعینہٖ یہی پوزیشن اب تک رومیوں کی ہوچکی ہوتی ۔ حضرت عثمان رضؓ کی یہ خارجہ کامیاب سیاست داخلی مسائل کے لیے بھی بڑی مفید و معاون ثابت ہوئی اس لیے کہ بیرونی خطرات کی مدافعت کے اہم مسائل نے لوگوں کی توجہ ایک عرصہ تک داخلی مسائل سے ہٹائے رکھی کیونکہ لوگوں کو داخلی سیاست میں اُلجھنے اور اُن سے فوائد حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ تھی ۔ جب جہاد کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور مجاہدین میں بھی تنوع پیدا ہوا اور مختلف الخیال لوگوں کا غازیوں اور مجاہدوں کی جماعت میں اضافہ ہوا تو مال غنیمت اور انفال کے حصص کے حوالہ سے کچھ مشکلات اور مسائل بھی پیدا ہونے شروع ہوگئے جس کی ابتداء حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ہی ہوگئی تھی چنانچہ من جملہ دیگر امور کے جو حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں شروع ہوچکے تھے یہ بھی تھا کہ اہل بصرہ نے باوجود اپنی کثرت تعداد کے خراج کی ادائیگی میں عذر و تامل کیا دوسری شکایت انہیں یہ تھی کہ ان میں بہت سے ایسے لوگ شامل ہوگئے ہیں جو فتح کے بعد بصرہ میں آبسے ہیں غرضیکہ اہل بصرہ کا اہل کوفہ سے اس معاملہ میں ایک تنازعہ کھڑا ہوگیا اہل بصرہ نے ان دیہات پر اپنا دعویٰ جتایا جن کو انہوں کے علاوہ ابو موسےٰ نے فتح کیا تھا ۔ مگر اس میں اہل کوفہ کی کوششوں کو بھی بہت کچھ دخل تھا ۔ اسی کی تائید حضرت عمر رضؓ نے بھی کی تھی اس لیے اہل کوفہ نے اُن سے کہا تم تو صرف ہماری مدد کو آئے تھے ملک تو ہم نے خود فتح کیا ہے اب تم غنائم میں بھی حصہ لینا چاہتے ہو بہرحال یہ ہماری اپنی ذمہ داری ہے ۔ اور یہ سرزمین ہماری ہے ۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے کہا بے شک یہ لوگ سچ کہتے ہیں ۔ اس پر امام اور قادسیہ کے لوگوں نے جو بصرہ میں آکر آباد ہوگئے تھے کہا "تم ہمیں ہمارا حصہ عنایت کردو کہ ہم بھی تمہارے ساتھ اس میں شریک رہے ہیں ۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ

Marfat.com

نے اہل کوفہ کی رضا مندی سے ان میں سے ہر ایک کو سو دینار دلوا دیے حضرت عمر رضؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا والی مقرر کیا اور ان پر ابو موسیٰ کو نگران مقرر کیا۔ لیکن جب اہل کوفہ کو عمار بن یاسرؓ سے شکایات پیدا ہوئیں تو انہوں نے حضرت عمر رضؓ سے ان کی شکایت کی کہ ان کو تو یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ ان کو کس کام کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تو پھر آپ لوگ کس کو والی بنانا چاہتے ہیں انہوں نے جواب دیا ابو موسےٰ کو حضرت عمر رضؓ نے ابو موسیٰ کو ان کا والی مقرر کر دیا جنہوں نے ایک سال تک اپنا فرض منصبی انجام دیا لیکن جب ان کے غلام نے چارہ فروخت کر دیا تو انہوں نے اہل کوفہ کی شکایت پر ابو موسیٰ کو معزول کر کے بصرہ بھیج دیا حضرت عمر رضؓ لوگوں کی ان مسلسل شکایات سے بڑے مغموم اور رنجیدہ رہنے لگے تھے ایک روز مسجد کے ایک جانب اسی فکر میں غلطاں پیچاں سو گئے لیکن جب بیدار ہوئے تو بھی مغموم تھے یہ دیکھ کر مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عمر رضؓ سے دریافت کیا اے امیر المومنین یہ آپ کو کیسا غم لگ گیا ہے آپ نے جواب دیا اس سے بڑا غم اور کیا ہو گا کہ لوگ امیر المومنین سے ایک لاکھ دینار بھی لے کر خوش نہیں ہوتے ہیں اور نہ امیر ان سے خوش ہوتا ہے، ان کے پاس اکثر صحابہ ملاقات کو آتے تھے تو وہ بھی ان سے یہی سوال پوچھتے تھے کہ امیر المومنین آپ کی یہ کیا حالت ہو گئی ہے تو آپ ان کو بھی یہی جواب دیتے تھے کہ اہل کوفہ نے مجھے تنگ کر ڈالا ہے، اور ان سے مشورہ طلب کرتے کہ آخر کس کو ان کا والی و حاکم بنایا جائے تو وہ بھی مغیرہ کو گورنر بنانے کا مشورہ دیتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضؓ کی شہادت تک مغیرہ بن شعبہ دو سال سے زیادہ عرصہ تک ان کے گورنر رہے مغیرہ بن شعبہ کی اس رائے کو حضرت عمر رضؓ بھی پسند کرتے تھے کہ قوی اور مصلح حاکم بدبخت ضعیف حاکم سے زیادہ بہتر ہے، ضعیف مسلمان کا ضعف صرف

Marfat.com

اس کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے لیکن ضعیف مسلمان حاکم کا وبال پوری اُمت مسلمہ پر پڑتا ہے اس کے برخلاف قوی اور مصلح حاکم کی اصلاح اس کی اپنی ذات کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری اُمت مسلمہ کے لیے خیر کا سرمایہ اور طاقت کا سرچشمہ ہے بہرحال یہ اختلافات نہ حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ختم ہوئے اور نہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں رفع ہوئے بلکہ اس کا سلسلہ اموی دور تک جاری رہا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ عراق، آذربائیجان، موصل و آب کی لڑائیوں میں اپنے لشکر کا حصہ سختی کے ساتھ وصول کرتے رہے اور میدانِ حرب کے حوالہ سے یہی کیفیت معاشرہ میں مختلف سطحوں پر قائم رہی اس میں جو لوگ حصہ لیتے تھے وہ تو جائز طور پر دعویدار بنتے ہی تھے اس میں وہ لوگ بھی حق دار بننے کی کوشش کرتے تھے جن کی کوششوں کو برائے نام ہی دخل ہوتا تھا اور پھر اس کے بعد جو تقسیم عمل میں آتی تھی اس میں ظلم و غبن کو دخل نہیں ہوتا تھا ہمیں یہاں کھل کر اس کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ ان اختلافات کا دائرہ نظام خلافت سے شروع ہو کر نظام ملوکیت تک برابر جاری و ساری رہا، بہرحال نظام جہاد میں بھی معاشی ضرورتوں اور تقاضوں کو خواہ نظامِ خلافت ہو خواہ نظام ملوکیت انسانی طبائع کے فطری جذبات و احساسات کے تناظر میں دیکھا اور جانچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی نادر اور عجوبہ بات نہیں ہے کہ بعض لشکر بعض لشکروں کے مقابلہ میں اپنی شجاعت و بسالت اور کارکردگی کے گن گا کر نہ صرف اپنے قائد کی صلاحیتوں اور شجاعانہ کارناموں پر فخر کرتے ہوئے ہم عصر قائدین پر یہ عندیہ ظاہر کرتے تھے کہ ہمارا قائد ایسی ایسی صلاحیتوں اور خوبیوں کا مالک ہے کہ اس کو کسی دوسرے قائد کی متابعت کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اس نوع کا ایک قصہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں حبیب بن سلمہ کے حوالہ سے گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حبیب بن سلمہ سپہ سالار لشکر نے حضرت عثمانؓ سے کمک بھیجنے کی درخواست کی اس پر حضرت عثمان رضؓ نے امیر معاویہؓ کو کہا کہ

Marfat.com

شام اور الجزیرہ کے جو لوگ جہاد میں شرکت کے خواہاں ہیں ان کو کمک پر روانہ کر دیا جائے اور کوفہ میں سعید بن عاص کو بھی حکم بھیجا کہ حبیب بن سلمہ کی مدد کے لیے سلمان بن ربیعہ باہلی کی سرکردگی میں فوراً کمک ارسال کی جائے اس پر سلمان اہل کوفہ کی چھ ہزار فوج لے کر مدد کے لیے چل پڑا مگر وہ اس وقت وہاں پہنچا جب حبیب بن سلمہ موریوں پر فتح حاصل کر چکا تھا اس میں شک نہیں کہ حبیب اور سلمان دونوں ہی مسلم سپاہ کے نڈر، بے باک و بہادر قائد اور فنون جنگ کے ماہر سپہ سالار تھے اور دونوں ہی جزیرہ اور شام کے میدان جنگ میں داد شجاعت دے چکے تھے لیکن جب سلمان نے دونوں لشکروں کی کمان سنبھالنے کا ارادہ ظاہر کیا تو حبیب نے اس کو سخت ناپسند کیا اور اسی کے ساتھ ہر دو قائدین کے فوجیوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مباہات کا اظہار کرنا شروع کر دیا اہل شام نے نصیر بن سلمان سے کہا کہ ہم تمہارے باپ کی سرداری و قیادت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اس کا جواب سلمان کے سپاہیوں میں سے ایک شخص اوس بن مغراء نے مندرجہ ذیل اشعار میں دیا۔

فان تضربوا سلمان تضرب حبیبکم وان ترحلوا نحو ابن عفان فارحلوا

(اگر تم نے سلمان پر ہاتھ اٹھایا تو ہم تمہارے حبیب کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے۔ اور اگر شکایت لے کر خلیفہ عثمان کے پاس جانا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ۔)

وان تقسطوا فالثغر ثغر امیرنا وھذا امیرٌ فی الکتاب مقبلُ

(اگر تم انصاف سے کام لو تو سرحد ہمارے امیر کی ہی ہے۔ اور یہ امیر تو ازل سے ہی خوش نصیب ہے۔)

ونحن ولاۃ الثغر کنا حماتہ لیالی نرمی کل ثغر وننکل

(ہم ہی سرحدوں کے مالک اور محافظ ہیں۔ ہم ہی ہیں جو راتوں کو سرحدوں سے تیراندازی کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں)

دونوں فوجوں کے عام سپاہیوں اور لشکریوں کے جذبات اپنے قائدین

Marfat.com

رہے ہیں خواہ کچھ بھی رہے ہوں لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہر دو قائدین فخر و مباہات کے ان جاہلانہ تصورات سے عملاً کنارہ کش رہے ۔ چنانچہ دونوں اپنے اپنے محاذوں کی طرف چل دیے ، حبیب آرمینیہ کے مغرب میں اور سلمان آرمینیہ کے مشرق میں اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے یہ طے کرکے روانہ ہو گئے کہ اب ان کی ملاقات دونوں سمتوں کے درمیان بعض مقامات کی فتح کے بعد شمال میں ہو گی چنانچہ بحر اسود اور بحر خزر کے درمیان کا حصہ اب ان دونوں سپہ سالاروں کی زد میں تھا جس کی وجہ سے ہر طرف دشمنوں میں دونوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی ۔ لیکن منافست و مباہات کا جذبہ امن و امان کے زمانہ میں بھی دونوں لشکریوں میں خاصا موجود رہتا تھا مگر اس میں خصومت و عداوت کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی تھی ۔ اب ہم حبیب و سلمان کے معاملات کے برعکس ولید بن عقبہ اور سعید بن العاص کے قصّہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خلیفہ سوم حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں یکے بعد دیگرے کوفہ کے گورنر ہوتے ۔ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت و امامت کے بارہ میں اہل کوفہ اور دیگر شہروں کے رہنے والے متفرق و انتشار اور پھوٹ کا شکار ہو گئے تھے ، ولید بن عقبہ گورنر کوفہ پر شراب نوشی کا الزام تھا جس پر حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے بعد اس کو معزول کرکے سعید بن عاص کو کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا جنہوں نے خطبہ دینے سے قبل منبر کو دھلوایا ، اس بات سے بنو اُمیہ کے متعدد افراد سعید بن العاص کے اس فعل سے سخت ناراض ہو گئے انہوں نے سعید بن العاص کے اس فعل کو ولید بن عقبہ کی تشہیر اور بدنامی پر محمول کیا اور گورنر سعید بن العاص کے خلاف پبلک میں ہیجان پیدا کرنے اور غلط فہمیاں پھیلانے اور شور و ہنگامہ برپا کرنے کے منتظر رہے ۔ اس قصہ کے حوالہ سے ہم یہاں طبری و اثیری وغیرہ جیسے مورخین کے اقتباسات کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ حضرت عثمان رضؓ

Marfat.com

کی شہادت پر ختم ہوا۔ معتبر حوالوں کی رُو سے اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سعید بن العاص نے چیدہ چیدہ اہل قادسیہ، اعیان و اشراف اور کوفہ کے قراء کو منتخب کیا اگرچہ ان لوگوں کا تو ان کے پاس ویسے بھی آنا جانا رہتا تھا لیکن جب سعید بن العاص باہر نکلتے تھے تو پبلک اُمڈ اُمڈ کر ان کے پاس جمع ہو جاتی تھی۔ اور جب بھی اہل کوفہ کے متعلق ان منتخب لوگوں سے کچھ دریافت کرتے تھے تو وہ ان کو تمام حالات سے مطلع کر دیا کرتے تھے اور سعید بن العاص ان احوال سے حضرت عثمان رضؓ کو مطلع کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار سعید بن العاص نے حضرت عثمان رضؓ کو لکھا کہ اہل کوفہ کا حال دگرگوں ہے اور ان میں اضطراب موجود ہے اشراف یہاں مغلوب ہیں اور ان کی بجائے یہاں ایسے خود غرض غیر مقامی لوگوں کا غلبہ ہے جو بعد کو یہاں آ کر دخیل و قابض ہو گئے ہیں اور یہاں کی آبادی میں گھل مل گئے ہیں جن میں شرافت و عظمت کے آثار مفقود ہیں۔

اس پر حضرت عثمان رضؓ کا جواب آیا کہ سابقین و متقدمین کو جن کے ہاتھوں پر اللہ تعالےٰ نے یہ ممالک فتح کیے ہیں ترجیح و فضیلت سے نوازا جائے لیکن جو لوگ محض ان فتوحات کے نتیجہ میں یہاں آ کر بس گئے ہیں اور آباد ہو گئے ہیں ان کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں اس امر کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ اگر سابقین میں سے کچھ لوگوں نے حق و انصاف کے قیام میں کوتاہی کی ہے اور ان دوسرے لوگوں نے اس کے قیام میں حصہ لیا ہے تو ایسے لوگوں کو صرف اس کا صلہ ملنا چاہیے اور اس سلسلہ میں حتی الامکان عدل و انصاف کے تقاضوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ سعید بن العاص نے اعیان قوم کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ لوگ قوم کے چہرے ہیں اور چہرہ جسم کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ہمیں ضرورت مند لوگوں کی ضروریات سے آگاہ کریں اور ان کے خلوص سے مطلع کریں انہوں نے ان میں سابقین کے علاوہ لاحقین اور بعض شہرت پسند لوگوں کو بھی اپنے اعتماد میں لینے کے

Marfat.com

لیے شامل کر لیا مگر اس کے باوجود یہ لوگ نہ صرف سعید بن العاص کو برا بھلا کہتے تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرنے لگے تھے اور جب کبھی ان لوگوں کا رابطہ شرپسندوں دیہاتیوں یا آزاد کردہ غلاموں سے قائم ہو جاتا تھا۔ اس وقت ان کے شور و ہنگامہ اور لایعنی و بے ہودہ بکواس کا سلسلہ مزید دراز ہو جاتا تھا۔ یہ تمام حالات سعید بن العاص وقتاً فوقتاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علم میں اسی طرح لاتے رہے جس طرح دُور دراز شہروں کے بڑے بڑے واقعات کا علم گورنروں کے ذریعہ خلیفہ اوّل و ثانی کو ہوتا رہتا تھا۔ سعید بن العاص کا جب ایک خط ان حالات و کیفیات کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے منادی کرا کر تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا اور سعید بن العاص کا خط لوگوں کو سُنایا اور ساتھ ہی انہوں نے حاضرین سے یہ بھی کہا کہ وہ عراق جانے والے سابقین کو ان کی خواہش و آرزو کے مطابق عراق بھیجنا چاہتے ہیں تاکہ وہ وہاں جا کر شرپسند لوگوں کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانے کے لیے بھی سعید بن العاص کی مدد کر سکیں اور اگر عراق جانے کے خواہش مند لوگ اپنی ملکیت وغیرہ فروخت کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہو گی۔

سعید بن العاص نے اس دوران لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ بھی ترک نہیں کیا تھا وہ ایک روز مجلس میں عوام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان نے طلحہ بن عبداللہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا "طلحہ رضی اللہ عنہ کتنے زبردست سخی اور فیاض ہیں" اس پر سعید بن العاص نے کہا، جس شخص کے پاس طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ جیسے باغات ہوں اس کو تو ایسا سخی ہونا ہی چاہیے۔ قسم خدا کی اگر میرے پاس اتنے باغات ہوتے تو میں تم لوگوں کو بھرپور عیش کراتا۔" اس پر اسی نوجوان عبدالرحمٰن بن قیس نے کہا قسم خدا کی میری تمنا ہے کہ کسریٰ کی مانند نہر فرات کے کنارے آپ کے...... پاس بھی سب کچھ ہو اس پر حاضرین نے اس کو جھڑک دیا اور چلا کر کہا تو ہمارا علاقہ ان کو دینا

Marfat.com

چاہتا ہے چنانچہ ان لوگوں میں اور اس نوجوان کے ساتھیوں میں اس معاملہ میں زبردست ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور مذکورہ نوجوان کے قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے اس کی تکلیف اور پریشانی کو دیکھ کر گورنر کے گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے سعید بن عاص سے پناہ اور مدد کی درخواست کی اس پر سعید بن عاص نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ اپنی مجلس میں ایسے شرپسند لوگوں کو ہرگز نہیں آنے دیں گے۔

اس کے بعد لوگوں نے اپنے گھروں میں بیٹھ کر حضرت عثمان رض کو بُرا بھلا کہنے کا سلسلہ شروع کر دیا جب حضرت عثمان رض کو ان باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے سعد بن العاص کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو کوفہ سے نکال کر شام بھیج دیا جائے اور امیر معاویہ کو لکھا کہ کچھ لوگوں نے فتنہ برپا کر رکھا ہے تم ان کی نگرانی رکھو اور ان میں سے جن کو راہِ راست پر پاؤ ان کو قبول کر لو اور اگر ان سے عاجز آجاؤ تو ایسے لوگوں کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ جب یہ لوگ امیر معاویہ رض کے پاس شام پہنچے تو انہوں نے ان کو حضرت مریم کے گرجا میں ٹھہرا دیا اور ان کے لیے وہی وظیفہ اور روزینہ جاری کر دیا جو ان کو عراق میں ملتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ دوپہر کا کھانا اور شب کا کھانا کھاتے اور ان سے باتیں بھی کرتے تھے اور حتی الوسع ان کی شکایات بھی دور کرنے کی کوشش کرتے تھے ایک مرتبہ ان لوگوں سے جو باتیں ہوئیں وہ یہ تھیں امیر معاویہ نے ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قریش کو بہت بُرا بھلا کہتے ہو اگر قریش نہ ہوتے تو تم ذلیل ہو جاتے تمہارے امام تمہارے لیے ڈھال ہیں تم اپنی ڈھال اور پناہ سے علیحدگی مت اختیار کرو۔ تمہارے ائمہ تمہارے جور و مظالم کو صبر سے برداشت کرتے ہیں اور تمہاری جانب سے دی ہوئی تکالیف بھی اُٹھاتے ہیں۔ قسم خدا کی یا تو تم باز آجاؤ، ورنہ پھر اللہ تعالےٰ تمہیں ایسے شخص کے حوالہ کر دے گا جو تمہیں دُکھ پہنچائے گا اور صبر پہ تمہاری تعریف نہیں کرے گا اور تم نے جو بُرائی عوام الناس کے ساتھ کی ہے اس کا بدلہ تمہیں

Marfat.com

اس زندگی میں بھی ملے گا اور مرنے کے بعد بھی آخرت میں امیر معاویہ کی یہ باتیں سُن کر ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا کہا قریش کے متعلق تم نے جو کچھ کہا تو اس کے متعلق سُن لو کہ وہ نہ عربوں سے تعداد میں زیادہ تھے اور نہ ایام جاہلیت میں ان سے زیادہ مدافعت کرنے والے تھے جو تم ہمیں ان سے ڈراتے ہو باقی جہاں تک پناہ اور ڈھال کا تعلق ہے تو اس کا جواب ہے کہ ڈھال جب پھٹ گئی تو ہماری طرف پھینک دی گئی امیر معاویہؓ نے صعصعہ کا یہ جواب سُن کر کہا اب میں تم لوگوں کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں اور مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ جن لوگوں نے تمہیں اس بارہ میں بہکایا ہے وہ کم عقل ہیں اور پھر صعصعہ سے مخاطب ہو کر کہا صعصعہ تم ان لوگوں کی طرف سے بول رہے ہو مجھے تو تمہارے اندر بھی عقل کا شائبہ نظر نہیں آتا ہے تمہارے لیے سب سے بڑی دولت اسلام کا پیغام امن ہے لیکن تم مجھے دورِ جاہلیت کی یاد دلا رہے ہو ان دونوں کے درمیان بات جب زیادہ بڑھی تو امیر معاویہؓ نے اُن کو شام سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور خلیفہ کو اس مضمون کا خط لکھا :-

"میرے پاس ایسے لوگ آئے ہیں جنہیں نہ عقل ہے اور نہ ہی ان کا دین سلامت ہے۔ وہ حق و انصاف سے ہٹ گئے ہیں وہ نہ اللہ سے واسطہ رکھتے ہیں اور نہ حجت و دلیل کے ساتھ کوئی بات سنتے ہیں۔ ان کا مقصد صرف فتنہ و فساد برپا کرنا ہے اور ذمیوں کا مال و متاع حاصل کرنا ہے اللہ ہی ان کو پرکھنے اور جانچنے والا ہے اور ان کو رسوا و ذلیل کرنے والا ہے۔ یہ دوسروں کی مدد کے بغیر نقصان پہنچانے کے قابل نہیں ہیں البتہ شور و شغب بہت مچاتے ہیں۔"

بہرحال یہ لوگ شام سے نکالے جانے سے قبل خود وہاں سے

Marfat.com

چلے گئے اور وہاں سے انہوں نے جزیرہ کا رُخ کیا۔

اور شماتت و شرمندگی کے خیال سے پھر کوفہ واپس نہیں گئے لیکن جب ان کی آمد کی خبر والی حمص عبدالرحمٰن ابن خالد بن الولید کو ہوئی تو انہوں نے ان کو بُلا کر بہت ڈرایا دھمکایا اور کہا " اے شیطان کے ایجنٹو! یہاں نہ تمہیں خوش آمدید ہے اور نہ مرحبا، اللہ عبدالرحمٰن کا بُرا کرے گا اگر وہ تمہیں ادب نہ سکھا سکے گا اے لوگو! میں تو تمہارے متعلق یہ بھی نہیں جانتا کہ تم عرب ہو یا عجمی، تم میرے سامنے وہ باتیں نہ دھراؤ، جو تم لوگ معاویہ کے سامنے کہہ چکے ہو؟ اور جن کا مجھے پہلے ہی علم ہو چکا ہے یاد رکھو میں خالد کا بیٹا ہوں جس کو آزمائشوں اور تجربوں نے نکھار دیا تھا اور جو بہادروں کا بہادر تھا اور سخت ترین انسان تھا صعصعہ خدا کی قسم میں تم کو بہت بڑی بدشگونی اور فال بد سمجھتا ہوں۔"

بہرحال عبدالرحمٰن نے ان کو ایک ماہ جزیرہ میں ٹھہرایا جب کبھی والی جزیرہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید سواری پر باہر نکلتے تھے تو وہ لوگ بھی اس کی مشایعت میں اس کے ساتھ چلتے تھے۔ وہ اس سے خوف زدہ رہتے تھے اکثر ان میں سے اس کے سامنے معافی مانگتے تھے اور اس سے قعر مذلت سے نکالنے کی درخواست کرتے تھے! ان میں سے ایک شخص اُشتر نے، تو بصراحت خلیفہ کے پاس جانے کی درخواست کی جس کو عبدالرحمٰن نے منظور کر لیا اور خلیفہ کے پاس بھیج دیا حضرت عثمان رضؓ نے اس کو اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے، اس پر اُشتر نے عبدالرحمٰن کے پاس واپس جانے کی درخواست کی اس طرح لواحقین اور دوسروں کے پیچھے لگے رہنے والے لوگوں کے ہاتھوں بصرہ میں بھی وہی گڑبڑ شروع ہو گئی جو کوفہ میں شروع ہوئی تھی۔ یہاں مصری ولایت کے بعض دیہات میں حکیم بن جبلہ العبدی نامی ایک رہزن نمودار ہو گیا جو بظاہر اسلامی لشکر میں شریک رہتا تھا اور پھر اُن سے علیحدہ ہو کر ذمیوں کو اپنی لوٹ مار کا نشانہ بناتا تھا۔ جس کے متعلق خود ذمیوں نے

Marfat.com

اور مسلمان رؤساء نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی جنہوں نے ابن عامر والی بصرہ کو تحریر کیا کہ اس شخص کو اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے اور اس امر کا خاص خیال رکھا جائے کہ یہ لوگ بصرہ سے اس وقت تک قدم باہر نہ رکھ سکیں جب تک تم ان کی نیک چلنی سے مطمئن نہ ہو جاؤ چنانچہ ابن عامر نے اس کو قید کر دیا اور اس کی نگرانی جاری رکھی۔ لیکن ایک دن اچانک خبر ملی کہ ایک شخص جو ابن السوداء کہلاتا ہے حکیم بن جبلہ سے ملا ہے اور اس نے اس کو اور دوسرے ساتھیوں کو حضرت عثمان رضؓ کو مطعون کرنے اور بُرا بھلا کہنے کی ترغیب دی ہے نیز اُن کی خلافت میں کیڑے نکالنے کی طرف مائل کیا ہے چنانچہ ابن عامر نے ابن السوداء کو اپنے پاس طلب کیا یہ شخص یمن کا مشہور یہودی عبداللہ بن سباء تھا۔ اور جس کا کہنا تھا کہ نبی دوبارہ دنیا میں نمودار ہوں گے اور علی رضؓ کی شیعیت کی تبلیغ کریں گے۔ اس پر ابن عامر نے عبداللہ بن سباء سے دریافت کیا "تم کون ہو؟" اس نے جواب میں کہا میں اہل کتاب ہوں۔ لیکن اسلام سے محبت رکھتا ہوں۔ اور تمہارے جوار میں رہنا چاہتا ہوں۔ بہرحال ابن عامر نے عبداللہ بن سباء کو بصرہ سے اس لیے نکالا کہ وہ وہاں مفسدین سے سازباز کرنے لگا تھا اور جب وہ بصرہ سے کوفہ پہنچا تھا تو اس نے وہاں بھی حکیم بن جبلہ جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے اور حکومت کے خلاف سازشوں میں شریک کرنے کا منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا جس کی پاداشں میں اس کو وہاں سے نکال دیا گیا تھا جس کے بعد وہ مصر چلا گیا تھا اور وہاں پہنچ کر اس نے ان سب لوگوں سے خط وکتابت شروع کر دی جن کو وہ بصرہ اور کوفہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا مصر میں رُکنے کے بعد اس نے عمران بن ابان کی طرف رخ کیا جو حضرت عثمان رضؓ سے سخت کبیدہ خاطر تھا۔ اس شخص نے ایک عورت سے عدت کے دوران نکاح کر لیا تھا جس کے باعث حضرت عثمان رضؓ نے

Marfat.com

اس کا نکاح فسخ کرا کر دونوں میں تفریق کرا دی تھی اور اس کو پٹوا کر بصرہ بھجوا دیا تھا جہاں پہنچ کر اس نے خلیفہ سوم کے خلاف طعن و تشنیع کی مہم زور شور سے شروع کی اور گورنر بصرہ اور تناک قبیلہ کے ایک شخص کے درمیان بدگمانیاں پھیلانی شروع کر دیں لیکن جب اس کا جھوٹ کھل گیا تو اس کو بصرہ سے بھی نکلوا دیا گیا جس کے بعد وہ شام و حجاز اور مصر کے درمیان مارا مارا پھرتا رہا، اس دوران اس کی ملاقات اسی ابن السوداء یعنی عبداللہ بن سباء سے ہو گئی جس کو اس نے فوراً اپنے حلقہ اثر میں داخل کر لیا۔ اور اپنی اس خط و کتابت میں بھی اس کو اپنا رفیق، ہمدم و دمساز بنا لیا جو وہ دوسرے شہروں میں رہنے والے اپنے ہم خیالوں کے نام لکھا کرتا تھا۔

چنانچہ یہاں بیٹھ کر اس کی دوڑ دھوپ جد وجہد اور ربط و ضبط کا دائرہ شہروں میں رہنے والے ان لوگوں سے بہت زیادہ بڑھ گیا جو لواحقین اور متبعین کہلاتے تھے اور دوسروں کی ہاں میں ہاں ملانے والے مشہور تھے۔ ان میں سے بھی جو کوئی شام پہنچتا تھا اس کو یا تو امیر معاویہؓ اپنا ہم خیال بنا کر راضی کر لیتے تھے ورنہ اس کو وہاں سے نکال باہر کر دیتے تھے اور جو شخص یہاں سے نکلتا تھا وہ دوسروں سے خط و کتابت کر کے ان کو ایسی جگہ بلا کر جمع کر لیتا تھا جہاں کوئی ان کو دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد کوفہ کی صورتِ حال کچھ اس طرح تبدیل ہوئی کہ سعید بن عاص نے کوفہ کا چارج چھوڑ دیا جس کو ان کے بعد عمرو بن حریث نے سنبھال لیا اس تبدیلی سے مکاتبین کے درمیان کچھ عجیب قسم کی افواہیں پھیلنا شروع ہو گئیں چنانچہ انہوں نے لوگوں کو یہ یقین دلانا شروع کر دیا کہ سعید بن عاص دوبارہ گورنری کے منصب پر کوفہ واپس آ رہے ہیں۔ اور یہ کہ وہ خلیفہ کے پاس اس لیے گئے ہیں کہ ان کی خواتین کا وظیفہ ایک سو درہم تک کرا سکیں اور شور و شر کرنے والے لوگوں کے وظیفہ میں بھی دو ہزار درہم کا اضافہ کرا دیں، اس کے علاوہ

Marfat.com

ان لوگوں نے یہ بھی گمان کیا کہ عراق کے خراج میں قریش کے باغات داخل ہیں ان میں سے وہ جس سے چاہتے ہیں اس سے تو وصول کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس کی وصولی چھوڑ دیتے ہیں عام طور پر شر پسند لوگوں میں اس قسم کی افواہیں جمعہ کے دن نماز کے اوقات میں اس وقت پھیلاتے تھے جب لوگ نماز کے لیے مسجد میں جمع ہوتے تھے اس موقع پر وہ کسی صاحب الرائے اور عقل مند آدمی کی رائے اور باتوں پر مطلق دھیان نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ان کی عقلوں کا مذاق اڑاتے تھے سعید بن عاص کی غیر حاضری میں جب عمرو بن حریث بحیثیت حاکم کوفہ مسجد میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور ان شر پسندوں کو اطاعت و فرماں برداری کی نصیحت کرتے تو یہ لوگ ان کی باتوں کی طرف قطعًا توجہ نہیں دیتے تھے چنانچہ ایک دن قعقاع بن عمرو نے کہا کیا "تم اب سیلاب کے آگے بند باندھنا چاہتے ہو قسم ہے اللہ کی یہ شور و غوغا اب دبنے والا نہیں ہے اور لوگوں کے دلوں میں جو آرزوئیں ہیں انہیں اب کوئی روکنے والا نہیں ہے اب تم صبر کر لو۔" اس پر عمرو بن حریث نے کہا میں صبر کرتا ہوں اس کے بعد وہ اپنے مکان پر چلے گئے اور اس کے بعد پھر انہوں نے نہ کوئی حکم جاری کیا اور نہ ہی کسی کو کسی کام سے منع کیا۔ غرضکہ یہ تھی ابتداء اس انتہاء کی جس کی طرف حالات سب کو بہائے لے جا رہے تھے اگرچہ اس کی ابتداء حضرت عثمان رضؓ کے خلافت کے اوائل ہی میں ہو گئی تھی مگر یہ اپنی انتہاء کو ان کی شہادت سے کچھ ہی پہلے پہنچی تھی۔ بلاشبہ اگر حالات نارمل رہتے اور خطرات کی حدوں کو نہ چھوتے تو نہ اتنی ہولناک تباہی آتی اور نہ خلیفہ کے بھیانک قتل کی نوبت آتی۔

مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ مصائب اتنے ہولناک اور تباہ کن بھی ہرگز نہ ہوتے اگر ان کا سابقہ کسی ایسے امیر مملکت سے پڑتا جو امارتی نظام حکومت کے ذریعہ بآسانی اس کو دبا سکتا یا اس کا علاج بخوبی کر سکتا یا کسی ایسے مطلق العنان حکمران سے اس کا واسطہ ہوتا جو فتنہ و فساد کو جڑ سے

Marfat.com

اکھاڑ پھینکنے کی پوری قدرت رکھتا اور تاریخ گواہ ہے کہ اس عہد کے ہر والی نے اس کا تسلی بخش انتظام کر بھی لیا تھا اور اپنی ولایت میں ہونے والے واقعات کو بہ سہولت کچل کر رکھ دیا تھا مثال کے طور پر امیر معاویہؓ نے فتنہ برپا کرنے والوں کا علاج جلا وطن کرکے کیا جب کہ عبدالرحمان بن خالد نے فتنہ کے علمبرداروں کی ایسی اچھی طرح تادیب کی کہ ان کا مزاج درست ہو گیا اس کے برخلاف عمرو بن حریث نے اپنے آپ کو اس کام سے بالکل عاجز پایا ان کو نہ حضرت عثمانؓ سے مشورہ کا موقع مل سکا اور نہ ان کا اخیر ولایت سعید بن العاص سے رابطہ ہو سکا۔ اگر جیسا کہ قعقاع نے اقرار کیا تھا وہ تلوار سے تخویف وتادیب کا کام لیتے تو شاید تلوار کے استعمال کی نوبت ہی نہ آتی اور قعقاع جیسے فتنہ جو اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جاتے مگر عمرو بن حریث تو خود اس سے اتنا خائف ہوا کہ اس نے اس سے صبر کرنے کو کہا تو وہ واقعی صبر کرکے خانہ نشین ہو گیا اور پھر امر ونہی کے عام احکام بھی جاری نہ کر سکا بہر حال ان مصائب کی شدت اور تنوع میں اس وقت اور بھی خاصی کمی آجاتی اگر پیش آمدہ واقعات سے نمٹنے کے لیے امارت وولایت کی اتھارٹی کو اختیار کیا جاتا، لیکن ان معاملات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خلافت کے طریق اور سنت جاریہ ہی کو استعمال کیا گیا اور اسی کو کافی سمجھا گیا اور اس طریقہ کار کو اس عہد میں کام میں لایا گیا جو صحیح معنیٰ میں نہ خلافت کا عہد تھا اور نہ ملوکیت کا اس دور میں ابھی تک خلیفہ کے حقوق واختیارات پوری طرح قائم ہی نہیں ہوئے تھے اور ملوکیت کے تو قدم ابھی جمنے ہی نہ پائے تھے اور درحقیقت یہی اس عہد کی سب سے بڑی بدقسمتی تھی ان تنازعات وخصومات کی مثالیں جن کی نشاندہی عہد فاروق رضؓ وعہد عثمانؓ میں کی گئی ہے خلافت وملوکیت اور امارت کے طریقہ کار میں اختلاف کے باعث عام سیاسی احوال وامور میں بھی پائی جاتی ہیں اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضؓ حضرت عثمان رضؓ سے قوی تر

Marfat.com

خلیفہ تھے ان کی قوت اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے کوفہ کے پے در پے تین گورنر بدل ڈالے اور چوتھے کو بدلنے کا واضح اشارہ بھی اپنی شہادت سے قبل کر چکے تھے لیکن اس قوت و قدرت کے باوجود اور حالت امن و جنگ میں حالات پر مکمل کنٹرول رکھنے کے باوجود وہ بھی مغموم اور رنجیدہ نظر آتے تھے جس کا اندازہ ان کے اس اظہار خیال سے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو فی کس ایک لاکھ تقسیم کرتے ہیں لیکن پھر بھی لینے والے راضی اور خوش معلوم نہیں ہوتے اور خلیفہ دوم کے چہرہ لبشرے پر جو کچھ آثار کرب نظر آتے تھے وہ بھی دیکھنے والوں کو بخوبی نظر آتے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کی ذمہ داریوں کا بوجھ خلیفہ سوم کے دل و دماغ پر بھی تھا جن کو نہ دنیا کا کوئی خوف لاحق تھا اور نہ ہی وہ کسی قسم کے لالچ میں گرفتار تھے ایسے حالات میں کیا کوئی شخص یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو سکتا ہے کہ خلیفہ سوم شکایت کرنے والوں یا باغیوں کی شورش و فساد سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو عمران بن ابان کو دوران عدت ایک عورت سے نکاح کرنے پر فسخ نکاح کے بعد اس کو بصرہ جلاوطن نہ کر دیتے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ خلیفہ کو اپنے اقتدار کے ختم ہو جانے کا خطرہ تھا یا اُن کو اپنی جان کا خوف لاحق تھا یا اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے علاوہ ان کو کسی اور قسم کا خطرہ لاحق تھا؟ حاشا کلاّ ایسا ہرگز نہ تھا۔ لوگوں کی جن شکایات نے ان کو رنجیدہ اور کبیدہ خاطر بنا دیا تھا وہ صرف اس بات کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس شخص کو حقیقتاً کوئی شکایت ہو وہ کسی غلط فہمی کی بناء پر ظلم کا شکار نہ ہو جائے۔ اور حقیقت میں یہی وہ اصل وجہ تھی جس کی بناء پر حضرت عمر رض اہل کوفہ کے شکوے شکایات سے رنجیدہ رہنے لگے تھے اور اگر ظلم کے اندیشہ نے عنداللہ اپنی ذات کے محاسبہ کا ان کو کوئی خوف لاحق نہ ہوتا تو ان کے چہرہ پر ایسے کرب ناک آثار لوگ کبھی نہ دیکھتے۔ اور اگر حضرت عمر فاروق رض کو شکوہ و شکایت کرنے والوں

Marfat.com

کے افتراء اور بہتان کا یقینی طور پر علم ہو جاتا تو وہ ان کی ناراضگی کی کبھی پرواہ نہ کرتے اور نہ بلا سزا دیے ان کو چھوڑتے وہ تو ہمیشہ اس خیال سے ڈرتے تھے کہ کسی شخص کی جائز شکایت ان کی غفلت اور لاعلمی کی وجہ سے پوری ہونے سے نہ رہ جائے اور جب کسی معاملہ میں ان کو حق نظر آ جاتا تھا تو پھر فیصلہ کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے غرضکہ یہی وہ محور تھا جس کے گرد اپنے اپنے دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی سیاست گھومتی رہتی تھی حتیٰ کہ خلفاء کے عطایا اور وظائف بھی اس نقطہ نظر کے مطابق طے کیے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ ہوئے تو ان کا وظیفہ ڈھائی سو دینار سالانہ مقرر ہوا اس کے علاوہ روزانہ ایک بکری بھی علاوہ سری پائے اور اوجھڑی کے ان کے لیے مقرر تھی لیکن یہ سب کچھ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے قطعاً ناکافی تھا۔

چنانچہ بقیع کے اطراف میں سامانِ تجارت لے کر ان کو جانا پڑتا تھا ایک روز حضرت عمر فاروق رضؓ گھومنے باہر نکلے تو ان کو کچھ عورتیں راستہ میں بیٹھی ہوئی نظر آئیں انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے اس پر بعض عورتوں نے جواب دیا کہ ہمیں خلیفہ رسول کا انتظار ہے تاکہ وہ ہمارے مابین انصاف سے فیصلہ کر دیں۔ حضرت عمر رضؓ وہاں سے کچھ آگے بڑھے تو ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نظر آ گئے۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور انہیں کھینچ کر عورتوں کے پاس لے گئے حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا مجھے تمہاری خلافت و امارت کی ضرورت نہیں ہے تم نے میرا وظیفہ بھی اتنا مقرر کیا ہے جو میرے اور میرے بال بچوں کے لیے کافی نہیں ہے حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ سے پوچھا پھر کتنا کافی ہوگا حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا تین سو دینار سالانہ اور ایک بکری جس میں سے کچھ نہ نکالا جائے اسی دوران حضرت علی رضؓ بھی وہاں آ گئے انہوں نے بھی اس اضافہ میں کچھ مضائقہ

Marfat.com

نہیں سمجھا ۔ چنانچہ واپسی پر حضرت عمر رضہ نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا مگر ابوبکر صدیق رضہ نے فرمایا تم دونوں مہاجرین میں سے ہو مجھے نہیں معلوم کہ باقی مہاجرین بھی تمہاری اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں یا نہیں اور پھر منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا " اے لوگو ! میرا وظیفہ ڈھائی سو دینار سالانہ اور ایک بکری علاوہ سری پائے اور اوجھڑی کے مقرر تھی لیکن عمر رضہ اور علی رضہ نے اب تین سو دینار سالانہ معہ بکری کے کر دیے ہیں ، کیا آپ لوگ بھی اس سے راضی ہیں اس پر مہاجرین نے کہا ہم راضی ہیں لیکن ایک جانب سے ایک دیہاتی مسلمان نے چلا کر کہا ۔ نہیں خدا کی قسم نہیں ۔ اہل دیہات کا حق کہاں چلا گیا ؟ اس موقع پر اس دیہاتی کی آواز کو دبا دینا حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لیے چنداں مشکل نہ تھا کیونکہ صاحب الرائے مجاہدین کے مقابلہ میں جنہوں نے اس وظیفہ کی منظوری دے دی تھی اس دیہاتی کی رائے چیخ پکار اور طنز و تعریض کی کیا حقیقت ہو سکتی تھی شہری بالعموم مجالس میں شریک ہوتے تھے اور اپنی رائے دیتے تھے وہ سب اس وظیفہ کے اضافہ پر متفق تھے دوسرے یہ کہ مہاجرین جب کسی چیز پر اتفاق رائے کر لیتے تھے تو دیہات کے غیر حاضر لوگوں کی رائے بالعموم ان مہاجرین شہریوں کی رائے کے مطابق ہوتی تھی اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہوتا تھا مگر یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضہ اس دیہاتی مسلمان کے اعتراض پر اپنے وظیفہ کے اضافہ سے باز رہے اسی طرح جب خلیفہ کے پاس کوئی شکایت پہنچتی تو وہ سب سے پہلے اپنے ضمیر سے اس کے حق و ناحق ہونے کے بارہ میں دریافت کرنا ضروری سمجھتا تھا کیونکہ اس کو ہر دم یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ شکایت کرنے والے کے ساتھ کسی غلط فہمی کی بناء پر ناانصافی نہ ہو جائے ، برخلاف اس کے جب اس قسم کا کوئی معاملہ کسی بادشاہ یا امیر کے پاس فیصلہ کے لیے جاتا ہے تو اس کو اس امر کا خوف ہوتا ہے کہ اس کے فیصلہ سے اس کے اقتدار اور عزت و وقار کو ٹھیس نہ لگ جائے وہاں عدل و انصاف کا درجہ نظام

Marfat.com

حکومت کے وقار اور تحفظ کے بعد آتا ہے اور خلافت میں نظام حکومت کے لیے انصاف ہر شے پر مقدم ہوتا ہے خلیفہ اوّل کے زمانہ میں جزیرہ کے اکثر باشندوں نے نظام زکوٰۃ سے بغاوت کر دی جس کے لیے ان سے ان جنگوں سے زیادہ سخت معرکے ہوئے جو قیصر و کسریٰ کی فوجوں سے ہوئے تھے اور جب خلیفہ کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ حق پر ہیں اور شکایت کنندگان کا رویہ حق و انصاف پر مبنی نہیں ہے تو انہوں نے ان کے خلاف سخت ترین اقدامات سے بھی گریز نہیں کیا حتیٰ کہ اس کے لیے داخلی جنگ کا زبردست خطرہ بھی مول لینا پڑا جس میں تمام مہاجرین و انصار نے پوری طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ساتھ دیا اس سلسلہ کی دوسری مثال جس میں خلافت و ملوکیت کے درمیان حد فاصل قائم ہوتی ہے اور جس سے رعایا اور راعی کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ وہ وہ اختلاف ہے جو سلمان اور حبیب کے مابین آرمینیہ کی جنگوں کے سلسلہ میں پیش آیا تھا۔

یہاں سرداری و ریاست کے معاملہ میں نزاع پیدا ہوئی جس کے باعث دونوں سپہ سالاروں کے پیروکاروں میں سخت منافست اور فخر و غرور کا جذبہ پیدا ہوا لیکن دونوں رہنما میدان جنگ و جہاد میں اپنے فرائض منصبی بجا لانے کے لیے اپنے اپنے مورچوں پر برابر موجود رہے۔ البتہ دونوں طرف سے متنازعین و متنافسین میں جو کچھ ہوتا رہا اس سے خلیفہ کو بے خبر رکھا گیا اور حضرت عثمان رضؓ کے حوادثات میں سے یہی وہ حادثہ ہے جس میں نہ صرف خلافت و ملوکیت کے معالم و آثار آپس میں گڈمڈ ہو گئے ہیں بلکہ ملوکیت کے آثار دونوں طرف کے متبعین میں کچھ زیادہ ہی کارفرما اور غالب ہو گئے حتیٰ کہ جہاد کے بعد ایام امن میں بعض ایسے حالات پیدا ہوئے جو نہ صرف حمیت جہاد اور اسلامی جذبہ ایثار کی تعلیم کے منافی تھے بلکہ معاشرہ میں دنیاوی حرص و طمع اور مادی عیش و عشرت کے فروغ کی غمازی کرتے تھے۔

Marfat.com

جس وقت خلیفہ سوم کو خلافت کی خلعت سے نوازا گیا تو ملک کی حدود خاصی وسیع ہو چکی تھیں اور دشمنان ملّت کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا لیکن اس کے باوجود آغاز اسلام میں خلافت کا یہ مشکل ترین دور تھا جس کو پہلا دھچکا روم و فارس اور خزر و ترک کی شورش و بغاوت سے پہنچا لیکن مستحکم و پائیدار حکومت کی بدولت وہ اس دور سے تو بآسانی گذر گیا لیکن اس کے بعد وہ اس سے بھی عظیم تر نفسیاتی صدمہ سے دوچار ہوا جس سے لوگوں کے ذہنوں میں ہلچل مچ گئی اس سے لوگ بالعموم امن و سلامتی اور راحت و آسودگی والی زندگی کے متلاشی رہنے لگے ، اس نفسیاتی خبط نے پوری قوم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اب لوگ نہ خلافت کی رعیت معلوم ہوتے تھے اور نہ ہی کسی مملکت کی رعایا بلکہ وہ دونوں طرف کے مزے لوٹنے والے اور بیک وقت دو کشتیوں میں سوار ہونے والے معلوم ہوتے تھے اور دونوں نظاموں کے بین بین زندگی گزارنے کے خواہش مند نظر آتے تھے۔ بالفاظ دیگر ان کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ ان دونوں نظاموں میں سے کسی ایک نظام کے تحت بھی پابند رہ کر زندگی گزارنا نہیں چاہتے تھے۔ اس سے قبل ہم ان حالات کا تذکرہ کر چکے ہیں جن سے رعیت کے حالات کے حوالہ سے خلیفہ اور بادشاہ کو محاسبہ نفس کے سلسلہ میں گزرنا پڑتا ہے اب ہم اس اصل فرق کو واضح کریں گے جو حقیقتاً دونوں نظاموں کے مابین پایا جاتا ہے دونوں نظاموں میں اعتماد کو دخل ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک نظام خلافت پر اعتماد کے لیے کسی کی حمایت کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ مملکت میں غلبہ و اقتدار کے اعتماد کے لیے حمایت و امداد کی ضرورت ہمیشہ لاحق رہتی ہے خلیفہ اسی اعتماد کے سایہ عاطفت میں اپنا کام انجام دیتا ہے اور مطمئن رہتا ہے وہ جو کام انجام دیتا ہے کل اس کے برعکس انجام

Marfat.com

نہیں دیتا اور اس کو کسی فعل پر ندامت بھی نہیں ہوتی وہ جو کام آج کر رہا ہوتا ہے یا کل کر چکا ہے وہ دوسروں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا فائدہ بالعموم دوسروں کو زیادہ پہنچتا ہے اور خود اس کے لیے واجبی سا۔ اور کبھی کبھی تو وہ اس واجبی فائدہ سے بھی دست بردار ہو جاتا ہے، پھر رعیت اپنے خلیفہ پر اعتماد کرتی اور اس سے خوش و مطمئن رہتی ہے اور خلیفہ بھی اپنی رعیت پر اعتماد کرتا ہے لیکن اگر وہ اس صورت میں اس پر اعتماد نہ بھی کریں تو بھی اس کو پرواہ نہیں ہوتی بشرطیکہ اس عمل سے اس کا ضمیر بھی مطمئن ہو، یا وہ جو کام کر رہا ہے وہ سنت الٰہیہ کے مطابق ہو اور احکام کی روشنی میں انجام دیا جا رہا ہو۔ اس کے برخلاف بادشاہ کو اپنے اقتدار و غلبہ کے لیے اپنے عمّال کا تعاون اور سہارا لینا پڑتا ہے خواہ یہ تعاون اور سہارا اس کو خوشی سے ملے یا جبر و اکراہ سے۔

اب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کی خلافت اس نہج اس حد کو پہنچ چکی تھی جہاں ان کو عوام کے اعتماد اور اطمینان کی سخت ضرورت تھی مگر وہ اُن کو حاصل نہ ہو سکا چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا رویّہ حد درجہ محتاط اور خشیت الٰہی پر مبنی تھا اس لیے قوم کے زعماء و شرفاء ان دونوں بزرگوں پر حضرت عثمان سے زیادہ اعتماد رکھتے تھے ابوبکر صدیقؓ تو خود ان شرفاء کے لیے خوف و خشیت الٰہی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے جب کہ حضرت عمرؓ اُن کے بارہ میں صرف اسی چیز کو قبول کرتے تھے جس سے انجام کار اُن میں کوئی بُرائی نہ پیدا ہو سکے دوسرے وہ لوگ بھی باوجود اشراف و اعیانِ قوم ہونے کے حضرت عمر فاروقؓ کی مخالفت کی تاب نہیں لا سکتے تھے اس لیے کہ ان کی ذات شک و شبہ سے بالاتر تھی اور اگر وہ شبہ کرتے بھی تو ان کو ایک مرتبہ خلافت کے لیے قبول کرنے کے بعد ان کے شکوک کو کوئی عقل مند شخص تسلیم بھی نہیں کر سکتا تھا اس کے

Marfat.com

برخلاف یہی اعیان و اشراف حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں سخت منافست اور فخر و مباہات میں مبتلا ہو گئے تھے اور آئے دن حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے لیے نئی نئی شرائط عائد کرتے رہتے تھے اور نت نئے مسائل کھڑے کرتے رہتے تھے لیکن عوام الناس کی حالت قدرے ان سے مختلف تھی وہ لوگ کاروبار اور اپنے دھندوں میں مشغول رہتے تھے اور اس کے بعد وہ اپنا سارا وقت بے کاری اور بے ہودہ مشغلوں میں صرف کرتے تھے دراصل یہ چیزیں ان کو رومیوں کے معاشرتی اثرات سے ورثہ میں ملی تھیں علاوہ ازیں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی سیاست مدینہ کے اشراف و اعیان کو اپنے پاس رکھنے اور ان کو مدینہ سے باہر نہ بھیجنے کی پالیسی کے مطابق تھی یہ دونوں بزرگ تو سپہ سالاروں کو بھی بدرجہ مجبوری صرف مناسب تعداد ہی میں باہر بھیجتے تھے، حضرت عمر رضؓ تو گورنروں کو بھی ایک جگہ زیادہ عرصہ تک متعین رکھنے کے قائل نہ تھے تاکہ وہ لوگوں کو اپنے قابو میں نہ کر لیں اور ان پر حاوی نہ ہو جائیں، لیکن حضرت عثمانؓ کی پالیسی اس سے بالکل مختلف تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ سیاسی حالات پہلے سے خاصے مختلف ہو گئے تھے، دوم ان کا خیال تھا کہ اگر اعیان و اشراف ملک سے باہر جائیں گے تو باہر کے انتشار پسند اور منحرف لوگوں کو راہِ راست پر لائیں گے اور لوگوں کے خیالات میں تبدیلی لائیں گے۔ اور ملک کو انتشار سے بچانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ جہاد کے محاذات سے فارغ ہونے کے بعد جب خلیفہ سوم دنیاوی امور کی طرف متوجہ ہوتے تو ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ گورنری کے عہدہ کا سب کے اطمینان کے مطابق پر کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس منصب کے لیے اور بعض دوسرے اہم منصبوں کے لیے اپنے اعزہ میں سے انہی لوگوں کو متعین رکھا جو ہر دو خلفاء یا حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ان منصبوں پر فائز تھے تاکہ اگر وہ خالصتاً لوجہ اللہ

Marfat.com

اپنا فرض منصبی ادا نہ کریں تو کم از کم قرابت کے خیال سے ہی اپنے فرائض انجام دیں۔ لیکن جب اس کے باوجود بھی ان کی اس پالیسی کے نتائج اچھے نہ نکلے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس کے تدارک کی کوشش میں مصروف ہو گئے، جن ملکوں میں خلیفہ سوم کے عزیز و اقرباء بہ حیثیت گورنر تعینات تھے۔ وہاں سے وفود پہنچنا شروع ہو گئے جنہوں نے ان لوگوں کو عیش و عشرت میں مبتلا پایا، حضرت عثمان رضؓ اپنے گورنروں سے ہر سال جس کو چاہتے تھے حج کے موسم میں حالات معلوم کرنے کے لیے مدینہ طلب کر لیتے تھے اور رعایا کو مطمئن کرنے کے لیے کچھ وہاں کے معتبر لوگوں کو بھی گورنروں کی کارکردگی اور دیگر کوائف حاصل کرنے کے لیے اپنے پاس بلا لیتے تھے۔ اسی دوران حضرت عثمانؓ کے بارہ میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ امراء کا بہت خیال کرتے ہیں جب کہ اہل حاجت اور فقراء کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے، ان کے بارہ میں یہ بھی کہا گیا کہ وہ لالچی اور غرض مند لوگوں سے بہت راضی ہوتے ہیں مگر فقراء اور اہل حاجت میں سے ایسے لوگوں کی حمایت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ کی حدود کا تعین کیا اور بعد کو اس میں مزید اضافہ کیا تو اس سے لوگوں میں سخت ناراضگی پھیلی اسی طرح جب انہوں نے ذمیوں کا تحفظ کیا تو حکیم بن جبلہ قسم کے بدمعاش لوگ آپے سے باہر ہو گئے حضرت عثمان رضؓ نے ایسے لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا اور پھر سختی کے ساتھ ان کو ذمیوں کو ہراساں کرنے اور لوٹ مار کر کے ان کا مال و متاع حاصل کرنے سے روک دیا۔ کوفہ سے شام تک کے علاقہ میں بھی اسی طرح ذمیوں کو ہراساں کیا جاتا اور ان کا مال لوٹ لیا جاتا تھا اس کی روک تھام کے لیے حضرت عثمان رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ کو بھی تاکید لکھی تھی جنہوں نے اس کا معقول بندوبست کر دیا تھا اپنے عہد میں حضرت عثمان رضؓ نے اپنے اصحاب کے عطایا اور وظائف میں بھی اضافہ کر دیا تھا تاکہ لوگ رزق حرام کی طرف مائل نہ ہوں اور یہ انہوں نے بطور رشوت

Marfat.com

نہیں بلکہ اپنا نا اور اخلاقی طور پر صحیح سمجھ کر کیا تھا جس کی مثالیں حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں بھی موجود تھیں، مورخین نے حضرت عثمان رضؓ کے دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک دور اصلاح و رضا اور دوسرا دور انتشار و شکایت کا اور غالباً وہ اس تقسیم میں حق بجانب بھی ہیں اور جو شخص اس تقسیم سے متفق نہیں ہے وہ ان دونوں ادوار کو ان کی کہولت اور شیخوخت پر محمول کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ ان ہر دو طبقات کے نزدیک حضرت عثمان رضؓ کی عمر ستر برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ بہر حال ان کے دور کے متعلق اتنی بات صحیح ہے کہ ان کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں لوگ وطن کے دفاع اور دشمنوں سے جنگ میں مصروف رہے لیکن ان کے عہد کے آخری سالوں میں اندرونی انتشار جنگ و جدال اور عیش و آرام میں پڑ گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ریاست بالعموم گورنروں کی صوابدید پر منحصر ہو کر رہ گئی تھی جب کہ اس سے قبل وہ گورنروں اور سربراہان فوج کے اشتراک سے چل رہی تھی لوگوں کے طور طریقوں میں یہ تبدیلی یک طرفہ اور اچانک پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ رعیت کی جانب سے ہوئی تھی اور اس میں راعی کا کوئی دخل نہ تھا چنانچہ طالب حقیقت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ یہ تبدیلی کلیتاً حضرت عثمان رضؓ کی جانب سے نہیں ہوئی تھی بلکہ رعیت ہی بدل گئی تھی اور یہ رعیت اب خلافت والی رعیت نہیں رہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ کہنا بھی کہ حضرت عثمان رضؓ اس تبدیلی میں اپنے کسی عمل سے بالکل شریک نہیں ہوئے غلط ہے اور یہ اس دعوے کا دوسرا رخ ہے جس کا دعویٰ باطل بنیاد پر مبنی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ سب سے بڑی مشکل یہی تھی کہ وہ کبھی اپنے آپ کو اُمویت کے ادعا سے بلند و بالا نہیں رکھ سکے حالانکہ وہ بھرپور اموی کبھی نہیں بنے ان کی اُمویت کی حد بس قرابت کی محبت تک تھی جس کے لیے انھوں نے ذوی القربیٰ کے لیے ایثار بھی کیا، ان میں امویت کا جذبہ طبعی اور

Marfat.com

نظری تھا جس نے اُن سے اُس خاندانی رشتہ و تعلق کو کبھی منقطع نہیں ہونے دیا ابوسفیان تو جب تک زندہ رہا نبوت اور ملوکیت میں نبی اور بادشاہ میں کبھی تمیز ہی نہ کر سکا وہ اکثر حضرت عباس رضؓ سے کہا کرتا تھا "تمہارا بھتیجا تو بہت بڑا بادشاہ بن گیا ہے۔" اور جب وہ مال غنیمت اور سونے کے ڈھیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑا دیکھتا تھا تو کہتا تھا تم تو قریش سے زیادہ مال دار ہو، حضرت حسن رضؓ سے مروی ہے کہ جس دن حضرت عثمان غنی رضؓ خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا "بنی تیم اور بنی عدی کے بعد اب تمہیں خلافت ملی ہے۔" اب اس کو گیند بنا لو اور بنی اُمیہ کو اس کا محور سمجھو۔ میں تو ملک کو ہی سب کچھ سمجھتا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ جنت کی حقیقت کیا ہے؟" یہ سُن کر حضرت عثمان رضؓ نے ابوسفیان کو جھڑک دیا اور اس کو دھکے دے کر نکلوا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمان رضؓ اپنے ایمان و عقیدہ کے اعتبار سے بے حد منزہ اور پاک طینت الشان تھے اور اس قسم کے دنیاوی میلانات و رجحانات سے بہت دُور تھے اور راموییت کے شر و فتنہ سے بھی محفوظ تھے لیکن وہ کلیتاً اپنے آپ کو امویت کی میراث سے نہ بچا سکے کبھی کبھار امامت پہ اُن کی نظر کچھ اس انداز سے پڑتی تھی جو ملکیت سے قریب ہو کر گزرتی ہے جب کبھی ابن مسعود ان پر محاسبہ کے لیے زور دیتے تھے تو وہ جواباً کہتے تھے "تمہیں میرے بیت المال سے کیا واسطہ" طبری کی روایت کے مطابق اپنے سب سے طویل خطبہ میں ان معترضین کے جواب میں جو ان کے ذوی القربیٰ کو بکثرت دینے دلانے پر گرفت کرتے تھے، انہوں نے کہا تھا "فاضل مال" "میں فاضل مال میں سے اپنی منشاء کے مطابق جیسا چاہوں کیوں نہ خرچ کروں۔" آخر میں کس لیے امام بنا ہوں۔" اس موقع پر ان کے انداز گفتگو سے خلافت میں ملکیت کا پیوند لگتا نظر آتا ہے اور زمانہ کی روش ان کو اموی رجحانات کی طرف مائل کرتی نظر آتی ہے جس کے

Marfat.com

اثر سے مالی معاملات میں ملکیت اور خلافت کے ڈانڈے ملتے نظر آتے ہیں ۔

باوجود اس کے کہ خلیفہ سوم کے عہد میں امامت کے حقوق مفہوم میں بہت کچھ وسعت پیدا ہوچکی تھی پھر بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ عثمانؓ نے کبھی بھی مصالح اُمت کے سوا کسی اور مد میں پیسہ خرچ کیا ہو اور یہ امر بالتحقیق ثابت ہے کہ انہوں نے خلافت سے قبل و بعد جو کچھ بھی خرچ کیا وہ رفاہ عام سے متعلق امور میں خرچ کیا اور یہی نہیں بلکہ وہ ہمیشہ بیت المال کے خصوصی فنڈ سے اسی احتیاط کے ساتھ خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ شدید فتنہ و فساد کے زمانہ میں ان کے خود اپنے محافظ کی تنخواہ بھی بیت المال سے ادا کرنا ان کے لیے حد درجہ سوہانِ رُوح تھی اور انتہائی ناقابل برداشت تھی ۔ اور اگر وہ نازک حالات میں ایسا کرتے تو نظم و نسق کے روایتی طریقوں کے خلاف بھی نہ تھا مگر انہوں نے اس کو بھی قبول نہ کیا ۔ حضرت عثمان رضؓ ہمیشہ افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کرتے تھے ۔ مفادِ عامہ کے امور ہوں اور خواہ تجارتی کاروبار اور آبادکاری کے معاملات ہوں وہ ہمیشہ اعتدال کی راہ اختیار کیے رہتے تھے ۔ مثلاً جدہ کی بندرگاہ کی مرمت و اصلاح جدید شاہراہوں کی تعمیر، پولیس چوکیوں کے مقام اور مارکیٹوں کی تنظیم وغیرہ میں بھی کبھی انہوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ، بعض لوگ حضرت عثمان رضؓ کی بکثرت جود و سخا اور بیت المال سے لوگوں کے وظائف مقرر کرنے کے بارہ میں اعتراض کرتے ہیں لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے کبھی کسی کو بے آبرو کیا ہو ، یا ان کی ذات سے کسی کو جانی یا مالی نقصان پہنچا ہو ۔ حتیٰ کہ فتنہ و فساد برپا کرنے والوں اور باغیوں کے لیے بھی جو دار پر لٹکائے جانے کے مستحق تھے کبھی قتل کر دینے کا حکم جاری نہیں کیا اور اگر کوئی شخص انہیں اس معاملہ میں بُرا بھلا کہتا ہے تو وہ اُن

Marfat.com

کی انتہائی نرم دلی اور جذبۂ ترحم کی بناء پر ایسا کہتا ہے - ان پر قساوت قلبی اور سختی کا الزام تو ان کے کسی بڑے سے بڑے دشمن نے بھی نہیں لگایا -
مورخین اکثر و بیشتر جب کسی شخص کی مشہور صفت کے بارہ میں اظہار خیال کرتے ہیں تو وہ اس کو بہت آسان کام سمجھ کر ایسا کرتے ہیں -

چنانچہ یہی طریقہ انہوں نے حضرت عثمان رض کی خلافت کے ابتدائی سالوں کی سیاست اور پالیسی کے سمجھنے اور اس کے متعلق اپنا نظریہ قائم کرنے کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے اُن کے خیال میں جو امور تاخیر و تفریط کا مظہر تھے یا ان میں تحمل و تدبیر کی ضرورت تھی اُن میں ان کے لیے کسی سے مشورہ لینا اور کسی کا تعاون غیر ضروری تھا - اس مرحلہ پر ہمیں بعض صحابہ کا حضرت عثمان غنی رض کو کمزور خلیفہ سمجھنے اور موافقین و مخالفین میں سے ہر ایک کے مشورہ کو بآسانی قبول کرنے کے الزامات کا خیال آیا ہے - اس سلسلہ میں من جملہ دیگر دلائل کے ان لوگوں کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ حضرت عثمان رض اپنے عمر کے آخری حصہ میں بعض اوقات بعض امور سے توبہ کر کے پھر ان سے پھر جاتے تھے لیکن جس بات کو صاحب دلیل بھول گئے ہیں وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب بھی کسی شخص سے توبہ طلب کی گئی اس کی توبہ کرنے کے بعد ہی اس کو قبول کیا گیا اسی طرح کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس سے کہا گیا ہو کہ تم خدا سے توبہ کرو - اور بغیر توبہ و استغفار کے اس کی توبہ قبول کی گئی ہو - چنانچہ صحابہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو توبہ و استغفار اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنے سے بے نیاز رہا ہو یا جس کو توبہ و ندامت کے خیال سے خدا کے حضور کھڑا ہونے میں عار یا شرم محسوس ہوتی ہو -
حضرت عثمان غنی رض کی توبہ مذکورہ بالا قسم کی توبہ ہوتی تھی جب کبھی آخر زمانہ میں ان کو اس کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ سراپا عجز و نیاز بن کر خدا کے حضور کھڑے ہو جاتے تھے -

Marfat.com

مورخین اپنی آسانی اور سہولت کی خاطر یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کے عمل و تدبیر کو اعوان و ناصحین پر ڈال دیں اور تاخیر و تفریط کو خود ان کی طرف یا ان اعوان و ناصحین کے غلبہ کی طرف منسوب کر دیں۔

مروان بن الحکم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کی غلطیوں کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے، مروان میں اتنی قوت کبھی نہ تھی جو اموی دولت کے قیام کے بعد اس کے مداحوں نے اس پر چسپاں کر دی تھی یہ قوت تو اس میں ملک، ریاست اور سیادت کے لالچ سے بھی پیدا نہیں ہو سکی تھی وہ امیر معاویہ کی اگرچہ بے حد مزاحمت کرنا چاہتا تھا، لیکن ان کے مقابلہ کی بھی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا تھا وہ عمرو بن عثمان کو امیر معاویہ کے خلاف بھڑکانے اور لڑانے میں بڑی راحت محسوس کرتا تھا وہ اُن سے کہتا تھا کہ ان کو خلافت صرف تمہارے باپ کی بدولت ملی ہے بہر حال اس کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گیا اور پھر نمودار ہونے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ وہ اس گوشہ عافیت سے امیر معاویہؓ اور یزید کی موت کے بعد نکلا۔ اس کا ارادہ تو یہ بھی تھا کہ عبد اللہؓ بن زبیر رضؓ کے لیے خلافت کی بیعت کر لے۔ مگر شام میں یمینوں اور بنو قیس کے مابین تنازعہ اُٹھ کھڑا ہونے کے باعث وہ ایسا نہ کر سکا۔ لیکن جب قسمت سے اسے خلافت مل گئی تو اس نے اپنی عیاری و چالاکی سے پہلے شام پر قبضہ کیا اور پھر مصر پر بھی اپنا قبضہ جما لیا لیکن دوسری طرف اس کی حماقتوں نے جلد اس کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا اس نے خالد بن یزید کے بڑا ہونے اور تخت حاصل کرنے کے خوف سے فوراً اس کی بیوہ ماں سے عقد کر لیا تاکہ اس کو ذلیل رکھنے کے ساتھ اس کے قبیلہ بنو کلب کی مدد اور تعاون بھی حاصل کر سکے لیکن خالد کی ماں کو جب مروان کی ان عیاریوں کی خبر ہوئی اور اپنے بیٹے کی زبانی سب کچھ اس کے علم میں آ گیا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم

Marfat.com

کسی سے نہ بتانا کہ تم نے مجھے کچھ بتایا ہے اور اس کے بعد اس نے مروان کو زہر دے کر مروا دیا اور اس کے منہ پر اُس وقت تک تکیہ رکھے بیٹھی رہی جب تک اس کا دم نہ نکل گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کی جانشینی منسوخ کر کے اپنے بیٹے عبدالملک اور عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی حماقت کی تھی جس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ بہرحال مروان ایسا شخص ضرور تھا جو طاقت و غلبہ حاصل ہونے کے بعد نہ کسی کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا تھا اور نہ کبھی اپنے دشمنوں اور منتقموں سے درگزر کرتا تھا۔ اس نے تو ان لوگوں کو بھی کبھی انعام و اکرام سے نہیں نوازا جو خود اس کے خاندان یعنی بنو عباس یا خاندان حرب سے تھے۔ خلافت کے انتخاب کے لیے سب سے بڑی بات اس کے حق میں یہ ہوئی تھی کہ جس وقت جابیہ کے مقام پر مجلس مشاورت میں اس کو خلیفہ منتخب کیا جا رہا تھا اس وقت خاندان بنو امیہ میں اس سے بڑھ کر تجربہ کار اور سن رسیدہ سیاست دان اور کوئی نہ تھا۔ مسعودی لکھتا ہے "اسلام میں یہ پہلا شخص تھا جس نے بہ زور اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔" یہاں ہم ایک بات ضرور کہیں گے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مروان بن الحکم کے غلط مشوروں سے حضرت عثمانؓ کے مصائب و آلام کی ابتداء ہوئی یا وہی ان کی پریشانیوں کا موجب تھے تو وہ تھوڑی دیر کے لیے ان مشوروں کو نظر انداز کر کے یہ فرض کر لے کہ اُن کو کسی نے مشورہ دیا اور نہ ہی انہوں نے کسی کا مشورہ قبول کیا اور پھر دیکھے کہ اوّل و آخر نتیجتاً حضرت عثمانؓ کے مصائب میں کیا کمی بیشی ہوئی، دراصل جد و جہد اور محنت و مشقت اس دَور کی خصوصیات تھیں جو کبھی خلافت کے اعتماد کی محتاج رہی اور وہ اس کو نہ مل سکی اور کبھی ملوکانہ غلبہ و اقتدار کی حاجت مند رہی تو وہ اس کو نہ ملا۔ غرضکہ جب ایک وقت اس کا سہارا نہ ملے اور دوسرے وقت دوسری چیز کا سہارا میسر نہ ہو تو پھر انجام معلوم!

Marfat.com

امام یا مصحف عثمان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دامن میں اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑا ذخیرہ عمل جو ان کے تمام اعمال خیر سے زیادہ وزنی اور سب سے بیش بہا اثاثہ ہے — وہ آپ کا کارنامۂ مصحف عثمانی ہے، جب اور جہاں اس مصحف شریف کا ذکر آتا ہے اس کے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کا نام نامی بھی ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح حضرت عثمان رضؓ کی فتوحات کا صحیح علم بہت کم لوگوں کو ہے اسی طرح یہ بھی بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انہوں نے کتنے حملہ آوروں اور غارت گروں کا منہ توڑ جواب دیا ہے حضرت عثمان غنی رضؓ نے اس مقدس صحیفہ کے سلسلہ میں جس جانفشانی اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے ان کے اس محبوب عمل کو لافانی بنا دیا ہے اور یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ جہاں اور جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے لوگ اس کو مصحف عثمانی کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں ابتدائی ایام میں اس نام کو تمام لوگ بطور علم کے آیاتِ قرآنی کے مجموعہ کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ لوگ اس کو امام بھی کہتے تھے یعنی حضرت عثمانؓ کے خلافت کے اوائل میں یہ امام اور مصحف دونوں ناموں سے مسلمانوں میں معروف متعارف تھا۔

یہاں یہ امر خارج از بحث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں قرآن کے جمع و ترتیب کی تاریخ کیا ہے ہمیں تو یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی زندگی کو اس کے تحفظ و بقا کے ساتھ کتنا گہرا لگاؤ اور قلبی شغف تھا، قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں کھجور کی شاخوں، پتھر کی کشادہ اور پتلی تختیوں، شانہ کی ہڈیوں، کھالوں

Marfat.com

اور درخت کے چھلکوں سے جمع کر لیا گیا تھا۔ لیکن سورتوں اور موضوعات کے لحاظ سے اس وقت اس کی ترتیب قائم نہیں ہوئی تھی۔ شیخ محمد عاتب سنقیطی کے مندرجہ ذیل اشعار سے اس کی تشریح ہوتی ہے۔

لم یجمع القرآن فی مجلد علی الصحیح فی حیاۃ محمد
قرآن پاک مجلد شکل میں صحیح بات تو یہی ہے کہ محمد صلعم کی زندگی میں جمع نہیں ہوا
وکان یکتب علی الاکتاف وقطع الادم واللخاف
اس کو تو شانوں کی ہڈیوں، کھال کے ٹکڑوں پر اور سینہ کی ہڈیوں پر لکھ لیا گیا تھا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں حفاظ پروانوں کی طرح شہید ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ حفاظ قرآن جہاں بھی جائیں گے ان کے ساتھ یہی سلوک ہوگا اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو قرآن پاک جمع کرنے کا مشورہ دیا اور پھر اس کو حیطۂ کتابت میں لے آنے کا خیال بڑے شد ومد سے ظاہر کیا حضرت عمر رضؓ کے اس مشورہ کو حضرت ابوبکر رضؓ نے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام نہیں دیا وہ اس کو کیسے کر سکتے ہیں اس کے بعد اُنھوں نے حضرت زید بن ثابت کاتب وحی کو بلوا بھیجا اور پھر حضرت عمر رضؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے مجھے اس امر کی دعوت دی ہے مگر میں نے انکار کر دیا ہے تم کاتب وحی ہو اگر تم ان کا ساتھ دو گے تو میں تم دونوں کے ساتھ ہو جاؤں گا اور اگر تم میری ہمنوائی کرو گے تو پھر میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ پھر ان دونوں کی آپس میں کچھ باتیں ہوئیں حتیٰ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، آخر تمہیں کیا نقصان ہوگا اگر تم ایسا کر لو گے، اس پر دونوں دیر تک دیکھتے رہے مگر بولے کچھ نہیں۔ بہرحال تمام آیات قرآنی جمع کی گئیں اور ہر آیت کی صحت کے متعلق حفاظ کی طرف خصوصیت سے رجوع کیا گیا۔ اس وقت انہوں نے جو آیات جمع کی تھیں اُن کی کتابت کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور نہ ہی اُن کے

Marfat.com

نسخے شہروں میں بھجوائے گئے کیونکہ اس وقت ان کی سب سے زیادہ توجہ آیات قرآنی کے جمع کرنے کی طرف تھی۔ اختلاف قرأت کی طرف کسی کا مطلق دھیان نہیں گیا تھا۔ لیکن قرآنی آیات میں قرأت کا اختلاف اس وقت رونما ہوا جب حضرت عثمان رضؓ کے دور میں لوگ شہروں اور قصبات میں چاروں طرف پھیل گئے اور اختلاف قرأت کے باعث نوبت یہاں تک پہنچی کہ اساتذہ اور طلبہ مکتبوں اور مدرسوں میں دست و گریبان ہونا شروع ہو گئے۔ اس لیے کہ طلبہ ماں باپ سے جو کچھ سنتے تھے اساتذہ سے مدرسوں میں اس کے خلاف قرأت سیکھتے تھے۔

جب حذیفہ بن یمان آرمینیہ کی جنگ سے مدینہ واپس لوٹے تو اپنے گھر میں داخل ہونے سے قبل وہ خلیفہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا امیرالمومنین لوگوں کو سنبھالیے قبل اس کے کہ وہ قرآن میں اختلاف کرنے لگیں! اس کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے دیر نہیں لگائی اور سیّدہ حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر قرآن پاک کا وہ نسخہ فوراً منگوایا جو اُن کے باپ نے اپنی وفات اور دوسرے خلیفہ کے انتخاب سے قبل اُن کے پاس امانتاً رکھوا دیا تھا اور پھر اس کے بعد زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیر رضؓ، سعید بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا کہ اس کی نقلیں تیار کریں اور پھر اس نسخہ کی ان تمام حفاظ سے تصحیح و تصدیق کرائی جن کو پورا قرآن پاک حفظ تھا اسی طرح اُن صحابہ سے بھی اُس کی تصدیق کرائی جن کو قرآن پاک پوری طرح حفظ تھا غرضکہ اس طرح ایک نسخہ ایسا صحیح تیار ہو گیا جس کی قراءت اور ترتیب آیات پر سب کو اتفاق تھا اس عظیم کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے اطمینان کا سانس لیا اور اب اُن کو کوئی ایسا خوف لاحق نہیں تھا۔
جو حضرت عمر رضؓ کے مشورہ سے قبل اس کام کے متعلق سوچتے ہوئے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو لاحق تھا۔ قرآن پاک کے اس متفقہ اور صحیح

Marfat.com

نسخہ کے حاصل ہو جانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے بقیہ تمام نسخے یا جلوا دیے یا محو کرا دیے۔ اسی طرح جو ہڈیاں، کھالیں اور درختوں کی چھالیں وغیرہ جن میں اگرچہ اختلاف نہیں تھا لیکن جن کی ترتیب پر اجتماع نہیں تھا۔ ان کو بھی منبر رسول اور قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین دفن کرا دیا اس کے بعد قرآن پاک کے متفقہ اور صحیح نسخے مملکت کے تمام اطراف و اکناف میں اس تاکید کے ساتھ بھجوا دیے گئے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کو نہ پڑھا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے اور ایک قراءت پہ تمام مسلمانوں کو متحد و متفق رکھنے کے لیے جس جذبہ ایمانی، جوش و حرارت اور حوصلہ مندی سے کام لے کر جو لافانی کارنامہ اور عظیم و مقدس فریضہ انجام دیا ہے اس کے احسان سے اُمت مسلمہ تا قیامت عہدہ برآ نہیں سکتی۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

خاتمہ کتاب

ہم اس کتاب کی پہلی فصل میں بتا چکے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضہ کے خلاف شورش برپا ہونے اور ان کی المناک شہادت واقع ہونے کے سلسلہ میں اُمت مسلمہ کو جس سب سے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا وہ ان اسباب و عوامل کا قطعیت کے ساتھ تعین کرنا تھا جن کے نتیجہ میں یہ حادثات پیش آئے مگر یہ اسباب و عوامل باہم ایسے ملے جلے، یکساں اور مشابہ ہیں کہ ان میں فرق و تمیز کرنا بے حد مشکل ہے اسی لیے بعض مورخین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ حادثے دو نہیں بلکہ ایک ہی ہے اس لیے کہ ان کے عوامل و اسباب متحد و یکساں ہیں بہر حال حضرت عثمان رضہ کی شہادت کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایسی زبردست اجتماعی شورش و بغاوت تھی

Marfat.com

جس کا دبانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی۔ حضرت عثمان رض کے خلاف جو فتنہ اور اجتماعی شورش برپا کی گئی تھی اس کے اسباب کے بارہ میں اس زمانہ میں مختلف باتیں بیان کی جاتی تھیں ان میں سے کچھ باتیں تو ایسی تھیں جو صرف زبان زد عوام تھیں مگر حقیقت سے اس کا تعلق نہیں تھا۔ حقیقی اسباب و علل درحقیقت کچھ اور ہی تھے بہرحال اس سلسلہ میں عام طور پر جو کچھ کہا جا رہا تھا ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کی سرداری و اقتدار اب ناقابل برداشت ہے دوئم یہ کہ امراء و حکام اپنے اعوان و انصار پر بے دریغ دولت خرچ کر رہے ہیں تیسرے یہ کہ اپنے اپنے عزیز و اقارب کو عہدوں، انعامات اور وظائف سے نوازا جارہا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت کے آغاز اور اموی حکومت کے قیام کے بعد ان میں سے کوئی سبب بھی اس اجتماعی شورش و بغاوت کے جواز کا حقیقی سبب کے لائق نہیں تھا۔

جو لوگ حضرت عثمان رض کے خلاف شورش و بغاوت کا عَلَم بلند کر کے آئے تھے وہ بصرہ، کوفہ اور مصر سے اس مقصد سے آئے تھے تاکہ طلحہ رض، زبیر رض اور علی میں سے کسی ایک کی خلافت کی بیعت کر لیں اور یہ سب لوگ قرشی تھے بہرحال اس کے بعد قرشی اموی حکومت قائم بھی ہوئی جس نے اپنے دور میں عصبیت کو پوری طرح اجاگر رکھا اور طرفہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے بنو اُمیہ کے خلاف شورش برپا کی انہوں نے یہ کام بنو ہاشم کے نام پر کیا جب کہ وہ خود بھی قرشی تھے اور پھر بعد میں بنی ہاشم سے دولت عباسیہ اور دولت فاطمیہ وجود میں آئی۔ حضرت عثمان رض کی شہادت کے تقریباً سو سال بعد عبدالرحمٰن (قریشی شکرہ) ابن معاویہ بن ہشام نے اندلس میں حکومت کی داغ بیل ڈالی اور چونکہ وہ قریشی النسل تھا اس لیے عربوں اور بربریوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت عثمان رض کے خلاف اجتماعی بغاوت قریش سے انتقام لینے پر مبنی تھی یا یہ کہ باغی لوگ قریش کے تسلط و اقتدار

Marfat.com

سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے حقیقت یہ ہے کہ امویوں نے غلبہ و اقتدار حاصل کرنے کے بعد دل کھول کر عصبیت پھیلا دی تھی اور انہی ہتھکنڈوں سے انہوں نے اپنے اقتدار کو استحکام بخشا اور اپنے دشمنوں سے خوب اچھی طرح انتقام بھی لیے اور دل کھول کر مظالم کیے۔ اور تعجب ہے کہ یہ سب کچھ ہوتے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رض کی طرح قتل بھی نہیں ہوا۔
امیر معاویہؓ کے عہد میں سواد کے علاقہ کا خراج تقریباً پچاس ملین درہم وصول ہوتا تھا۔ اور تقریباً اتنی ہی رقم فیروز اور جرجان سے خراج کے طور پر وصول ہوتی تھی۔ اس ساری رقم کو امیر معاویہ نہ صرف اپنے قبضہ و تصرف میں رکھتے تھے بلکہ اس کو اپنے اقتدار کو دوام و استحکام بخشنے کے لیے خرچ کرتے تھے اس کے علاوہ وہ مصر کے خراج کی ساری رقم عمرو بن العاص کو بطور اعانت و امداد اور صلہ کے طور پر بخش دیا کرتے تھے اسی طرح وہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بھی دو ملین درہم سالانہ دیا کرتے تھے جب کہ حضرت عمر رض کے زمانہ میں ان دونوں بھائیوں کو دس ہزار درہم سالانہ ملا کرتے تھے۔ اس کے بعد یزید بھی دینے دلانے کے معاملہ میں اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا چنانچہ جب عبداللہ بن جعفر ایک روز اس کے پاس آئے تو یزید نے ان سے پوچھا تمہیں کیا ملتا ہے؟ انہوں نے کہا ایک لاکھ، اس پر یزید نے کہا اچھا اب یہ رقم تمہارے لیے دگنی کی جاتی ہے عبداللہ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اتنا تو آپ نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ یہ سن کر یزید نے اس رقم کو بھی دگنا کر دیا۔ اور جب عبداللہ وہاں سے باہر نکلے تو یزید کے ہم نشینوں نے اس سے کہا کیا تم ایک ایک آدمی کو چار چار لاکھ دے رہے ہو یزید نے جواب میں کہا "تم پر افسوس ہے میں نے تو یہ رقم سارے اہل مدینہ کے لیے دی ہے اس کا ہاتھ تو صرف مانگنے والا تھا۔" اموی حکومت کی ایک دن کی یہ بخشش

Marfat.com

اکثر اوقات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سارے سال کی بخشش سے بھی فزوں تر تھی پھر یہ کہ حضرت عثمان رضؓ کی بخشش اکثر و بیشتر اپنے ذاتی مال میں سے ہوتی تھی اور اگر بیت المال میں سے بھی کسی کو کچھ وہ دیتے تھے تو بھی فتح و جہاد کے صلہ کے طور پر نہیں دیتے تھے۔ غرضکہ جب لوگ حضرت عثمان غنی رضؓ کے خلاف بغاوت کر کے مدینہ پر چڑھ آئے تو انہوں نے قریش کی سیادت و سرداری کا شور مچایا اور ان کی بخشش و عطایا کے لیے ہنگامہ کھڑا کیا۔ در اصل اس قسم کا شور و ہنگامہ بغاوت کا اصل سبب نہ تھا بلکہ اس کے برعکس جن قوتوں اور عوامل نے اجتماعی بغاوت کو ہوا دی تھی اور جس کے باعث اموی حکومت کے قیام میں مدد ملی وہ کچھ اور ہی تھے اس کا مختصر سا خاکہ ہم ذیل میں قارئین کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ نے مسلم معاشرہ کو ایسے نقطہ عروج پر پہنچا دیا تھا جس سے زیادہ عروج و ارتقاء بشری قوت و امکان سے باہر تھا اس کو قائم رکھنا اور مداومت بخشنا ہی اس دَور کے مسلمانوں کے سامنے بہت بڑا سوال تھا اس لیے کہ فتوحات کی وسعت مال و دولت کی کثرت اور معیشت میں زبردست انقلاب آجانے کے باعث معاملات کچھ ایسے دگرگوں ہو رہے تھے کہ لوگ معاشی و اخلاقی فتنوں میں مبتلا ہو کر اس نقطہ عروج کو برقرار رکھنے اور حالات کو بے قابو ہونے سے بچانے کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کر رہے تھے لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شورش کو انقلاب کا نام دیا تھا اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ انقلاب تو کیا تھا بلکہ اس کی نقیض اور ضد تھا جس نے مسلمانوں کی یکجہتی و اتحاد کو ختم کر کے افتراق و انتشار کی آگ میں جھونک دیا تھا۔ حالانکہ اصل انقلاب وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

Marfat.com

روح پرور ایمان و توحید کی دعوت نے لوگوں کے قلوب و اذہان میں پیدا کیا تھا، جس نے عربوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی اور ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔اب تو اس رُوح پرور انقلاب کو برقرار رکھنا اور اس کے فیوض و برکات سے فائدہ اُٹھانا ہی بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن افسوس کہ اس طرف دھیان دینے کی بجائے مسلمان اجتماعی شورش و بغاوت کی غلط روش پر پڑ گئے جس سے ان کی اخلاقی قدریں زوال پذیر ہو گئیں۔ حتیٰ کہ زمانہ کے تغیر و تبدل کے باعث مسلمانوں نے ایسے اثرات قبول کرنا شروع کر دیے کہ نبوت کے مقدس عہد کے بعد ابھی مسلمان خلافت کی برکتوں سے پوری طرح مستفید نہ ہونے پائے تھے کہ ان کو مملکت کے تسلط و اقتدار پر چھا جانے کی ہوس نے گھیر لیا۔

جہاں تک دوسرے حادثہ یعنی قتل خلیفہ کے المناک سانحہ کا تعلق ہے اس کو ابھارتے ہیں انہی شورشوں اور تنازعوں کو ہوا دی گئی جو ایسے موقعوں پر پست اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے بے بنیاد اور لاطائل دعوؤں پر مبنی ہوتے ہیں ساری مصیبتوں کی جڑ ان حقوق کا مطالبہ تھا جو جائز حدود میں اسلام نے ہر شخص کو عطا کیے ہیں اور جن کو تقویت خود حضرت عثمان غنی رضہ کے اس فرمان سے ملی تھی کہ لوگ ہر سال ایام حج میں آکر اپنے حکام و عمال کی شکایات پیش کر سکتے ہیں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں امراء و حکام کے خلاف لوگوں کو شکایت کرنے کا موقع دیا گیا تو ان کے حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ خود خلفاء کے انتخاب میں رد و قدح اور اعتراضات کی نوبت آ گئی، جس کے لیے انہوں نے حضرت عثمان رضہ کی ذات کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنایا اور طرح طرح سے ان کے خلاف بے بنیاد الزامات کو بہانہ بنا کر شورش و بغاوت کی طرح ڈالی۔انہوں نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن ابی سرح کی خامیوں اور برائیوں کو بھی خوب اچھالا جو عہد دعوت و نبوت میں مرتد ہو کر تائب ہو گیا تھا اور جسے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کے بعض غلاموں کا حاکم

Marfat.com

بنا دیا تھا لیکن اس مرتبہ شورش پسندوں نے نیا شوشہ یہ چھوڑا کہ حضرت عثمان رضؓ نے اس شخص کو قیادت اس لیے بخشی ہے کہ وہ ان کا رضاعی بھائی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح سب سے لائق لیڈر تھا اور جب وہ اسلام کی بحری و برّی فوجوں کا کمانڈر بنایا گیا یا رومیوں اور افریقیوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجا گیا تو اس نے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے ہی دم لیا اور فتح حاصل کر کے ملت کا نام روشن کیا ان لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ حضرت عثمان رضؓ نے مروان بن الحکم کو اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ بطور انعام کے بخش دیا ہے جو ابن ابی سرح نے افریقہ سے خلیفہ کے پاس بھیجا تھا حالانکہ یہ بات بھی غلط ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ابن ابی سرح نے سونے کا خمس جو پانچ لاکھ دینار بنتا تھا۔ نکال کر حضرت عثمانؓ کو بھیجا تھا جس میں بعض اثاثوں کے ساتھ کچھ مویشی بھی شامل تھے جن کا مدینہ پہنچانا بے حد دشوار تھا اس کو مروان نے خود خرید لیا تھا اور اس کی قیمت مروان کے پاس بطور امانت موجود تھی اس رقم کو حضرت عثمان رضؓ نے مروان کو افریقہ کی فتح کی خوش خبری سنانے پر بخش دی تھی۔ ابن ابی سرح کی کہانی سے ملتی جلتی حکم بن العاص کی کہانی بھی ہے جن کو حضرت عثمان رضؓ نے مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی تھی جن کو اس سے قبل مدینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلوا دیا تھا۔ اس قصہ کی اصلیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں رہائش کی اجازت سے منع فرما دیا تھا لیکن حضرت عثمان رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرما لیا تھا کہ وہ اس کو معاف کر دیں گے، اسی طرح لوگوں کو حضرت عثمان رضؓ سے کچھ اور شکایات بھی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ حضرت عثمان رضؓ نے رشتہ داری کی وجہ سے ولید بن عقبہ کو حاکم بنایا ہے، حالانکہ اس پر شراب نوشی کی تہمت لگ چکی تھی اور وہ ثابت بھی ہو چکی

Marfat.com

تھی اس سلسلہ میں یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو حاکم و والی مقرر کیا تھا صحیح نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس منصب پر تعینات تھا لیکن جب اس نے شراب پی تو حضرت عثمان رضؓ نے اس پر حد جاری کی اور اس کو معزول کر دیا، ایک امام اور خلیفہ آخر اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضؓ کو لوگوں نے اس پر بھی ملامت کی کہ انہوں نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کیوں نہیں کیا؟ جس پر اُن کے باپ کے قتل کا بھی اتہام تھا۔ بہر حال اس کو چھوڑ دینے کی جو وجوہ بھی لوگ بیان کرتے ہوں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اُن کے قصاص سے اس لیے صرف نظر کر لیا تھا کہ انہوں نے اس فتنہ کو دبانے میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے جب کہ خود اُن کے قتل کو بھی کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، بعض لوگ حضرت عثمانؓ پر الزام بھی عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو اپنے گھروں سے دُور بھیج دیا تھا اور ان کو ان کے کاموں سے ہٹا دیا تھا لیکن وہ اس الزام تراشی کے جوش میں یہ بات بھُول جاتے ہیں کہ ایسے لوگ حضرت عثمان رضؓ کو بہت سخت سُست اور بُرا بھلا کہتے تھے اور ان کی قطعاً عزت نہیں کرتے تھے حضرت عمر فاروقؓ نے سعدؓ بن وقاص کو محض اسی لیے پٹوایا تھا کہ وہ مجلس خلافت میں ان کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے جس پر ایک روز انہوں نے سعدؓ بن وقاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا شاید تم اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ تم خلافت سے نہیں ڈرتے ہو تو یقین رکھو خلافت بھی تم سے نہیں ڈرتی ہے اور شاید کسی نے آج تک یہ بات نہ سنی ہو کہ کسی نے اپنے دوست کے ساتھ بُرائی کرنے پر معذرت چاہی ہو لیکن حضرت عثمان رضؓ نے ابن مسعود رضؓ کی وفات کے دن اُن سے معافی مانگی تھی حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں لوگوں کو شکایات کی جو سہولتیں حاصل تھیں اور اور جس طرح صبر سے ان کو سُنا جاتا تھا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کو کھُلم کھُلا

Marfat.com

ان کے مقابلہ پر آنے کی جراءت پیدا ہوئی اوران کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے حوصلے پیدا ہوئے، اس سلسلہ کا سب سے تعجب خیز وہ واقعہ ہے جو محمد بن حذیفہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے ساتھ پیش آیا یہ حضرت عثمان رضؓ کے قریبی عزیز اور لے پالک تھے چونکہ اس زمانہ میں حضرت عثمان رضؓ کے متعلق اقربا پروری کے الزامات زور و شور سے عاید کیے جارہے تھے اور لوگوں کی زبانوں پر ان کا چرچا عام تھا مذکورہ شخص اگرچہ سب لوگوں سے زیادہ ان کا قریبی عزیز تھا لیکن پھر بھی انہوں نے اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی اوران پر شراب نوشی کی حد جاری کی۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں منصب ولایت کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے برجستہ فرمایا اگر تم واقعی اس منصب کے اہل ہوتے تو میں ضرور تم کو مقرر کر دیتا۔ چنانچہ یہی شخص بعد کو مصر سے آنے والے باغیوں کا سرغنہ بنا جس کے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کے اور بھی اعزہ تھے انہی لوگوں میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کو حضرت عثمان رضؓ نے شطرنج کھیلنے پر سزا دی تھی اورانہی میں وہ شخص بھی شامل تھا جس نے ایک عورت سے دوران عدت نکاح کر لیا تھا اورانہی میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے جن کو انہوں نے معزول کر دیا تھا۔ اور جو سب سے زیادہ ان کے مخالف اور سب سے بڑے دشمن ثابت ہوئے لیکن اس کے باوجود وہ حضرت عثمان رضؓ کو اعلانیہ توبہ کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ انہی میں ایک شخص وہ بھی تھا جن کو حضرت عثمان رضؓ کے حکام ڈانٹتے اور زجر و توبیخ کرتے تھے کیونکہ وہ دین کا استہزا کیا کرتا تھا اور جن چیزوں کو وہ خود باطل سمجھتا تھا ان کی خوبیاں بیان کرتا تھا اور سوءِ نیت سے بہت سے کاموں میں حصہ لیا کرتا تھا مثلاً ابن السوداء جو عبداللہ بن سباء کے نام سے مشہور تھا۔ یہی شخص لوگوں کے عقیدے خراب کرنے کے خیال سے کہتا تھا کہ نبی دنیا میں ایک مرتبہ پھر واپس آئیں گے اور علی رضؓ کی حمایت کریں گے نیز یہ کہ علی رضؓ کی

Marfat.com

ذات میں خدا حلول کیے ہوئے ہے حالانکہ حضرت علی رضؓ اس پر حضرت عثمان رضؓ سے زیادہ سختی کرتے تھے، حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شور و شر پیدا کرنے والوں میں ابو ذر غفاری جیسے متقی اور نیک لوگ بھی شامل تھے جن کی باتیں سننے کے لیے لوگ اُن کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے جو لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ابوذر رضؓ ان کو دنیاوی عیش و آرام تج دینے اور راہبانہ زندگی گزارنے کی تلقین کیا کرتے تھے جب لوگ حضرت عثمان رضؓ کے پاس مشورہ دینے کی غرض سے جمع ہوتے تھے تو بعض لوگ حضرت عثمان رضؓ کو مشورہ دیتے تھے کہ لوگوں کو شور و شر سے بچانے اور ان کے خیالات کا رُخ موڑنے کے لیے اُن کو جہاد پہ جانے کے لیے تیار کیا جائے۔ اس پر حضرت عمر رضؓ ایسا مشورہ دینے والوں سے کہا کرتے تھے کہ وہ جہاد کو سیاست کے طور پر کبھی استعمال نہیں کریں گے اور لوگوں کی سوچ پہ کوئی قدغن عاید نہیں کریں گے، حضرت عثمانؓ کے بعض ناصحین کا یہ مشورہ بھی تھا کہ وہ اپنا تحفظ کرنے کے لیے یا مکمل طور پر باڈی گارڈ اور محافظوں کا دستہ تعینات کریں یا پھر مدینہ سے شام چلے جائیں لیکن حضرت عثمان رضؓ کو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی قبول نہ تھی اس موقع پہ حضرت علی رضؓ کی رائے یہ تھی کہ گورنروں کا سختی سے محاسبہ کیا جائے اور ان گورنروں کو معزول کر دیا جائے جو اس سے قبل اپنے طور طریق اور طرزِ عمل سے نہ ابوبکرؓ کو خوش رکھ سکے اور نہ ہی حضرت عمر رضؓ کو ایسی صورت حال میں ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ عثمان رضؓ نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا اس لیے لوگ ان کے خلاف ہو گئے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا لوگ اُن سے اُس وقت بہت خوش ہو جاتے اگر وہ یہ کام کرتے یا وہ کام نہ کرتے، بہرحال ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسے معاملات میں کسی کی خوشی اور ناخوشی کا سوال بالکل نامناسب ہے کیونکہ دراصل ایسے معاملات میں اصل مصیبت اور مشکل لوگوں کی شکایات سُننے اور اُن کو سہولتیں پہنچانے کی وجہ ہی سے

Marfat.com

پیدا ہوتی ہے ۔ جوں جوں ان سہولتوں میں اضافہ ہوتا ہے ویسے ویسے مشکل مطالبات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ حضرت عثمان رضؓ کے سامنے بھی مشکلات کے پہاڑ محض اسی لیے کھڑے ہو گئے تھے کہ انھوں نے نیک نیتی سے لوگوں کی مشکلات حل کرنے اور ان کے مطالبات ہمدردی سے سننے کے لیے اپنے دروازے اُن کے لیے ہمیشہ کھُلے رکھے لیکن یہی چیز آگے چل کر ان کے لیے مزید مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ۔ علاوہ ازیں معیشت میں مثبت تبدیلیوں نے بھی لوگوں کو مادی عیش و آرام اور راحت و تنعم کی زندگی کی طرف مائل کر دیا تھا جس کے باعث لوگ قناعت و تقشف کی زندگی گزارنے سے کترانے لگے تھے ، ان شورش پسندوں میں ایسی بے باکی آگئی تھی کہ اُن کو اب حضرت علی رضؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ جیسے کبار صحابہ کو بھی ذلیل اور رسوا کرنے میں حجاب نہیں آتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے دل میں غالباً یہ خیال جم گیا تھا کہ یہ دونوں بزرگ بھی حضرت عثمان رضؓ کی طرف داری اور حمایت کرتے ہیں ۔ چنانچہ ان دو بزرگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر پوری قوت و طرف داری سے شورش پسندوں کے خلاف حضرت عثمان رضؓ کی حمایت و اعانت کی جاتی ہے تو تہمت کے الزام اور کھلم کھلا جانب داری اور طرف داری کے شاخسانے سے بچ نہ سکیں گے اور اگر طرف داری سے گریز کر کے معاملات اور حالات کو یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں تو باغی اور شر پسند لوگوں کے حوصلے اور بلند ہو جائیں گے اور وہ حضرت عثمان رضؓ کو معزول کر دیں گے ، بہر حال حالات کچھ اس نہج پہ پہنچ گئے تھے کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضؓ کی حفاظت و نگرانی کی ذمہ داری قبول کی تھی ان کو بھی حضرت عثمان رضؓ نے اپنی چوکیداری سے ہٹا دیا اور شاید اس لیے منع کر دیا کہ بعض لوگوں کے نزدیک وہ ان کی نگرانی اور چوکیداری میں خود کو محفوظ خیال نہیں کرتے تھے ۔ بہر حال اصل واقعہ کچھ بھی ہو یہ لوگ حضرت عثمان رضؓ کی نگرانی و حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر

Marfat.com

اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن شر پسندوں نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کو بدنیتی سے گھیر رکھا تھا یہ سمجھا کہ نگرانی چھوڑ کر جانے والے لوگوں نے حضرت کو اس طرح مزید ذلیل و رسوا کیا ہے۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عثمان رضؓ کی اپنے حق میں کوتاہی رعایا کے حق میں کوتاہی سے زیادہ بڑی تھی انہوں نے امن و سلامتی کے فروغ میں اپنی طرف سے حد سے زیادہ کوشش کی اور ہر اس شخص کے ظلم و زیادتی کو معاف کر دیا جس کو کوئی شخص بھی معاف نہیں کر سکتا ان کا عالم یہ تھا کہ اگر وہ اپنے دشمنوں پر قابو بھی پا لیتے ہیں تو گو وہ مجبوراً ایسا کرتے تھے مگر اس سے بھی ان کو روحانی اذیت اور دلی دکھ ہوتا تھا وہ اپنے آپ کو کبھی منزہ عن الخطاء نہیں سمجھتے تھے خلافت کے ایام میں وہ ہمیشہ احتیاط سے قدم اُٹھاتے تھے اور خدا سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اُن کے کسی اقدام سے کسی کے ساتھ ظلم یا ناانصافی نہ ہو جائے اس کے بعد بھی اگر وہ خلافت پر قائم رہنے کے لیے اصرار کرتے رہے تو اس کے لیے ہم ان کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے، چنانچہ وہ ان لوگوں کو جو ان کو خلافت نہ چھوڑنے کی صورت میں قتل کر دینے کی دھمکیاں دیتے تھے جواب دیا کرتے تھے کہ وہ اس قمیص کو کیسے اتار دیں جو اللہ نے انہیں پہنائی ہے بعض لوگ حضرت عثمان رضؓ کے اس اصرار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت سے منسوب کرتے ہیں جو آپ نے مرض وفات میں حضرت عباس رضؓ کے حق میں فرمائی تھی۔ اور بعض لوگ اُن کی یقینی موت کی طرف اس کو منسوب کرتے ہیں بہرحال اس اصرار کا اور کوئی سبب بجز ایثار و قربانی کے ہم کو نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی زندگی کو بھی اس ایثار و قربانی کی نذر کر دینے کو ہر وقت تیار نظر آتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جتنے فتنے برپا کیے گئے وہ جوان کی المناک شہادت پر منتج ہوئے۔

Marfat.com

آج اُن کا شمار اسی طرح لاحاصل ہے جس طرح تمام کرداروں کی جانچ پڑتال کرنا ان باغیوں کے نام شمار کرنا جنہوں نے باہم خط وکتابت اور مراسلت جاری رکھی یا ایک دوسرے کو دعوت دے کر بلاتے اور باہم گر ملاقات کرتے رہے۔ اور مختلف شہروں کے وفود ایک دوسرے سے باہم ربط وضبط وغیرہ قائم کرتے رہے وغیرہ وغیرہ لاحاصل اور بے سود ہیں۔ اس پوری شورش اور فتنہ کے دوران جو کچھ بھی ہوا اس کے گہرے مطالعہ سے اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے خلاف شورش و بغاوت کے متعلق کبار صحابہ میں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور قریش کے خلاف جو فتنہ اٹھایا گیا اس میں بھی اُن میں سے کسی کا ہاتھ نہیں تھا اور ایسا ہونا دراصل خود قریش کے تدبر اور دانش مندی کے خلاف ہوتا۔ بعض فتنہ پرور لوگ جو بزعم خود اپنے آپ کو اصحاب علی میں شمار کر رہے تھے وہ بھی اس طرح اپنے عمل سے نہ حضرت علی رضؓ کو کوئی فائدہ پہنچانے کی پوزیشن میں تھے اور نہ ہی حضرت علی رضؓ ان کی ان باتوں سے خوش ہو سکتے تھے دراصل اس سارے شور و غوغا کا کوئی سر پیر تھا ہی نہیں اس اندھے شور و غوغا آرائی کے پیچھے مورخین کو جو کچھ نظر آتا تھا وہ ایک ایسا غیر مرئی ہاتھ تھا جس کا مقصد بجز مملکت اسلامی کو فتنہ وفساد کی آگ میں جھونکنے اور بے مقصد و لاحاصل فتنہ کھڑا کرنے کے کچھ نہ تھا۔ اس ناپاک مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے افتراق و انتشار کی نظر کرنے کے لیے عبداللہ بن سبا اور اس کے حواریوں کو ایسے لوگ اس ہنگامہ دار وگیر میں ضرور حاصل ہو گئے تھے جن کے متعلق آج تک کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آیا یہ لوگ عرب تھے یا عجم مسلم تھے یا مفسد اور پھر اس سلسلہ میں اس خط نے تو سارے قضیہ ہی کو اس کے بدانجام تک پہنچا دیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضؓ والے غلام کے پاس سے نکلا تھا اور جس میں مصر کے گورنر کو حکم دیا گیا تھا کہ وفد کا

Marfat.com

جو لیڈر اُن کے (حضرت عثمانؓ) کے پاس سے مصر واپس آرہا ہے اس کو عبرتناک سزا دی جائے۔ مصر کا یہ وفد بظاہر حضرت عثمان رضؓ کے پاس سے وعدے وعید لے کر خوش خوش واپس ہوا تھا۔

جس دن یہ وفد مدینہ سے مصر واپس پہنچا بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا دستخط شدہ اور مہر لگا ہوا خط برآمد ہوا، اس خط میں تحریر تھا کہ عبدالرحمان بن عدلیس، عمرو بن الحمق، اور عروہ بن البباع کے کوڑے لگائے جائیں اور ان کے سر اور داڑھیاں مونڈھ دی جائیں اور ان میں سے بعض کو تختہ دار پہ لٹکا دیا جائے۔ مصر کا یہ وفد مدینہ سے تنہا واپس نہیں آیا تھا بلکہ کوفہ، اور بصرہ کے وفود بھی اس کے ساتھ مدینہ سے واپس آئے تھے۔ راستہ میں یہ خاصے لوگ مختلف الخیال ہو گئے تھے، حضرت علی رضؓ کو غالباً خیال نہ رہا کہ وہ ان مختلف و متعدد شہروں کے مختلف الخیال لوگوں کے باہمی ملاقات اور ربط ضبط کا راز دریافت کرتے اور خط کی اس حقیقت کا پتہ لگاتے اور اگر واقعی خط کا قصہ صحیح تھا تو ان وفود کے لیڈروں سے اس کی اصل کیفیت اور باہمی میل جول اور تال میل پیدا ہونے کے بارہ میں دریافت کر لینا حضرت علی رضؓ کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ بہرحال اس کے بعد اس المیہ کا آغاز ہوا جس کو طول دینا ہمیں نہ پسند ہے اور نہ ہم میں سے کسی کے لیے خوش آئند۔ فتنہ و فساد کی جن چنگاریوں کو ہوا دے کر شعلۂ جوالہ بنا دیا گیا تھا۔ اس کی بنیاد خبیث النانوں کی طبیعت میں چھپا ہوا وہ فطری شر تھا جو بنی نوع انسان کی پیشانی کے لیے ہر دور میں کلنک کا داغ رہا ہے جس طرح ہر شر میں خیر کا بھی کوئی پہلو ہوتا ہے خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف برپا ہونے والے شر میں بھی خیر کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس میں جمہوری حق پہ وہ لوگ اپنا دعویٰ جتا رہے تھے جو صحیح طور پہ اس کا شعور نہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو اس خلیفہ کے محاسبہ کا حق دار

Marfat.com

سمجھ رہے تھے جس کی حدود مملکت اس دور میں چین کی سرحدوں سے لے کر بحر ظلمات تک مطیع ہو چکی تھیں اور اس میں خیر کا دوسرا پہلو ۹۰ سالہ ضعیف و ناتواں خلیفہ کی قوت ایمانی اور خشیت الٰہی کا زبردست مظاہرہ بھی تھا جس کو بے یار و مددگار اپنے ہی گھر میں ایسی حالت میں پیاسا شہید کر دیا گیا کہ اگر وہ چاہتا تو اس کے ایک اشارہ پر خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔
اگرچہ ہم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کی سیرت کو عبقریت امام عبقریت صدیق رضؓ اور عبقریت عمر رضؓ کی طرح عبقریت عثمان رضؓ سے موسوم نہیں کیا ہے مگر اس حقیقت سے بھی کسی کو مجال انکار نہیں کہ ہم عبقریت کی جگہ ان کے ذوالنورین ہونے کے قائل ہیں اور ان کے مینارۂ نور و یقین ہونے کا یقین رکھتے ہیں اور ان کی پاکیزہ سیرت نیک طینت اور صالح فطرت پر ایقان کامل رکھتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ختم شد

Marfat.com

سوانح

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

تصنیف

عباس محمود العقاد مصری

ترجمہ

سیّد عبد الرشید ندوی ایم اے

ناشر

نفیس اکیڈیمی

اردو بازار، کراچی

[illegible] BOOK SERVICE
[illegible] BAZAR,
[illegible] ORE-2.

Marfat.com